ارمغانِ امامِ ربانیؒ

ترتیب وتدوین

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

جلد ہفتم

امام ربانی پبلیکیشنز لاہور پاکستان

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر لکھے جانے والے مضامین کا مجموعہ

ارمغانِ امامِ ربّانی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تدوین

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

ڈین فیکلٹی آف اورینٹل سٹڈیز

شعبہ عربی و علوم اسلامیہ

جی سی یونیورسٹی ○ فیصل آباد

جلد ہفتم

باہتمام

محمد ناظم بشیر نقشبندی مجددی

امام ربانی پبلیکیشنز لاہور پاکستان

DATA ENTERED

Marfat.com

سلسلہ اشاعت ۸

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

297.04
154 م
144723
جلد 7

نام کتاب	ارمغانِ امامِ ربانی (جلد ہفتم)
ترتیب وتدوین	ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس
پروف ریڈنگ	شاہد حسین
باہتمام	محمد ناظم بشیر نقشبندی مجددی
خطاطی	احمد علی بھٹہ
اشاعت	محرم الحرام ۱۴۳۸ھ / اکتوبر ۲۰۱۶ء
ناشر	امامِ ربانی پبلیکیشنز لاہور پاکستان
صفحات	۲۵۰

ملنے کا پتہ

○ مرکزی دفتر مجدد الف ثانی سوسائٹی لاہور، پاکستان K1-51 واپڈا ٹاؤن لاہور
○ دفتر روزنامہ جرأت / تجارت 14 ڈیوس روڈ، لاہور، پاکستان

فون آفس 00-92-4236375697 موبائل 0092300-4299321

www.mujadidway.com

297.4 ارمغان امام ربانی، مرتب: محمد ہمایوں عباس شمس، ڈاکٹر
ارم

لاہور، امام ربانی پبلیکیشنز 2016

500ص

1۔ تصوف

Marfat.com

فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات
5	☆ پیش گفتار
9	☆ مجدّد الفِ ثانیؒ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ (حیات وخدمات)
45	☆ شیخ احمد سرہندیؒ کے تجدیدی کارنامے علماء عصر جدید کی نظر میں
59	☆ شذرات، سولھویں اور سترہویں صدی میں شمالی ہندوستان میں مسلمان مجددوں کی تحریکیں
137	☆ مقالات سولھویں سترہویں صدی میں شمالی ہندوستان کے اندر مسلم احیائی تحریکیں
166	☆ حضرت مجدّد الفِ ثانیؒ اور احیائے سنت
193	☆ کیا وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود نزاع لفظی ہے؟
211	☆ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور فیضی وابوالفضل کے تعلقات واختلافات پر ایک اجمالی نظر
225	☆ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اور ٹیپو شہیدؒ
247	☆ مکتوبات امام ربانیؒ اعلیٰ عربی زبان وادب کی مثال
262	☆ مکتوبات امام ربانی کی تنقیدی اشاعت کی ضرورت

Marfat.com

انتساب

بیسویں صدی میں فکر اسلامی کے راہنما

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلِّمْ

پیش گفتار

برعظیم پاک و ہند میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فکری کجی پرمبنی سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام پر کڑی علمی و تحقیقی اسالیب پر تنقید کی جس کے نتیجہ میں ''مستقیم فکر'' پرمبنی رویے پروان چڑھے۔ اسلام کی حقیقی روح سے آشنائی ہوئی اور مفاد پرستانہ تعبیرات وتشریحات پر کاری ضرب لگی۔ صدیقی نسبت اور فاروقی نسبت کے اثرات کی آمیزش نے عشق وعقل، شریعت وطریقت، اور علم وعمل کا وہ توازن دیکھا جس کی مثال اسلامی تاریخ میں صدیوں بعد ظاہر ہوتی ہے توازن کا یہی وہ اعلیٰ ترین معیار تھا جس نے حضرت امام ربانی کی عبقریب کو اپنے معاصرین میں نمایاں ترین کر کے ''مجدد الف ثانی'' کا لقب عطا کیا۔ تاریخ دعوت وعزیمت کا باب جب بھی، جہاں بھی اور جس زبان میں بھی لکھا جائے گا۔ شیخ سرہندی کی عبقریت اور کارہائے نمایاں کا تذکرہ ضرور اس کا حصہ ہوگا۔

تاریخ انسانی اس بات کی گواہ ہے کہ مبنی برا عتدال فکر پر ''غیر متوازن فکر'' کے حامل گروہ ہمیشہ نکتہ چینی کرتے آئے ہیں۔ نام نہاد دانش کے ایسے وجود بھی تاریخ کا حصہ ہیں جنہیں کائنات میں وجود باری بھی نظر نہیں آتا، ایسے حکیم بھی موجود ہیں جنہوں نے انبیائے علیہم السلام کی تعلیمات کو اپنی عقل ناقص پر تولا اور رد کر دیا۔ قوم کے دردمند اور ''اپنے اسلاف'' کی روایات کے تحفظ کے نام پر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

Marfat.com

جامعیت و اکملیت اور خاتمیت کا انکار کر دیا ایسے دینداروں کی کمی نہیں جنہیں نواسہ رسول حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا اقدام شریعت محمدی کے اصولوں سے متصادم دکھائی دیتا ہے۔ یہ غیر متوازن فکر ہر دور میں موجود رہی مقصد اپنے مفادات کا حصول تھا اس کے لیے ''وقت کے تقاضے'' ''صلح کلی'' روشن خیالی اور مکالمہ کے نام پر ہر دور میں دعوت وعزیمت کے روشن ستاروں پر اعتراضات کیے گئے۔ اسی لیے حضرت امام ربانی کی ذات بابرکات کو بھی آپ کے دور میں اور بعد کے محققین نے طعن و اعتراضات کا نشانہ بنایا۔ ایسے لوگوں نے جس تنقیصی ادب کو ترتیب دیا اس کی تفصیلات پروفیسر محمد اقبال مجددی نے جمع کی ہیں وہ لائق مطالعہ ہیں انیسویں، بیسویں صدی میں جب جان پرکھ کے نئے اسالیب مستشرقین کے زیر سایہ ترتیب دیئے جا رہے تھے تو اس نئے اسلوب میں پھر پرانے اعتراضات کی دہرانے والوں میں ایک نام ڈاکٹر سید اطہر عباس رضوی کا بھی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے فکری سانچہ پر حضرت ابوالحسن زید فاروقی کی تالیف کاری ضرب ہے۔ یہ کتاب تحقیق و تنقید کے نئے آفاق متعارف کرواتی ہے۔ ڈاکٹر رضوی کا تعلق انڈیا سے ہے، ان کی کتاب پر اہل ہند نے کڑی تنقید کی جو معارف اعظم گڑھ میں شائع ہوئی۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے اس کتاب کی خوب خبر لی اور بین السطور اس حقیقت کو آشکارا کر دیا کہ ضروری نہیں عصری جامعات کا ہر کام علم و تحقیق کے نئے گوشے وا کرے۔ یہ کتاب تحقیق کے نام پر تشکیک پھیلانے کا اچھا ہتھیار معلوم ہوتی ہے۔ جس میں عبارات کی اغلاط، سرقہ، غلط تراجم، جیسے سیکڑوں قابل اعتراض نکات نظر آئیں گے۔ شبیر احمد غوری نے بھی اس کتاب کی خوب خبر لی، معارف میں دیگر کئی ایسے مقالات بھی شائع ہوئے جو براہ راست ان مقالات کا جواب تو نہ تھے مگر بالواسطہ جواب ضرور تھے۔ کیونکہ ان میں حضرت امام ربانی کے کارہائے نمایاں کو اجاگر کیا گیا تھا۔

Marfat.com

اس کتاب میں ''معارف اعظم گڑھ'' اور تحقیقات اسلامی کے ایسے مقالات کو اکٹھا کر دیا ہے جو ''فکر و کار امام ربانی'' کے حوالے سے غلط فہمیاں دور کرنے میں ممد و معاون ہو سکتے ہیں۔ حضرت امام ربانی کے افکار سے نتائج اخذ کرتے ہوئے بعض اوقات مقالہ نگاروں نے جمہور کی فکر سے ہٹ کر راہ نکالی یا کہیں تنقید کرتے ہوئے کسی فرد/مسلمان فرقہ/مسلم تحریک کے بارے میں سخت الفاظ کہہ دیئے تو یہ راقم کی رائے ہے نہ اس سے اتفاق ہے۔ مگر مقالہ نگار کے مجموعی تاثر کو سامنے رکھنے کے لیے ایسی سطور/آراء/افکار کو حذف نہیں کیا گیا بلکہ۔ بعینہ ان رسائل و جرائد سے نقل کر دیا ہے راقم ان رویوں/افکار سے اتفاق نہیں کرتا۔ ان مقالات کو ارمغان امام ربانی کی ساتویں جلد کے طور پر شائع کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ قارئین اس سے استفادہ کریں گے، معارف اعظم گڑھ اور تحقیقات اسلامی کے درج ذیل مقالہ نگاروں کا شکریہ ان کی تحقیقات کو ساتویں جلد میں جمع کیا گیا۔

ڈاکٹر محمد عبد الحق انصاری

مولانا اشہد رفیق ندوی

سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب

شبیر احمد خاں غوری صاحب

ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن

مولانا غلام محمد صاحب

محمد اسحاق صاحب اسمٰعیل

شمیم طارق صاحب

اورنگ زیب اعظمی

ڈاکٹر عارف نوشاہی

Marfat.com

ارمغان امام ربانی کے اس سلسلہ کا آغاز صوفی غلام سرور رحمۃ اللہ علیہ نے کیا۔ یہ سات جلدیں فکر امام ربانی پر کام کرنے والوں کے لیے رہنما ثابت ہوں گی۔ اور علم نافع یقیناً صوفی صاحب کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔

''نگاہ سرور'' کے تربیت یافتہ جناب ناظم بشیر اس فکری کام کی ترویج و اشاعت کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی کاوشوں کو بھی ''حسنات سرور'' میں شمار کر کے، حضرت صوفی صاحب کے درجات کو بلند فرمائے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

طالب دعاء

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

۱۰ محرم الحرام ۱۴۳۸ھ/۱۲، اکتوبر ۲۰۱۶ء

Marfat.com

مجددِ الفِ ثانیؒ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ

(حیات وخدمات)

ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری

مترجم: مفتی محمد مشتاق تجاروی

شیخ احمد سرہندی ۴/شوال ۹۷۱ھ/۲۶/مئی ۱۵۶۴ء بروز جمعہ پنجاب کے مقام سرہند میں پیدا ہوئے۔ نسباً فاروقی تھے۔ آپ کے خاندان میں کئی پشتوں سے تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری تھا، ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ عبدالاحد (۹۲۷ھ/۱۵۲۱ء۔۱۰۰۷ھ/۱۵۹۸ء) سے حاصل کی پھر کلام پاک حفظ کیا، اس کے بعد سیالکوٹ (حال واقع پاکستان) کے مشہور عالم ملا کمال کشمیری (م۱۰۱۷ھ/۹۔۱۶۰۸ء) سے منطق، فلسفہ اور علم کلام کی تعلیم حاصل کی حدیث صحیح بخاری کے شارح شیخ یعقوب صرفی (م۱۰۰۳ھ/۱۵۹۴ء) سے اور تفسیر نیز حدیث کی امہات کتب قاضی بہلول بدخشنی سے پڑھیں اور صرف سترہ سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فراغت حاصل کر کے وطن واپس ہوئے۔

تین سال کے بعد شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ/۱۵۵۶م۔۱۰۱۴/۱۶۰۵) کے پایہ تخت آگرہ کا سفر کیا اور بعض درباری علماء جیسے فیضی (۹۵۴/۱۵۴۷۔۱۰۰۴/۱۵۹۵) اور ابوالفضل (۹۵۸ھ/۱۰۰۱ء۔۱۰۱۱ھ/۱۶۰۲ء) کے ساتھ بھی نشست و برخاست رہنے لگی۔ کہا جاتا ہے کہ فیضی کی غیر منقوط تفسیر سواطع الالہام کی تصنیف میں شیخ احمد نے بھی تعاون کیا تھا۔ تاہم ابوالفضل کے ساتھ ان کی زیادہ دن تک نہیں بنی ابوالفضل خدا کے وجود پر تو یقین رکھتا تھا لیکن شریعت وعبادت کا منکر تھا نیز تمام مذاہب کو مبنی بر غلط قرار دیتا تھا اور ہر معاملہ

Marfat.com

میں محض عقل پر بھروسہ کرتا تھا۔۲ یہ خیالات صرف ابوالفضل کے نہیں تھے، شاہی دربار سے وابستہ متعدد علماء انہی خیالات کے حامل تھے۔۳ شیخ احمد نے اس صورت حال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ہمارے عہد کے بعض لوگوں نے نبوت تک میں شک کرنا شروع کر دیا ہے اور دعوائے نبوت کے اثبات کے سلسلہ میں یہ اعتراضات کیئے ہیں کہ دعویٰ نبوت کا اثبات کرنا دشوار ہے۔ بہت سے لوگ علماء کو صرف اس لیے ایذا پہنچاتے ہیں کہ وہ اتباع رسول کی پابندی کرتے ہیں۔ جس کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے۴''

ابوالفضل کے ساتھ ایک مباحثہ میں شیخ احمد نے نبوت کا اثبات کیا ابوالفضل کو بھلا یہ کب گوارہ تھا۔ اس نے شیخ کے ساتھ توہین آمیز سلوک کیا، شیخ احمد نے بددل ہو کر ابوالفضل سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔۵ شیخ احمد کے والد کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آگرہ آکر انہیں سرہند لے گئے راستہ میں تھانیسر کی مقتدر شخصیت شیخ سلطان کی خواہش پر ان کی دختر سے شیخ احمد کا نکاح کر دیا۔۶ سرہند پہنچ کر شیخ احمد نے اپنے والد کی نگرانی میں تصوف کی امہات کتب جیسے شیخ کلاباذی (م ۳۹۰ھ/۱۰۰۰) کی ''التعرف لمذہب اہل التصوف'' شیخ شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ/۱۲۳۴ء) کی عوارف المعارف اور شیخ ابن عربی (م ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء) کی فصوص الحکم وغیرہ کا مطالعہ شروع کیا۔۷

شیخ عبدالاحد نے اوائل عمر میں ہی شیخ عبدالقدوس گنگوہی (م ۹۹۱ھ/۱۵۸۳ء) کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہی۔ شیخ گنگوہی وحدۃ الوجود کے قائل تھے اور بڑے صاحب جذب وسکر تھے۔ لیکن شیخ گنگوہی نے انہیں پہلے علوم شرعیہ کی تکمیل کا حکم دیا۔ شیخ عبدالاحد نے تعمیل ارشاد میں واپس آکر متعدد مقامات کا سفر کیا اور مختلف علماء سے دینی علوم کی تکمیل

Marfat.com

کی۔ چند سال بعد جب واپس لوٹے تو شیخ گنگوہی کا وصال ہو چکا تھا۔ اس لیے ان کے بیٹے اور خلیفہ شیخ رکن الدین سے قادری اور چشتی سلسلوں میں اجازت و خلافت حاصل کی۔8 شیخ عبدالاحد بھی وحدۃ الوجود میں یقین رکھتے تھے۔ لیکن جیسا کہ شیخ احمد نے وضاحت کی ہے وحدۃ الوجود کے اندھے مقلد نہیں تھے۔ انہوں نے اس نظریہ کے بعض پہلوؤں کی خود اپنے طور پر تشریح کی تھی۔9

شیخ احمد نے ایک مکتوب میں اپنے والد کی ایک تصنیف کنز الحقائق کا ذکر کیا ہے۔۱۰ اوران کے سوانح نگار محمد ہاشم کشمی نے ایک دوسری کتاب اسرار التشہد کا تذکرہ کیا ہے۔۱۱ شیخ احمد نے تصوف کا مطالعہ اپنے والد کی نگرانی میں کیا اور انہی کی صحبت میں راہِ سلوک طے کی اپنی کتاب مبدأ و معاد میں اپنے والد کے اس احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے اپنے والد سے نسبت فردیہ حاصل کی۔۱۲ اور انہوں نے یہ نسبت ایک مشہور صاحب وجد صوفی سے حاصل کی تھی۔ مجھے نفل عبادات خاص طور پر فرض نماز کا ذوق بھی اپنے والد سے ہی حاصل ہوا اور انہوں نے یہ ذوق ایک چشتی صوفی سے حاصل کیا تھا۔۱۳

۱۰۰۷/ ۸۔۱۵۹۷ میں شیخ عبدالاحد کی وفات کے بعد شیخ احمد نے حج کا ارادہ کیا۔ اثناء سفر دہلی میں خواجہ باقی باللہ (۱۶۰۳/۱۰۱۲۔۱۵۶۳/۹۷۱) کے یہاں، جو ہندوستان میں سلسلہ نقش بندیہ کے بانی ہیں، حاضری دی۔ (خواجہ باقی باللہ چند ماہ پیشتر ہی دہلی تشریف لائے تھے لیکن اس مختصر سے عرصہ میں غیر معمولی شہرت حاصل کر لی تھی)

خواجہ کی ترغیب پر شیخ احمد نے کچھ وقت خواجہ کی خدمت میں گذارنے کا ارادہ کیا اور جلد ہی اتنے متاثر ہوئے کہ خواجہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور سلسلہ نقشبندیہ سے جڑ گئے اور پھر خواجہ کی خدمت میں رہ کر فناء حقیقی یا جمع الجمع کی منزل تک رسائی حاصل کی۔۱۴ اس

Marfat.com

میں مزید ترقی کرتے رہے حتیٰ کہ فرق بعد الجمع کے مقام تک پہنچ گئے، فرق بعد الجمع کا مقام خواجہ باقی باللہ کی نظر میں انسانی کوششوں کی انتہائی معراج اور مقام تکمیل ہے۔ ۱۵؎ خواجہ باقی باللہ اپنے مرید کی اس حیرت انگیز ترقی سے بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے اپنے ایک دوست کے نام خط میں لکھا کہ ''سرہند سے شیخ احمد نامی ایک شخص ابھی جلد ہی آیا ہے۔ وہ بہت پڑھا لکھا ہے۔ اس میں غیر معمولی روحانی استعداد ہے۔ اس نے چند دن میرے پاس قیام کیا۔ اس درمیان میں اس سے متعلق میں نے جو کچھ دیکھا اس کی بنیاد پر میں امید کرتا ہوں کہ وہ مستقبل میں ایک ایسا چراغ ثابت ہوگا جو پوری دنیا کو روشن کردے گا۔ ۱۶؎

آئندہ چار سال کے عرصہ میں شیخ احمد نے اپنے شیخ کی خدمت میں دوبار حاضری دی۔ دوسری ملاقات میں سرہند واپسی کے وقت خواجہ باقی باللہ نے ان کو اپنا خلیفہ بنا دیا اور روحانی ارشاد کی ذمہ داری ان کو سونپ دی۔ اپنے کچھ متوسلین کو بھی تعلیم و تربیت کے لیے ان کے سپرد کر دیا۔ اگرچہ شیخ احمد نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے میں تامل کیا تاہم خواجہ کی اس یقین دہانی کے بعد کہ اب وہ کامل ہو گئے ہیں اسے قبول کر لیا۔ ۱۷؎ تیسری اور آخری بار خواجہ کی وفات سے کچھ پہلے حاضری دی۔ اس بار اپنے مرید کی تعظیم کے خیال سے خواجہ نے چند قدم چل کر ان کا استقبال کیا اور ارشاد کی خاطر خود اپنے بیٹوں کو بھی ان کے سپرد کیا۔ ۱۸؎

شیخ احمد نے اپنے روحانی سفر کا حال کہیں اجمال کے ساتھ اور کہیں تفصیل سے کئی جگہ بیان کیا ہے۔ ذیل میں ان کی ایک عبارت کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے جس میں انہوں نے اپنے اس سفر روحانی کا تذکرہ کیا ہے۔

> ''میں نوعمری سے ہی نظریہ وحدۃ الوجود پر اعتقاد رکھتا تھا، بظاہر میرے والد بزرگوار بھی اسی کے قائل تھے اور وجودی خطوط پر روحانی

Marfat.com

وظائف انجام دیا کرتے تھے۔ لیکن اپنے انھیٰ میں انہیں مرتبہ بے کیف حاصل تھا، مثل مشہور ہے کہ فقیہہ کا بیٹا آدھا فقیہہ ہوتا ہے۔ میں نے بھی اس نظریہ کو اچھی طرح سمجھا اور اس میں بصیرت حاصل کی اور میں اس میں لذت بھی محسوس کرتا تھا، لیکن بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے مجھے شیخ باقی باللہ کے پاس پہنچایا اور انہوں نے مجھے نقشبندی طریقہ کی تعلیم دی اور میرے احوال کا بڑی گہرائی کے ساتھ مطالعہ اور مشاہدہ کیا تو مجھ پر نقش بندی طریقہ کے مطابق بہت جلد توحید وجودی منکشف ہوگئی اور میں پوری طرح اس کشف میں جذب ہوگیا اور اس تجربہ کے تمام معارف و اسرار مجھ پر منکشف ہو گئے۔ پھر مجھے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے فلسفہ کے دقیق اسرار سے واقف کرایا گیا، مجھے جلد ہی تجلی ذات کا تجربہ ہوگیا۔ جس تجربہ کو صاحب فصوص الحکم نے روحانی معراج کی انتہا، قرار دیا ہے اور جس کے آگے ابن العربی کے بقول عدم محض کے علاوہ کچھ نہیں۔ میں نے اس تجلی کے حقائق اور صداقتوں سے بھی واقفیت حاصل کی جسے شیخ نے خاتم الاولیاء کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ میں اس توحیدی تجربہ میں اس قدر منہمک ہوگیا تھا اور اس سے اس قدر مسحور تھا کہ میں نے اپنے شیخ کے پاس ایک خط میں مندرجہ ذیل مصرعے تحریر کر کے بھیجے جو اسی سکر کی دین تھے۔ ع

اے دریغا کیں شریعت ملت اعمائی است
ملت ما کافری و ملت ترسائی است

Marfat.com

یہ شریعت افسوس اندھوں کی شریعت ہے۔ ہمارا راستہ کفار اور مجوسیوں کا راستہ ہے۔

کفر و ایمان زلف وروئے آں پری زیبائی است

کفر و ایماں ہر دواندر راہ ما یکتائی است

کفر و ایماں اس حسن ازل کی زلف اور رخسار ہیں۔ ہمارے طریقے میں کفر و ایمان دونوں ایک ہیں میری یہی حالت کئی مہینوں بلکہ سالوں تک رہی''۔19

اپنے روحانی ارتقاء کے دوسرے مقام کو شیخ احمد نے ذیل کی عبارت میں بیان کیا ہے۔

''کچھ عرصہ کے بعد مجھے اشیاء سے متعلق نئی بصیرت حاصل ہوئی اور اس بصیرت نے میرے شعور پر تسلط جمالیا، لیکن پہلے تو مجھے توحید وجودی کے تعلق سے اپنے رجحان پر نظر ثانی کرنے سے ہچکچاہٹ ہوئی۔ اس نظریہ پر نظر ثانی نہ کرنے میں اس کا احترام مانع تھا نہ کہ اس سے بے تعلقی میں پیش وپس کی اس صورتحال میں بہت دن تک رہا، آخر کار میں نے خود کو مجبور پایا کہ اس نظریہ کو ترک کر دوں۔ مجھے کشف کے ذریعہ معلوم ہوا کہ توحید وجودی تو ایک کم تر درجہ ہے۔ مجھ سے کہا گیا کہ میں مقام ظلیت تک پہنچوں (یعنی اس یقین تک کہ اشیاء اللہ تعالیٰ کے ظلل (سائے) ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے مختلف اور جدا ہے) لیکن میں اس مقام یعنی توحید وجودی سے ہٹنا نہیں چاہتا تھا، کیونکہ بہت سے عظیم صوفیہ اس مقام کو آخری مقام سمجھ کر اسی کو منزل سمجھ بیٹھے تھے، لیکن میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ

Marfat.com

تھا۔ اس طرح مجھے مقام ظلیت تک لایا گیا، جہاں پہنچ کر میں نے محسوس کیا کہ میں اور یہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کے پرتو اور اس کے ظلال ہیں۔"

"میں اس مقام ظلیت سے بھی نہیں ہٹنا چاہتا تھا۔ کیونکہ یہ تصور وحدۃ الوجود کے تصور سے مشابہت رکھتا تھا، جس کا احساس اس وقت بھی میرے لیے تکمیل کی علامت تھا، لیکن ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی محبت اور رحمت خالصہ کے طفیل اس مقام سے بھی آگے مقامِ عبدیت تک بڑھایا، یعنی یہ تصور کہ انسان صرف اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور کچھ نہیں اور یہ کہ اشیاء صرف اس کی مخلوقات ہیں، نیز اللہ تعالیٰ اس کائنات سے کلیۃً جدا اور ماوراء ہے۔"

"پھر مجھے اس مقام کی عظمت کا احساس ہوا اور اس کی بلندیوں کا میں قائل ہو گیا۔ میں نے اپنے پچھلے تجربات پر افسوس کیا، اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی اس کے رحم و کرم کی وجہ سے ہوئی اور میں نے اس سے رحم و کرم اور لطف کی بھیک مانگی، اگر میری رہنمائی اس طرح نہ ہوئی ہوتی اور ایک مقام کے بعد دوسرے مقام کی عظمت سے آشنا نہ کیا گیا ہوتا تو میں توحید وجودی کے مقام پر پڑا رہتا۔ کیونکہ میری نظر میں توحید وجودی سے بڑا کوئی مقام نہیں تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی کی ذات سیدھا راستہ دکھاتی ہے اور اسی کی طرف سے ہدایت ملتی ہے"۔ ۲۰

میں نے یہاں نسبتاً لمبا اقتباس نقل کیا ہے تا کہ شیخ احمد کے روحانی ارتقاء سے خود

Marfat.com

انہی کے بیان کی روشنی میں واقفیت ہو سکے، اس طرح ان شکوک وشبہات کا بھی ازالہ ہو جائے جنہیں بعض معاصر مصنفین ۲۱ نے شیخ احمد کے روحانی ارتقاء کے بارے میں ان کو پورے طور پر نہ سمجھ پانے کی وجہ سے اٹھایا ہے، شیخ احمد نے اپنے روحانی سفر کے تین مراحل کے لیے یہ تین الفاظ یا اصطلاحات استعمال کیے ہیں (۱) وحدۃ الوجود (۲) ظلیت (۳) عبدیت، خالص روحانی زبان میں یہ تین اصطلاحیں تین مقامات کی تشریح کرتی ہیں۔یعنی جمع الجمع ،فرق بعد الجمع اور فرق مطلق۔ پہلے دو مقام عام ہیں اور بیشتر صوفیہ کی ان تک رسائی رہی ہے جبکہ آخری مقام تک نسبتاً کم صوفیہ پہنچ پائے۔

شیخ احمد نے ان مقامات کو دو وجوہ کی بنا پر کئی جگہ بیان کیا ہے۔۲۲ اولاً وہ ان معاصر صوفیاء کے ذہن میں یہ بٹھانا چاہتے تھے جن کی اکثریت پہلے یا دوسرے مقام پر فائز تھی۔ کہ روحانی ارتقاء کا اس سے بھی بڑھ کر ایک مقام ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کائنات اور انسان کی وحدت کا تصور ختم ہو جاتا ہے اور یہ یقین جازم ہو جاتا ہے کہ کائنات اور خالق کائنات میں کوئی چیز مشترک نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کائنات سے کلی طور پر جدا ہے انسان اللہ تعالیٰ کی محض ایک مخلوق ہے۔ دوسری بات جو وہ بیان کرنا چاہتے تھے وہ یہ تھی کہ خدا تعالیٰ کی تنزیہہ مطلق کا عقیدہ ان کے لیے صرف ایمان کا مسئلہ نہیں جیسا کہ عام لوگوں کے لیے ہے اور نہ ہی ایسا ہے جیسا کہ عام علماء بیان کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے لیے حقیقت ایک ذاتی تجربہ ہے جو ان کی خواہش کے علی الرغم ان کو حاصل ہوا ہے۔

خواجہ باقی باللہ کی وفات کے بعد شیخ احمد نے سرہند میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور اپنے آپ کو یکسو کر کے کچھ عظیم کاموں کی تکمیل میں مصروف ہو گئے، انہوں نے سرہند سے بہت کم اسفار کیے۔ چند بار دہلی اور آگرہ گئے مگر وہ بھی اپنے کام کی تکمیل کے لیے۔

پہلا کام جس کا شیخ احمد سرہندی نے بیڑا اٹھایا وہ ہندوستان میں سلسلہ نقش بندیہ

Marfat.com

کی توسیع واشاعت تھی۔ جلد ہی ان کی شہرت پورے ملک میں پھیل گئی اور چاروں طرف سے لوگ ان کے پاس روحانی ہدایت کے لیے آنے لگے۔ شیخ ان کی رہنمائی کرتے، ان کی روحانی ترقیوں کا جائزہ لیتے اور جب وہ ایک مخصوص مقام تک پہنچ جاتے تو ان کو ان کے علاقوں میں واپس بھیج دیتے تاکہ وہاں جاکر نقش بندیہ سلسلہ کو فروغ دیں۔ ان میں جو زیادہ باصلاحیت تھے ان کو شیخ نے ہندوستان کے اہم شہروں جیسے لاہور، دہلی آگرہ، سہارنپور، بدایوں، جونپور، آلہ آباد، مکن پور، پٹنہ، منگل کوٹ (بنگال) برہانپور (دکن) [۲۳] وغیرہ بھیجا اور سلسلہ نقش بندیہ کی تعلیمات پھیلانے کا حکم دیا۔ یہ سلسلہ بہت جلد مقبول عام ہوگیا۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ سلطان جہانگیر کے اس جملے سے لگایا جاسکتا ہے جو اس نے اس سلسلہ کے شروع ہونے کے صرف ۱۶ سال بعد لکھا تھا کہ ''شیخ کے عقیدت مند ہندوستان کے تمام شہروں میں پھیل گئے ہیں۔ [۲۴]

یہ سلسلہ صرف ہندوستان میں محدود نہیں تھا بلکہ افغانستان، ترکستان، طبرستان اور ایران میں بھی پھیلا ہوا تھا، شیخ نے شادمان (اصفہان) حسین ابدال (کابل) کشم (بدخشاں) بیرک (قندھار) اور طالقان وغیرہ شہروں میں بھی اپنے خلفاء بھیجے اوران سے مستقل رابطہ رکھا، ان کو اگر کوئی مشکل درپیش ہوتی، یا لوگ ان سے اس سلسلہ کے بارے میں سوالات کرتے تو شیخ ان کا جواب دیتے ان جوابی خطوط [۲۵] میں شیخ احمد نے نقشبندیہ طریقہ کے بنیادی نکات خاص طور پر اتباع سنت کو واضح کیا ہے۔ نیز سماع، رقص اور ذکر جہری کی ممانعت کی ہے۔ ان کے سلسلہ میں پرُ مشقت عبادات سخت ریاضتیں بھی ناپسندیدہ ہیں اور کھانے، پینے اور پہننے میں میانہ روی کی تعلیم دی جاتی ہے ان کا طریقہ وجد، مشاہدات، تجلیات اور شطحیات کو بھی زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ نیز مکاشفات کو شریعت کے اصولوں پر پرکھتا ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ تصوف کا مقصد نہ تو خدا تعالیٰ کے ساتھ اتحاد ہے اور نہ

Marfat.com

اس کی صفات ہی میں اشتراک ہے۔ بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی اتباع ہے۔ مقام عبدیت سے بڑھ کر کوئی دوسرا مقام نہیں ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ کی اشاعت چاہے جتنی اہم ہوتاہم یہ شیخ احمد کے اصل کام کا ایک جزء ہی تھا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ میرا مقصد لوگوں کی محض روحانی تربیت نہیں ہے۔ میں کسی اور چیز کے لیے پیدا کیا گیا ہوں، میرا مشن دوسرا ہے۔۲۶ وہ اپنے آپ کو ایک ولی سے بڑھ کر ایک ایسا مجدد سمجھتے تھے جو الف ثانی (دوسرے ہزار سالہ) میں کارتجدید کے لیے اٹھایا گیا ہو۔۲۷ اگر چہ انہوں نے خود تفصیل سے نہیں لکھا ہے۔ تاہم یہ واضح ہے کہ ان کے سامنے ان کا مشن اور اس کے تقاضے پوری طرح واضح تھے۔ شیخ کے کام کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا اصل مقصد الحاد اور غلط طریقوں پر تنقید کرنا، وحی، نبوت اور شریعت محمدیہ میں از سر نو یقین راسخ پیدا کرنا، نافرمانیوں، بدعات وخرافات کو مٹانا، اچھائیوں، نیکیوں اور اتباع سنت کا احیاء کرنا۔ نیز اسلام مخالف عناصر اور قوتوں کے خلاف جہاد اور اسلامی قوانین واداروں کا قیام تھا۔ شیخ احمد نے اپنی تمام تر ذہنی وقلبی طاقتوں کو اس مقصد کے حصول کے لیے وقف کر دیا تھا۔ انہوں نے سماج کے ہر طبقہ، عوام، علماء، صوفیا، سیاست داں، سب کے غلط خیالات کی اصلاح کے لیے کتابیں اور رسالے تصنیف کیے اور انہوں نے واضح کیا کہ قرآن وسنت اور عقل وطریقت کی روشنی میں کیا درست ہے؟ انہوں نے زندگی کے ہر پہلو سے متعلق اہم شخصیات کو خطوط لکھے، چاہے ان کا تعلق مدرسہ سے ہو یا خانقاہوں سے، فوج سے ہو یا حکومت سے ان سب کو توجہ دلائی کہ وہ اپنے زیر اثر حلقہ میں لوگوں کی اصلاح کریں نیز، ان کو اس بھاری ذمہ داری کا احساس دلایا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے کاندھوں پر ڈالی تھی۔ انہوں نے ان کے پاس اپنے پیغام رساں بھی بھیجے اور جب ضرورت محسوس کی خود بھی سفر کیا۔ ہند اور بیرون ہند میں اپنے مریدین کے ذریعہ لوگوں کے عقائد کی

Marfat.com

درستگی اور اتباع سنت کی مہم چلائی، انہوں نے اپنے مکاتیب کی متعدد کاپیاں تیار کر کے اپنے حلقہ مریدین میں تقسیم کروائیں۔ ذیل کے صفحات میں مختصراً اس عظیم کام کا بیان ہے جو شیخ احمد نے انجام دیا۔

سماج کا ایک محدود طبقہ جس کے عوام پر بڑے اثرات تھے درباری علماء کا تھا۔ میں نے اوپر ابوالفضل کا ذکر کیا ہے اس کے علاوہ ان کے والد ملا مبارک ناگوری (م ۱۰۰۱/۱۵۱۳) جس نے اکبر کو الحادی کی راہ پر ڈالا تھا۔ ۲۹ میر فتح اللہ شیرازی (م ۹۹۷/۱۵۸۸) جو اس کمیٹی کے سربراہ تھے جو شریعت مطہرہ کی معقولیت جانچنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ ۳۰ شریف آملی جس کو اکبر نے اپنے مذہب کی تبلیغ کے لیے بنگال میں متعین کیا تھا۔ ۳۱ اسی طرح اور بھی متعدد افراد تھے جنہوں نے یونانی فلسفہ پڑھا تھا اور ہندو پنڈتوں سے ہندی فلسفہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ انہوں نے وحی اور نبوت کی معقولیت پر اعتراضات کیے اور الٰہی شریعت کی ضرورت کا انکار کیا۔ اس رجحان کا مقابلہ کرنے کے لیے شیخ احمد نے آگرہ کے دورانِ قیام اپنی پہلی کتاب 'اثبات النبوۃ' لکھی۔ دربار کے حالات کا مختصر سا ذکر کرنے کے بعد جس کا تذکرہ آ چکا ہے۔ نبوت کے مزاج اور اس کی ضرورت کے متعلق تفصیلی بحث کی اور یہ بتایا کہ کسی نبی کے دعوائے نبوت پر یقین لانے کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے؟ خواب اور کشف کے حوالے سے، وحی کے امکان کو ثابت کیا اور پھر وحی کی ضرورت کو بیان کرتے ہوئے بتایا کہ انسانی عقل محسوسات سے ماوراء صداقتوں کو سمجھنے سے قاصر ہے اور جہاں تک صوفیہ کے کشف کا تعلق ہے تو اس میں غلطی کا امکان ہے کیونکہ مختلف صوفیہ کے مکاشفات میں خاصا اختلاف پایا گیا ہے۔ ۳۲ جہاں تک کسی نبی کے دعوائے نبوت کے اثبات کا تعلق ہے تو مجدد صاحب نے معجزوں کے علاوہ نبی کی زندگی اس کے پیغام اور اس کے کام کو بطور استشہاد پیش کیا ہے۔ جہاں تک محمد ﷺ کی نبوت کے اثبات کا تعلق ہے تو

Marfat.com

انہوں نے قرآن کریم، نبی کریم ﷺ کی مثالی زندگی آپ کی شریعت کا مکمل ہونا اور معاشرہ پر آپ ﷺ کے غیر معمولی اثرات کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔ 'اثبات النبوۃ' اس موضوع پر مختصر مگر بہت اہم اور زوردار کتاب ہے۔ اس میں اور دوسری کلامی بحثوں میں جوان کے خطوط میں منتشر ہیں انہوں نے اسلام کی پوری کلامی روایت سے استفادہ کیا ہے۔ خاص طور پر ماتریدیہ کتب فکر سے جو اس وقت وسط ایشیا میں چھایا ہوا تھا لیکن اس کے علاوہ ان کی کتابوں میں متعدد نئے مباحث اور نکتے بھی ملتے ہیں۔ خاص طور پر صفات باری اور ذات باری، آزادی، ارادہ، ایام فترۃ کے ایمان وغیرہ اور وحدۃ الشہود کا صوفیانہ نظریہ جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

اکبری عہد میں نبوت کے علاوہ مقام صحابہ کو بھی ہدفِ طعن بنایا جا رہا تھا، شیعوں نے ملک بھر میں ایک جوش کے ساتھ تنقیص صحابہ کی مہم چلا رکھی تھی۔ خاص طور پر ایران میں ان سرگرمیوں کی نشاۃ ثانیہ کے بعد بالخصوص تینوں خلفاء کو اس لیے مطعون کرتے تھے کہ انہوں نے بزعم خود حضرت علیؓ کو خلافت سے محروم کر دیا تھا اور حضرت علیؓ کے خلاف جنگ میں حصہ لینے کی وجہ سے حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور امیر معاویہؓ کے خلاف بھی زبان درازی کرتے تھے اور وہ صحابہ جنہوں نے ان کی حمایت کی ان کو بھی ہدف طعن بناتے تھے، ان کی طعن و تشنیع بڑھتے بڑھتے حضرت علی اور ان کے چند حامیوں کو چھوڑ کر پورے گروہ صحابہ کو حاوی ہوگئی۔ دربار آگرہ کے جو علماء اس تحریک کو چلا رہے تھے۔ ان کی قیادت قاضی نور اللہ شوشتری کر رہے تھے۔ ۳۴ جنوب میں اس کی قیادت برہان نظام شاہ (۱۵۰۸-۵۳) نے سنبھال رکھی تھی۔ جنہوں نے صحابہ کرام پر تبرا کرنے اور اس کی راہ میں مزاحم ہونے والوں کو قتل کر دینے کے لیے سیکڑوں لوگوں کو بطور خاص ملازم رکھا تھا۔ ۳۵ شمال میں اس مہم کا دوسرا مرکز کشمیر تھا۔ آگرہ میں علماء نے ایک کتاب شائع کی جس میں

Marfat.com

انہوں نے وسط ایشیا کے سنی علماء کی طرف سے ان کے اپنے خلاف کی جانے والی تنقید کا رد کیا تھا اور اپنے موقف کو درست ٹھہرایا تھا۔ اس کتاب کو ایک معرکہ آراء کتاب کی حیثیت سے پیش کیا جا رہا تھا۔

حضرت شیخ احمد سرہندی نے 'رد روافض' میں اس کتاب پر تنقید کی ہے اور اہل سنت کے موقف کی تائید کی ہے۔ اس کتاب میں اور اس موضوع سے بحث کرنے والے دوسرے خطوط میں ۳۶ شیخ احمد نے یہ دکھایا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب کی تنقیص واہانت غلط اور تباہ کن ہے۔ اولاً تو یہی درست نہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنا جانشین مقرر کرنے کی وصیت کی تھی، ان کی نامزدگی کے بارے میں جو روایات ہیں وہ سب موضوع ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ابتدائی تین خلفاء سے یہ بات مستبعد ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی وصیت کے خلاف کام کریں۔ نیز اگر حضور ﷺ نے حضرت علی کو جانشین بنایا ہوتا تو یہ بات حضرت علیؓ کے وقار کے بھی خلاف ہے کہ ان تینوں کی اتباع کر کے اپنے حق کا ابطال کرتے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اگر شیعہ موقف قبول کر لیا جائے اور صحابہ کی مذمت کی جانے لگے تو اس سے قرآن کی حقانیت شدید طور پر متاثر ہوگی۔ چونکہ قرآن پاک کو صحابہ نے ہی جمع کیا تھا۔ اسی طرح حدیث کے پورے ذخیرہ پر سے اعتبار بھی مجروح ہو جائے گا۔ چونکہ وہ بھی صحابہ سے ہی نقل ہو کر آیا ہے اور یہ بات نبی کریم ﷺ کے اس مشن کو بھی مجروح کرتی ہے جس کے لیے آپ ﷺ مبعوث ہوئے تھے، یعنی آپ ﷺ نے اپنی پوری زندگی ایسے لوگوں کو تیار کرنے میں گزار دی جنہوں نے اپنے لیڈر کی آنکھیں بند ہوتے ہی اس کی ایک غیر معمولی وصیت کی خلاف ورزی شروع کر دی۔ صحابہ میں سے جنہوں نے بعد میں حضرت علی کی مخالفت کی تھی اس کے بارے میں شیخ احمد نے واضح طور پر لکھا ہے کہ اس معاملے میں حضرت علی برحق تھے اور ان کے مخالفین غلطی پر تھے۔ تاہم ان کی

Marfat.com

غلطی اجتہادی تھی جیسا کہ بہت سے علماء نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس اختلاف کا سبب ذاتی اغراض نہیں تھے اس لیے ان پر تنقید کرنے کی بجائے ان کو معذور سمجھنا چاہیے۔ اور اگر کوئی یہ سوچتا ہے کہ یہ توجیہ، طلحہؓ، زبیرؓ اور عائشہؓ کو تو بری کر دیتی ہے۔ لیکن معاویہؓ کو نہیں۔ ۳۸ جن کو شیخ احمد نے بھی مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ تب بھی ان کی وفات کے بعد ان کی تنقیص کا عمل نامناسب ہے۔ ۳۹ خاص طور پر جبکہ انہوں نے اسلام کی بے شمار قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔

شیخ احمد کی 'ردروافض' کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کی تصنیف کے تقریباً ایک صدی بعد بھی شاہ ولی اللہ جیسے پائے کی شخصیت نے اس کی شرح لکھی اور اس کی قبولیت میں مزید اضافہ کیا۔ ۴۰ اس دور میں عام مسلمانوں کی زندگی شرک و بدعت سے پر ہو گئی تھی۔ اولاً مشرکانہ مذاہب اور ہندوستانی ثقافت کے ساتھ ان کے ربط کی وجہ سے اپنے عقائد سے نابلد مسلمانوں نے غیر مسلموں کی مذہبی رسوم میں شرکت اختیار کر لی تھی۔ ۴۱ اور مختلف اغراض کے لیے ان کے دیوتاؤں اور بتوں سے منت مانگنے لگے تھے۔ خاص طور پر عورتیں، چیچک سے بچنے کے لیے ان کی پرارتھنا کیا کرتی تھیں۔ ۴۲

انہوں نے راکھی اور دیوالی جیسے تیہواروں میں بھی شرکت شروع کر دی تھی۔ دیوالی کے موقع پر بالکل ہندوؤں کی طرح مسلمان بھی دیئے جلاتے تھے اور کھانا پکا کر رنگ برنگ برتنوں میں دوستوں کے یہاں تحفہ بھیجا کرتے تھے۔ ۴۳ ہندو تہذیب کا اثر دوسرے طبقوں تک بھی پہنچ چکا تھا، مثلاً دکن میں خانخاناں کے دربار میں ایک شاعر نے کفری ۴۴ تخلص اختیار کر رکھا تھا۔

مذہبی انحطاط کا دوسرا سبب جاہل اور گمراہ صوفیہ کے اثرات تھے، ان کے نام پر

Marfat.com

نذریں مانی جاتی تھیں اور بڑے صوفیہ کی قبروں پر قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں، عورتیں اپنے صوفی پیروں کے نام کے روزے رکھتی تھیں اور مختلف قسم کی دیگر رسومات ادا کرتی تھیں۔ مثال کے طور پر وہ چاہے کتنی ہی فارغ البال ہوں، لیکن مانگی ہوئی بھیک سے ہی روزہ افطار کرتی تھیں۔۴۵؎ پندرہ شعبان کی شب رجب کی ستائیسویں شب اور رجب کی پہلی جمعرات جسے لیلۃ الرغائب کہا جاتا تھا وغیرہ کو بڑے اہتمام سے مناتے تھے۔ اس موقع پر اجتماعی طور سے نفل نماز پڑھنا نیکی کا کام سمجھا جاتا تھا۔۴۶؎

صوفیہ میں سماع اور وجد و رقص عام تھا عید میلا دالنبی کو بڑی دھوم سے مناتے تھے۔۴۷؎ حتیٰ کہ خود شیخ احمد سرہندی کے پیر خواجہ باقی باللہ کے لڑکے بھی جمعرات کے دن قوالی میں شرکت کو معیوب نہیں سمجھتے تھے۔۴۸؎ فرائض و سنن کے مقابلے میں ذکر و فکر کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی، لوگ چلہ کشی کرتے، نماز با جماعت کا اہتمام نہیں ہوتا تھا۔۴۹؎ مریدوں میں پیروں کے بارے میں یہ تصور عام تھا کہ ان کے اندر ایسی روحانی قوت ہے کہ اگر کسی سے ناراض ہو جائیں تو اسے روحانی ارتقاء سے محروم کر سکتے ہیں اور اگر کسی سے راضی ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ سے اس کے گناہ بھی بخشوا سکتے ہیں۔۵۱؎

وجودی صوفیہ تو شریعت کو درخور اعتناء ہی نہیں سمجھتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ شریعت علم یقین حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس لیے اگر کسی کو وحدۃ الوجود کی معرفت حاصل ہو تو پھر اسے انبیائی شریعت کی حاجت باقی نہیں رہتی۔۵۲؎ کچھ صوفیہ یہ کہہ کر نماز کی اہمیت گھٹایا کرتے تھے کہ یہ اللہ اور بندے کے درمیان تفریق کرتی ہے۔۵۳؎ بعض صوفیہ فنا کے تصور پر عمل پیرا تھے اور جزاء و سزا کے منکر تھے۔۵۴؎ کچھ صوفیہ تو حسین چہروں کو دیکھنے اور خوش گلو آواز کو سننے کا یہ جواز نکالتے تھے کہ یہ حسن ازل کے مظاہر ہیں۔۵۵؎

شیخ احمد نے ان افکار و خیالات کا تذکرہ اپنے خطوط میں کیا ہے اور ان کو کفر،

Marfat.com

شرک اور بدعت قرار دیا ہے، انہوں نے صوفیہ کو ہدایت کی کہ ان گمراہیوں سے بچیں اور اپنی زندگی کو درست کریں، مثلاً تھانیسر کے ایک صوفی کے نام ایک خط میں لکھا۔

''نماز عشاء کو نصف شب تک اس ارادہ سے مؤخر کرنا کہ اس طرح تہجد کی نماز بھی پڑھ لی جائے، قابل اعتراض ہے۔ حنفی فقہاء نے اس کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے...... یہ چیز ختم ہونی چاہیے...... آپ اپنے وضو، کا ماء مستعمل دوسروں کو پینے کی ہدایت ہرگز نہ کریں اس لیے کہ ماء مستعمل امام ابوحنیفہ کے نزدیک ناپاک ہے فقہاء نے اس کے استعمال سے منع کیا ہے مجھے معتبر ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آپ کے خلفاء کو ان کے مریدین سجدہ کرتے ہیں اور تعظیم کے لیے صرف سر جھکانے کو کافی نہیں سمجھتے ۔ یہ فعل شنیع ہے اس کی شدید مذمت کرنی چاہیے اور اس کو بند کر دینا چاہیے۔'' ۵۶

شیخ احمد بدعتِ حسنہ وسیئہ میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ دین میں مطلقاً اضافہ بدعت ہے اپنے ایک مرید کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''تم نے پوچھا کہ میں ذکر جہری کو کیوں منع کرتا ہوں اور بدعت کہتا ہوں۔ جب کہ اور بہت سی دیگر اشیاء کو منع نہیں کرتا جو عہد نبوی میں نہیں تھیں جیسے فرجی لباس (سامنے کا پورا حصہ کھلا ہوا، اچکن کی طرح) اور پائجامہ وغیرہ۔ اس بات کو یاد رکھو کہ رسول عربی ﷺ کے اعمال دو طرح کے تھے، کچھ تو عبادات کے قبیل سے تھے اور کچھ عرف و عادت یا رسوم و رواج کے قبیل سے جو اعمال بطور عبادت کیے تھے۔ ان میں مداخلت بدعت ہے۔ اس کی سختی سے مخالفت ہونی

Marfat.com

چاہئے چونکہ یہ دین میں اضافہ ہے، البتہ جو کام بطور عرف ٗ عادت کیے ہیں، ان میں تبدیلی بدعت نہیں کہلائے گی۔ چونکہ ان کا تعلق دین سے نہیں ہے۔ ان کا وجود اور عدم وجود عرف و عادت پر ہوتا ہے۔ مذہب پر نہیں۔'' ۵۸؎

شیخ احمد نے جن بدعات کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے کچھ تو دین میں اضافہ ہیں جن کے لیے کوئی نص موجود نہیں ہے۔ نیز ان سے شریعت کی قائم کردہ ترجیحات بھی متاثر ہوتی ہیں۔ اسی طرح ان سے ایسی چیزوں کو فروغ ملتا ہے جو شریعت کے خلاف ہیں۔ اسی طرح کا ایک تصرف یہ تھا کہ شریعت نے جن احکام کے لیے وقت اور جگہ کا تعین کیا ہے، لوگ ان میں جگہ اور مقام کی تبدیلی بھی کرتے تھے، شیخ امام کا کہنا تھا کہ ہر قسم کی بدعت، اعمال کی انجام دہی کے مطلوبہ طریقوں میں تبدیلی کرتی ہے اور سنت کو ہٹا کر اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ ۵۸؎

شیخ احمد نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ جو علماء لوگوں کو شریعت کے مطابق زندگی گذارنے کا حکم دینے پر مامور تھے وہ خود بدعت و گمراہی میں مبتلا ہیں، لکھا ہے کہ اس وقت سارا عالم بدعت کے دریا میں غرق ہو چکا ہے اور برائیاں فروغ پا رہی ہیں آج کے علماء بھی بدعت کے مبلغ اور سنت کے مخالف بنے ہوئے ہیں، بدعت کی مخالفت اور سنت کی حمایت کرنے کی کسی میں ہمت نہیں ہے۔ بیشتر علماء لوگوں کو یہ کہہ کر بدعت میں مبتلا کر رہے ہیں کہ یہی طریقہ زیادہ صحیح اور قابل اعتماد ہے۔ ۵۹؎

علماء صرف بدعت کے فروغ پر اکتفا نہیں کر رہے ہیں بلکہ پورے نظام دین مسخ کرنے کی کاوش کر رہے ہیں۔ ایک عالم جو پورے ملک کے سب سے معتبر دینی عہدے پر فائز ہیں انہوں نے فتویٰ دیا ہے کہ مکہ کا راستہ پر خطر ہونے کی وجہ سے حج کی فرضیت ساقط ہو

Marfat.com

گئی۔ ۶۰ ایک دوسرے عالم نے لاہور میں فتویٰ دیا ہے کہ سود لینا جائز ہے۔ ۶۱ کچھ دوسرے علماء نے بادشاہ کے سامنے تعظیماً رکوع کرنے اور زمین پر سر رکھنے کو جائز قرار دیا ہے۔ ۶۲ اس فعل کے جواز میں ایک ''تاج العارفین'' نے وحدۃ الوجود کا سہارا لیتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ بادشاہ اور خدا دونوں ایک ہی ہیں۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے ۶۳ ایک دوسرے عارف کہتے ہیں کہ چونکہ جنت میں لوگ بغیر داڑھی کے ہوں گے اس لیے داڑھی منڈوانا جائز ہے۔ ۶۴

حضرت شیخ احمد اس طرح کے اقوال کو دین میں مداخلت قرار دیتے ہیں اور ان کے کہنے والوں پر سخت تنقید کرتے ہیں۔ وہ ان کو دین کا رہزن بتاتے ہیں۔ ۶۵ شیخ احمد کے غیظ وغضب کا اصل شکار ملا مبارک اور ابوالفضل جیسے درباری علماء ہیں جنہوں نے اکبر کو گمراہ کیا۔ ۶۵ وہ ان کی سطحیت اور علمی کم مائیگی کو اسلام انحراف اور آزاد خیالی کی وجہ قرار دیتے ہیں۔ ۶۶ وہ انہیں ایسا خودغرض اور کم ظرف بتاتے ہیں کہ ذاتی مفادات کے لیے آپس میں لڑا کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو فاسق وفاجر اور مفسد قرار دیتے ہیں اور اپنے منصب سے فائدہ اٹھا کر محض دولت دنیا جمع کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ ۶۷

حضرت شیخ احمد نے ملک کے خداترس علماء سے اپیل کی کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے ان غلطیوں کی اصلاح کریں۔ جنہوں نے عوامی زندگی کو بھی متاثر کیا ہے اور اسلام کی تصویر بھی بگاڑی ہے۔ انہوں نے تنبیہ کی کہ اس معاملے میں مفاہمت کی کوئی بھی کوشش خطرناک ثابت ہوگی، مثال کے طور پر لاہور کے ایک بڑے عالم کے نام طویل خط لکھا، جہاں بعض علماء نے سود کے جواز کا فتویٰ دیدیا تھا۔ اس خط میں شیخ نے ان کے دلائل کی تردید کی اور انہیں توجہ دلائی کہ فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو انجام دیں ۶۸ ایک دوسرے خط میں جو انہوں نے اپنے خلیفہ ملا احمد برکی کے نام لکھا ہے

Marfat.com

فرماتے ہیں۔

''جہاں جہاں بدعات کا زور ہے وہاں پوری توجہ اور لگن سے شرعی احکام اور فقہی اصولوں کو رواج دینے کی کوشش کرو۔ اپنے آپ کو تیار کر کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دو، یہ تمہاری ذمہ داری ہے اور اسے صرف خوشنودی رب کے حصول کے لیے کرو۔''۶۹

۹۸۷ھ/ ۱۵۷۹ء میں درباری علماء نے ایک محضر نامہ تیار کروایا۔۷۰ اور اس پر علماء کے دستخط کروا کے اسے اکبر کی خدمت میں پیش کیا۔ اس میں انہوں نے لکھا کہ اکبر نہایت عادل، ذی علم اور خدا ترس ہے، اس لیے اس کا مقام مجتہد سے بھی افضل ہے اور اس کو مجتہدین کے مابین مختلف فیہ معاملات میں فیصلہ دینے کا اختیار ہے۔ یہ حق حاصل کرنے کے بعد اکبر نے اگلے دو دنوں میں تین ایسے بنیادی اقدامات کیے جن کے برصغیر میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل پر دوررس اثرات مرتب ہوئے اول اس نے ملا مبارک اور اس کے بیٹے ابوالفضل کا ایجاد کردہ ایک نیا مذہب دین الٰہی جاری کیا۔۷۱ اس دین کی بنیاد یہ کہہ کر رکھی گئی کہ چونکہ اسلام اپنے ہزار سال جو کسی بھی مذہب کی طبعی عمر ہے پورے کر چکا ہے اسی لیے اب اس کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ دین الٰہی اس طرح ترتیب دیا گیا کہ اس میں اسلام کے سوا تمام دیگر مذاہب جیسے ہندو مذہب، بدھ مذہب، عیسائیت، یہودیت وغیرہ کے عقائد و رسومات شامل تھے۔ اس کی تفصیلات ۷۲ بہت دلچسپ ہیں لیکن یہاں ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ اس مذہب کے بانی اور چند دیگر چیلوں جن کی مجموعی تعداد اٹھارہ تھی کے علاوہ کسی نے بھی اس مذہب کو سنجیدگی سے نہیں لیا۔ اور ایسے اشارے موجود ہیں کہ خود اکبر جو اس مذہب کا سرپرست اعلیٰ تھا۔ آخر میں اس سے منحرف ہو گیا تھا۔۷۳ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ شیخ احمد جنہوں نے اکبر کے دیگر اعمال پر تنقید کی انہوں نے اس مذہب

Marfat.com

کا کوئی نوٹس نہیں لیا بحیثیت مذہب یہ مکمل طور پر ناکام ہوا، اس سے صرف یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں مذہبی زوال کس حد تک پہنچ گیا تھا اور لوگ کس قسم کے شکوک وشبہات میں مبتلا ہو گئے تھے اس سے زیادہ اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

دوسری اور زیادہ اہم چیز یہ ہوئی کہ اکبر نے اپنے دربار میں ایسے لوگوں کو جمع کیا جو اسلامی عقائد وعبادات اور اسلامی شخصیات کو ہدف تنقید بناتے تھے اور ان کی تحقیر و استخفاف کرتے تھے، اکبر اگرچہ بنیادی طور پر مختلف مذاہب میں صداقت کا متلاشی تھا، لیکن بعض خود غرض اور تنگ نظر علماء کی آپسی رنجش نے اس کوشش کو اسلام کے خلاف ایک مہم میں تبدیل کر دیا۔ خدا پر ایمان تو باقی رہا لیکن بقیہ چیزیں جیسے تخلیق کائنات، ملائکہ بعث بعد الموت، وحی ورسالت وغیرہ کا انکار کر دیا گیا۔ اس کے بجائے عالم ازلی قرار پایا اور عقیدہ تناسخ کو رسوخ حاصل ہوا، رسول کریم ﷺ کی حیات طیبہ کو بھی ہدف طعن بنایا گیا۔ مختلف افراد کے ناموں میں آپ ﷺ کا نام نامی جزء کے طور پر استعمال ہوتا تھا اسے حذف کر دیا گیا (جیسے محمد فرید کو صرف فرید کہا جانے لگا) نماز اور دوسرے اعمال پر تنقید کی گئی۔ حلت و حرمت کے قانون کا مضحکہ اڑایا گیا وغیرہ۔ ۴؎ یہیں پر بس نہیں ہو گیا بلکہ جس نے بھی اس کو قبول کرنے سے انکار کیا یا اعتراض کرنے کی ہمت کی اس کی تذلیل کی گئی، سزائیں دی گئیں بلکہ ان کا خاتمہ تک کیا گیا۔ ۵؎

تیسری اہم بات یہ ہوئی کہ اکبر نے شریعت اسلامیہ پر مبنی ملک کے قانون کو تبدیل کرنے کی کوشش کی، اس نے زکوٰۃ اور جزیہ کو ختم کر دیا، شراب نوشی اور جوئے کو جائز قرار دے دیا۔ چچازادوں کے مابین مناکحت جو اسلام میں جائز ہے اس کو ممنوع کر دیا، ایک سے زائد شادیوں پر پابندی عائد کر دی، جسم فروشی کے کاروبار کو فروغ دیا گیا، ذبیحہ گائے پر پابندی لگا دی اور مختلف ایام میں جانوروں کا ذبح کرنا ممنوع قرار دے دیا خطبہ جمعہ سے

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے اسماء مبارکہ نکال دیئے گئے، سنہ ہجری موقوف کر دیا گیا، نئے ہزار سالہ کے آغاز پر نئے سکے جاری کئے گئے۔ عربی اور اسلامیات کے مطالعہ کی حوصلہ شکنی کی گئی، عربی مدارس کے لیے دی جانے والی سرکاری امداد یا تو بند کر دی گئی یا مختصر کر دی گئی اور جو اسلامی عہدے اور مناصب خالی ہو گئے تھے ان کو پر نہیں کیا گیا۔ ۷۶

ان چیزوں کا اثر یہ ہوا کہ اسلام کو دوسرے مذاہب کے درمیان، بحیثیت مذہب زندہ رہنا مشکل ہو گیا۔ اس کو دبانے اور معتوب کرنے کی کوشش کی گئی۔ شمالی ہند میں چیتنیہ کی سرکردگی میں چلنے والی ہندو احیاء پرستی کی تحریک نے صورت حال اور بھی خراب کر دی، متعدد مقامات پر مسلمانوں کی جان غیر محفوظ ہو گئی مسجد ہی شہید کی گئی اسلامی اعمال کی انجام دہی ممنوع قرار دی گئی۔ شیخ احمد نے اس صورت حال کا اپنے خطوط میں متعدد جگہ تذکرہ کیا ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے۔ سابقہ ایام میں غیر مسلم، مسلم بستیوں میں بھی اپنے مذہبی رسوم آزادانہ ادا کرتے تھے جبکہ مسلمان اسلام کی اتباع بھی نہ کر سکتے تھے اور اگر اس کی ہمت کرتے تو ان کو موت کی سزا دی جاتی ۔ ۷۷ ہندو مسجدوں کو شہید کرنے اور ان کی جگہ مندر تعمیر کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے تھے۔ مثال کے طور پر کوروکشیتر میں ایک مسجد اور کسی بزرگ کا ایک مزار تھا، ہندوؤں نے اس کو شہید کر کے اس کی جگہ ایک بہت بڑا مندر تعمیر کر لیا، غیر مسلم حضرات اپنی مذہبی رسومات علانیہ ادا کرتے تھے۔ جبکہ مسلمان اپنی مذہبی عبادات کو ادا کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ ایکادشی (Ekadashi) کے دن ہندو برت رکھتے تھے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس دوران مسلم محلوں میں مسلمان کھانا بھی نہیں بنا سکتے تھے اور نہ ہی کھانا فروخت کر سکتے تھے۔ جبکہ رمضان المبارک میں وہ لوگ کھلے عام کھانا تیار کرتے اور اشیاء خورد ونوش کی فروخت کرتے ہیں۔ لیکن اہل اسلام کی کمزوری کی وجہ سے کوئی ان سے کچھ نہیں کہہ سکتا افسوس کی بات یہ ہے کہ ملک کا حکمراں ہم ہی میں سے ایک فرد

Marfat.com

ہے اور ہم اس قابل رحم حالت میں رہ رہے ہیں۔۸ے

اکبر کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں میں جانشینی کا ہنگامہ ہوا۔ سلیم کو بعض ایسے درباری امراء کی حمایت حاصل ہوئی جو اکبر کی مذہبی پالیسی کے خلاف تھے، سلیم نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ شریعت کی حمایت کرے گا۔۹ے اکبر کی وفات کے بعد ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۰ء میں وہ تخت نشین ہوا۔

حضرت شیخ احمد کو جہانگیر کی تخت نشینی سے مسرت ہوئی، لیکن انہیں یقین نہیں تھا کہ جہانگیر اپنے وعدہ کو پورا کر سکے گا یا اگر کرنا بھی چاہے تو شاید اس کو اس کی اصلاح کا طریقہ ہی نہ معلوم ہو اس لیے شیخ احمد نے شریعت سے جہانگیر کے تعلق کو مضبوط کرنے اور اس تک صحیح مشورہ پہنچانے کی کاوش کو اپنا مطمح نظر بنایا، شیخ احمد کو ان عناصر کی مخالفت کا بھی اندیشہ تھا جو اگرچہ دب گئے تھے لیکن ختم نہیں ہوئے تھے۔ صورت حال کے اس تجزیہ کے بعد انہوں نے جہانگیر کے قریبی بڑے عہدیداروں کو خطوط لکھے اور انہیں اسلام اور مسلمانوں کی قابل رحم حالت کے بارے میں بتا کر فوری کارروائی کی ضرورت کا احساس دلایا۔ جہانگیر کے استاذ اور ملک کے صدر الصدور صدر جہاں (م۱۰۲۷/۱۶۱۸ء) کے نام ایک خط میں لکھا:۔

> ''اب جبکہ صورت حال بدل چکی ہے، لوگوں کی عداوتیں کم ہو چکی ہیں اسلامی زعماء صدر اسلام اور علماء اسلام پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ شریعت کو نافذ کرنے کی کوشش کریں، اسلام کے وہ ارکان جو منہدم ہو گئے ہیں ان کو دوبارہ رائج کریں۔ مجھے اس کا شدید احساس ہے......اگر بادشاہ شریعت مصطفویہ کے نفاذ کے بارے میں کوشاں نہ ہو اور اس کے قریبی لوگ اپنے آپ کو اس معاملے میں

Marfat.com

معذور سمجھیں اور وقت کو اسی طرح گذار دینا چاہیں تو آگے چل کر عام مسلمانوں کے لیے جنہیں کوئی قوت حاصل نہیں ہے زندگی دشوار ہو جائے گی۔''۸۰

ایک دوسرے درباری امیر خاں جہاں (م ۱۰۴۰ھ/ ۱۶۳۰ھ) کے نام انہوں نے لکھا کہ:

''جب بادشاہ آپ کی بات توجہ سے سنے اور اس کو اہمیت دے تو اگر آپ انہیں اہل سنت و جماعت کے عقائد مختصر یا تفصیل کے ساتھ بیان کر دیں تو یہ بڑی بات ہوگی۔ براہ کرم بادشاہ کو شریعت محمدیہ ﷺ کے بارے میں بتائیے اور اسلام یا مسلمانوں کے دفاع میں اگر کوئی موقع ملے تو اس کو ہاتھ سے نہ جانے دیجئے۔ اسلام کے اصول کا دفاع کیجئے اور بدعت و گمراہی پر تنقید کیجئے۔''۸۱

جب جہانگیر نے علماء کی ایک چہار رکنی کمیٹی تشکیل دی تو شیخ فرید جنہوں نے جہانگیر کی حکومت کو بچانے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا کے نام شیخ احمد نے نصیحت کرتے ہوئے لکھا کہ وہ ایک ہی خدا ترس اور فاضل و لائق عالم کا انتخاب کریں۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ علماء باہمی چپقلش میں مبتلا ہو کر جہانگیر کو بھی ایسے ہی گمراہ کر دیں جس طرح ان سے قبل ان کے باپ کو گمراہ کر دیا تھا۔۸۲

حضرت مجدد الف ثانی نے مختلف صوبوں کے اعلیٰ حکام کو بھی خطوط لکھے کہ وہ اپنے حلقہ اثر میں اسلام کو نافذ کرنے کی سعی کریں۔ انہوں نے گجرات کے حاکم شیخ مرتضیٰ لاہوری کے نائب قلیج خاں، بہار کے حاکم لالہ بیگ، دکن کے سالار اعظم عبدالرحیم خانخاناں اور ان کے علاوہ متعدد اہم شخصیات کے نام خطوط لکھے۔ شیخ احمد نے ان سے اسلامی تعلیمات کی اشاعت، ایمان کی حفاظت، غیر اسلامی قوانین کی تردید، اسلامی ارکان

Marfat.com

کے احیاء اور اسلام کی معاون قوتوں کو دبانے کی درخواست کی اور انہیں بتایا کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو آخرت میں ان کو اجر عظیم ملے گا۔ کیونکہ وہ حقیقتاً وہ کام کریں گے جس کے لیے انبیاء بھیجے جاتے تھے۔[۸۳]

اپنی تخت نشینی کے چھ سال بعد جہانگیر نے نور جہاں سے شادی کی، جس نے اپنے حسن، علم اور ذہانت سے بہت جلد جہانگیر پر غیر معمولی گرفت حاصل کر لی اور اپنے بھائی کو وزیر اعظم اور والد کو دربار کا اہم رکن بنوا کر پوری حکومت پر غلبہ حاصل کر لیا، نور جہاں کے اس عروج سے دربار کے شیعہ عناصر، سنیوں کے خلاف متحرک ہو گئے۔ چونکہ شیخ احمد کے بھی سنی طبقہ پر بڑے اثرات تھے اس لیے وہ ان کے بھی مخالف ہو گئے۔ انہوں نے جہانگیر کو یہ باور کرایا کہ شیخ کے مریدین سارے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور دربار کے امراء اور مختلف ریاستوں کے حکام سے بھی ان کے تعلقات ہیں، اس لیے وہ حکومت کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔[۸۴] دوسری طرف وہ صوفیہ جن کے طریقہ اور جن کے مشائخ پر شیخ احمد نے تنقید کی تھی وہ بھی ان سے ناخوش تھے اور جب شیخ کے مرید بن اور خلفاء میں سے بعض نے شیخ کے روحانی کمالات کا ذکر کرنا شروع کیا اور ان کے مکشوفات کی اشاعت شروع کی تو انہوں نے علی الاعلان شیخ پر تنقید شروع کر دی۔[۸۵] شیخ کا ایک خط جو انہوں نے چھ سال قبل لکھا تھا اور اس میں اپنے ایک روحانی تجربہ کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ مقام صدیق سے بھی آگے چلے گئے۔ اس کی بنیاد پر مختلف لوگوں کی طرف سے سخت تنقید شروع ہوئی، کچھ لوگوں نے ان پر کفر کا فتویٰ لگا کر انہیں واجب القتل قرار دے دیا۔[۸۶]

۱۰۲۸ھ/ ۱۶۱۹ء میں جہانگیر نے شیخ احمد کو ان الزامات کی وضاحت کے لیے بلوایا۔ تزک جہانگیری میں لکھا ہے کہ جہانگیر شیخ احمد کے جوابات سے مطمئن نہیں ہوا اور ان کی اصلاح نیز عوامی شورش کو کم کرنے کے لیے انہیں قید کرنے کا حکم دے دیا۔[۸۷] بعض

Marfat.com

دوسرے ذرائع سے اندازہ ہوتا ہے کہ جہانگیر ان کے جوابات سے مطمئن ہو گیا تھا لیکن چونکہ شیخ احمد نے دربار میں داخل ہونے کے آداب کی خلاف ورزی کی تھی اس لیے جہانگیر نے انہیں جیل بھجوادیا۔۸۸

شیخ احمد نے قید و بند کی صعوبتوں کو اولوالعزمی کے ساتھ برداشت کیا، انہوں نے نہ تو اپنے اس اقدام پر اظہار افسوس کیا اور نہ ہی رہائی حاصل کرنے کی جدوجہد کی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ ہوتی تو انہیں قید نہ کیا جاتا۔ انہوں نے اس کو قرب الٰہی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ سمجھا۔۸۹ اور انہوں نے جیل کے اندر اپنے کام کو اسی جذبہ کے ساتھ جاری رکھا جس جذبہ سے جیل کے باہر شروع کیا تھا، ان کی زندگی اور تعلیمات سے متاثر ہو کر سیکڑوں غیر مسلم قیدیوں نے اپنے سابقہ اعمال سے توبہ کی اور اسلام قبول کر لیا۔۹۰

ایک سال بعد جہانگیر نے شیخ احمد کی رہائی کا حکم صادر کر کے انہیں دربار میں بلایا اور خلعت سے سرفراز کیا، ان کی جائداد انہیں واپس کر دی اور انہیں ایک ہزار روپیہ دیا۔ نیز شیخ احمد کو اجازت دی کہ چاہیں تو معسکر میں قیام کریں اور چاہیں تو سرہند چلے جائیں۔۹۱ شیخ احمد نے معسکر میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ اس طرح ان کو بادشاہ اور درباریوں میں دعوت و تبلیغ کا موقع فراہم ہوتا تھا۔ جہانگیر کے ساتھ مختلف نشستوں میں شیخ ان کو قرآن مجید پڑھ کر سناتے، قرآن کا پیغام سناتے، ایمان اور شریعت کے اصولوں کی وضاحت کرتے۔۹۲ ایسا لگتا ہے کہ ان ساری چیزوں کا اس پر خاصہ اثر پڑا، ایک سال بعد جب جہانگیر نے کانگڑا کا قلعہ فتح کیا تو اس نے وہاں اسلامی قوانین کے نفاذ میں غیر معمولی جوش و جذبہ کا اظہار کیا۔ اسی سال اس نے کشمیر میں مسلمان لڑکیوں کی غیر مسلموں سے شادی کی رسم پر روک لگا دی۔ اس نے ہجری سنہ کو دوبارہ رواج دیا۔ سکوں پر اسلامی علامت کندہ کرائی۔ جن مسجدوں کو شہید کر دیا گیا ان کی دوبارہ تعمیر کروائی اور عربی و اسلامی تعلیمات کی

Marfat.com

حوصلہ افزائی کی۔۹۳

حضرت شیخ احمد نے تین سال معسکر میں قیام کیا مختلف مہموں میں بادشاہ کے ہم رکاب رہے، بہت سے مقامات کا دورہ کیا۔ جب ان کی صحت گرنی شروع ہوئی تو سرہند واپس چلے گئے اور دوسری مصروفیات کو کم کر کے صرف اذکار و عبادات میں مشغول ہو گئے۔ شیخ نے ۲۸/ صفر ۱۰۳۴ھ/ ۱۶۲۵ء کو رحلت فرمائی۔

جس کام کا اوپر ذکر ہوا ہے وہ شیخ احمد کے وسیع کام کا صرف ایک حصہ ہے لیکن مختلف اعتبارات سے اس سے زیادہ اہم کام وہ ہے جو شیخ نے تصوف اور شریعت سے اس کے تعلق کی وضاحت کے سلسلہ میں انجام دیا۔ تصوف کی تاریخ میں وہ پہلے شخص ہیں کہ ان جیسے عظیم صوفی نے صوفیہ کے روحانی تجربات کی حقیقت بیان کی اور اس کے مختلف مراحل کی خصوصیات پر روشنی ڈالی اور اس کی قیمت و اہمیت پر کلام کیا۔ اس طرح وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خدا تک پہنچنے کے نبوی طریقہ اور طریقہ ولایت میں امتیاز کیا اور مؤخر الذکر پر طریقہ نبوت کی روشنی میں تبصرہ کیا شیخ احمد نے غیر معمولی جرأت کے ساتھ تصوف کی پوری تاریخ پر نظر ڈلی اور واضح کیا کہ کون سے نظریات اور اعمال شریعت کی حدود کے اندر ہیں اور کون سی چیزیں شریعت سے انحراف اور قابل تنقید ہیں۔ کوئی شخصیت چاہے کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو۔ اگر اس نے شریعت کے خلاف کوئی بات کہی ہے تو شیخ احمد نے اس پر تنقید کی۔ خاص طور پر وحدۃ الوجود کے فلسفہ کو ہدف تنقید بنایا ہے اور اسلامی عقائد و اقدار اور اعمال پر اس کے برے اثرات سے آگاہ کیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ انہوں نے وحدت الوجود کی بجائے وحدت الشہود کا نظریہ پیش کیا جو شریعت سے پوری طرح ہم آہنگ تھا۔۹۴ یہ وہ کام ہے جسے خود شیخ احمد نے احیاء اسلام کے لیے اپنی کاوشوں میں سب سے بڑی خدمت قرار دیا ہے۔ مگر ابھی تک نہ تو اس کا صحیح طور پر مطالعہ کیا گیا ہے اور نہ ہی اس کی اہمیت کا صحیح طور پر اندازہ کیا گیا ہے۔

Marfat.com

حواشی ومراجع

ا۔ ملا کمال کے شاگردوں میں جرجانی کی شرح مقاصد کے شارح ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (۱۰۶۷/ ۱۶۵۶) شامل ہیں۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی زبردست عالم دین تھے، عہد شاہجہانی میں شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز رہے۔ متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ شیخ احمد سرہندی کے بڑے مداح تھے اور ان کو مجدد الف ثانی کہا کرتے تھے۔ اپنی کتاب دلائل التجدید میں ان کے کارناموں کا تذکرہ کیا ہے۔

۲۔ نور الحسن: ابوالفضل، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ طبع جدید ص ۱/۱۱۷، رضوی، ایس۔ اے اے Rellgious anddntelectual History of the Muslims in Akbar's Reign. منشی رام منوہر لال پبلشر دہلی، باب ۹ ص ۳۷۔۳۳۹

Religious and Political thought of Abul Fazal pp339-73

۳۔ دیکھئے تفصیلات Sufism and Shariah ص ۱۸، طبع لندن

۴۔ شیخ احمد: اثبات النبوۃ، مع اردو ترجمہ۔ ترتیب غلام مصطفیٰ خاں، کراچی ۱۳۸۳ھ ص ۶

۵۔ محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات۔ نولکشور لکھنو ۱۸۹۰ ص ۱۳۲۔ اس کی طرف شیخ احمد نے اثبات النبوہ میں اشارہ کیا ہے۔ حوالہ سابقہ ص ۶

۶۔ ابوالحسن علی ندوی: تاریخ دعوت وعزیمت، لکھنؤ ۱۹۸۰ء، ۱۴۰/۵

۷۔ زبدۃ المقامات۔ ص ۱۱۳

۸۔ خرقہ وہ لباس ہے جو کسی شیخ کی طرف اپنے مرید کو یا تو راہ سلوک کی ابتدا کرتے وقت یا اس کی تکمیل کے بعد اس وقت عنایت کیا جاتا ہے جب اسے راہ سلوک کے سالکین رہنمائی کی اجازت ملتی ہے۔ یہاں یہی مراد ہے۔

Marfat.com

۹۔ شیخ احمد: مکتوبات۔ ترتیب نور احمد۔ طبع نور کمپنی لاہور ۱۳۸۴ جلد دوم، مکتوب نمبر ۴۴۔ ص ۹۵۔ ۹۸۹

۱۰۔ شیخ احمد: رسالہ تہلیلیہ، مع اردو ترجمہ، غام مصطفیٰ خاں۔ ادارہ مجددیہ کراچی ۱۹۶۵ ص ۲۸ زبدۃ المقامات

۱۱۔ زبدۃ المقامات ص ۱۱۷ تاریخ دعوت وعزیمت ۵/۱۳۶

۱۲۔ شیخ کی وضاحت کے مطابق نسبت فردیہ عبارت ہے اس داخلی کیفیت سے جو صوفی کو اپنے روحانی ارتقاء کے وقت حاصل ہوتی ہے۔

۱۳۔ شیخ احمد: مبدأ و معاد، مطبع انصاری دہلی ص ۴

۱۴۔ مکتوبات جلد اول۔ مکتوب نمبر ۲۹۰ ص ۴۱۷، جلد اول ۲۶۶ ص ۵۸۴

۱۵۔ حوالہ سابق جلد اول ۲۹۰۔ ص ۴۴۷

۱۶۔ تاریخ دعوت وعزیمت ۵/۱۔ ۱۵۰۔ محمد حسن، مقامات امام ربانی مجدد الف ثانی۔ شاہی پریس لکھنؤ، ۱۳۱۳ھ، ص ۹

۱۷۔ مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر ۲۹۰ ص ۴۴۷ منقول ہے کہ خواجہ باقی باللہ نے شیخ احمد کو نقشبندیہ سلسلہ کی اشاعت کے لیے۔ لاہور میں متعین کیا تھا۔ ملاحظہ کیجئے۔ تاریخ دعوت وعزیمت ص ۵/۱۵۳

۱۸۔ مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر ۲۶۶۔ ص ۵۸۵۔ تاریخ دعوت وعزیمت ۵/۱۵۰

۱۹۔ مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر ۳۱، ص ۱۰۲

۲۰۔ ایضاً ۱۶۰، ص ۹۔ ۳۳۸

۲۱۔ شیخ احمد کے اس دعویٰ کا کہ آخری صداقت کو پانے سے قبل وہ مقام اتحاد (وحدۃ الوجود) سے گذرے پر Dr. Johanan Friedmann نے اعتراض کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ شیخ احمد نہ تو اتحاد کامل کے تجربے سے گذرے۔ نہ ان پر

Marfat.com

جذب کی کیفیات طاری ہوئیں اور نہ ہی ان سے شطمیات کا صدور ہوا۔ملاحظہ کیجئے:

Shaikh Ahmad Sirhindi: An Qutline of his Thought and a study of his Image in the Eyes of posterity, Montreal Mc Gill / Queen's university press 1971 pp 6,20,24

اگر چہ واضح نہیں ہے کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں، لیکن اس کا مقصد ظاہر ہے یعنی وہ شیخ احمد کو حقیقی صوفی ماننے کے لیے تیار نہیں۔ چونکہ انہوں نے نہ تو اتحاد کا تجربہ کیا اور نہ ہی وجد اور سکر کی کیفیات ان پر طاری ہوئیں جو تصوف پر جدید دور کے لکھنے والوں کے مطابق حقیقی تصوف کی علامات ہیں۔ پروفیسر مجیب نے بڑی صاف گوئی کے ساتھ لکھا ہے کہ شیخ احمد اس مزاج اور فکر کے حامل نہیں ہیں جو صوفیاء کی خصوصیت ہے۔

(The Indian Muslims: London Allen & unueen 1967, p 245)

Dr. Friedmann کے اعتراض کی اساس یہ ہے کہ شیخ احمد نے لکھا ہے کہ توحید وجودی کے تجربہ سے گذرتے ہوئے وہ اس سے اس درجہ متاثر تھے کہ انہوں نے اپنی تحریروں میں اس کا بیان کیا تھا۔لیکن اصلاً ان کی دستیاب تحریروں میں اس طرح کے بیانات نہیں ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس تجربہ کا دعویٰ درست نہیں ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جلد اول مکتوب نمبر ۲۹۰ جس کا ترجمہ مذکور ہے اور جس میں شیخ احمد نے اپنے روحانی تجربات کی مختلف منازل کا بیان کیا ہے اس میں اتحاد اور جمع کے مرحلے کا بھی ذکر ہے۔وہ اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ شیخ احمد نے حقیقی تجربات بیان کیے ہیں۔ جہاں تک توحید وجودی کے تجربہ سے گذرتے ہوئے انہوں نے جو تحریریں لکھی تھیں ان کا سوال ہے تو ان کے بارے میں شیخ احمد نے لکھا ہے کہ وہ مختلف دوستوں کے پاس منتشر ہیں۔ان کو جمع کرنا دشوار ہے۔

Marfat.com

اس لیے میں نے انہیں علی حالہ چھوڑ دیا۔ (مکتوبات جلد واول نمبر۲۹۱) ص ۷۵۸) اور جب شیخ احمد نے ان نظریات سے رجوع کر لیا تو ان کو محفوظ کرنے میں کوئی معقولیت ہی نہیں تھی۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس طرح کی کچھ تحریریں ان کے شاگردوں نے جمع کیں ہیں جنہیں ''معارف اللدینیہ'' میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب کے فاضل مرتب نے اس کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ میرے جمع اور موازنہ کے دوران مجھے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوگئی کہ یہ حالات شیخ احمد و نقشبندیہ سلسلہ میں راہِ سلوک طے کرتے ہوئے ابتدائی مراحل میں پیش آئے تھے۔ ان معارف میں شیخ خدا کی ذات کو وجود کا عین قرار دیتے ہیں اور ممکنات کی ذوات (ذات) کو خدا کی شئون ذاتیہ قرار دیتے ہیں اور انہیں علم الٰہی میں متعین کردہ شئون ذاتیہ قرار دیتے ہیں اور انہیں بھی واجب کہتے ہیں۔ اسی طریقے سے یہ خیال بھی ملتا ہے کہ تکمیل نام ہے تنزیہ اور تشبیہ کے امتزاج نیز ظلیت کے اثبات کا۔ یہ چار اصول شیخ اکبر کے طریقے کا بنیاد ہیں (معارف لدنیہ ترتیب عبدالمجید سلفی، لاہور ۱۳۷۶ ص ۲) اس سلسلہ میں زیادہ ہم آہنگ معارف ۵/ ۸/ اور ۱۰ ہیں۔ چوتھی بات یہ ہے کہ شیخ کا وہ اقتباس جو مذکور ہو چکا ہے اور اس میں یہ ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے پیر خواجہ باقی باللہ کے پاس اس وقت ایک رباعی لکھ کر بھیجی جب وہ توحید وجودی کے مرحلے سے گذر رہے تھے۔ نیز اس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ خواجہ نے ان کو اس طرح کی رباعی لکھنے پہ تنبیہ کرتے ہوئے لکھا کہ ''تم نے جو بات لکھی ہے وہ احمقانہ اور معقولیت سے عاری ہے، اس طرح کے خیالات کا حامل شخص خدا کی بارگاہ میں مقبول نہیں ہو سکتا تم کو خدا کا فرمانبردار ہونا چاہئے۔ وہ بے نیاز اور غیور ہے'' (شیخ اکرام، رود کوثر کراچی تاج آفس ص ۱۵۳) ان ملاحظات کے بعد میرا خیال ہے کہ وحدۃ الوجود کا تجربہ تو حقیقی صوفی کے لیے ضروری ہے لیکن استدراک کے باوجود میرا خیال یہ نہیں ہے کہ وحدۃ الوجود کا تجربہ اور شطحات کا صدور اور وحدۃ الوجود میں یقین رکھنا تصوف کا حصہ نہیں ہے۔

۲۲ شیخ احمد مکتوبات جلد اول نمبر ۱۳، نمبر ۳۱، نمبر ۳۶، نمبر ۱۶۰، نمبر ۲۹۱

۲۳ تفصیلات کے لیے دیکھئے تاریخ دعوت وعزیمت ص ۵/ ۵۶۔۱۵۴

Marfat.com

۲۴۔ سلطان جہانگیر: تزک جہانگیری تحقیق سید احمد خاں علی گڑھ ۱۸۶۴ص ۳۔۲۷۲

۲۵۔ شیخ احمد مکتوبات جلد اول نمبر ۱۳۱ص ۵۔۳۰۴۔ نمبر ۱۶۸ص ۳۵۲ نمبر ۲۲۱ص ۵۔۲۶۴
نمبر ۳۱۳، ص ۸۔۸۲۷

۲۶۔ ایضاً، جلد دوم نمبر ۶ص ۲۔۸۷

۲۷۔ ایضاً جلد اول، نمبر ۲۳۴، ص ۴۹۵۔ جلد اول نمبر ۲۶۱۔ ص ۴۔۵۷۔ جلد دوم نمبر ۴۔ ص
۸۷۰ جلد سوم نمبر ۱۰۰ص ۱۵۰۶

۲۸۔ ملاحظہ کیجئے کتابیات

۲۹۔ عزیز احمد, Islamic Culture in the Islamic Emvirarment
oxford university Press 1964.P.175

ملا مبارک ناگوری کے سلسلے میں دیکھئے:

Sir Wolseley Haig (Planned) Sir Richard Burn
(ed) cambridge History of India vol iv c ambridge
1937 p.p 114,106

۳۰۔ عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ۔ کلکتہ ۱۸۶۵ جلد سوم ص ۱۔۱۳۰ فتح اللہ شیرازی کے
بارے میں دیکھئے۔ ایم اسلم، سرمایۂ عمر، ندوۃ المصنفین۔ لاہور ۱۹۷۶ص ۳۰۔۹

۳۱۔ منتخب التواریخ ص ۲/ ۸۔۲۴۵

۳۲۔ اثبات النبوۃ ص ۱۹، ۲۰

۳۳۔ Sufism & Shariah ص ۲، ۷۔۱۰۔۲۰۸

۳۴۔ سرمایۂ عمر ص ۱۱۴

۳۵۔ تاریخ دعوت و عزیمت ص ۵/ ۴۵

۳۶۔ مکتوبات جلد اول نمبر ۱۳ص ۸۔۲۷، نمبر ۲۵۱ص ۸۔۵۲۳ نمبر ۲۶۶ص ۲۰۔۶۱۶ جلد

Marfat.com

دوم نمبر ۱۵ اص ۸۹۳، نمبر ۳۶ ص ۵۸ ـ ۹۳۱، نمبر ۶۷، ص ۸ ـ ۱۰۷۷، ص ۵۰ ـ ۱۱۳۹

۳۷ـ ایضاً جلد اول نمبر ۲۵۱ ص ۵۲۳، جلد دوم نمبر ۹۶ ـ ص ۱۱۵۰

۳۸ـ شیخ احمد نے لکھا ہے مولانا جامی (۱۴۹۲/۸۹۸) اور بعض دوسرے مصنفین نے امیر معاویہ پر اعتراض کیا ہے۔ (مکتوبات جلد اول نمبر ۲۵۱ ص ۵ ـ ۵۲۴)

۳۹ـ اپنی کتاب ردافض میں شیخ احمد نے متعدد شیعہ فرقوں اور ان کے عقائد کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے کچھ عقائد ایسے ہیں جو اسلام کی بنیادوں ہی کو منہدم کر دیتے ہیں۔ مثلاً علی ہی خدا ہیں۔ یا مثلاً یہ کہ وحی دراصل حضرت علی کی طرف ہی آ رہی تھی لیکن جبرئیل کی غلطی سے محمد ﷺ کی طرف منتقل ہوگئی۔ اور یہ کہ روحیں مختلف شکلوں میں بار بار پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ شیعوں کے بڑے فرقے ان عقائد کے حامل نہیں ہیں۔ صرف کچھ ہی انتہا پسند فرقے یہ خیالات رکھتے ہیں انہی کو امت نے کافر قرار دیا ہے۔ جو شیعہ صحابہ خاص طور پر ابتدائی تین خلفاء راشدین اور ان صحابہؓ پر تبرا کرتے ہیں جنہوں نے حضرت علیؓ کے خلاف جنگ میں حصہ لیا ان شیعوں کے بارے میں رائے مختلف ہے۔ اگرچہ اس طرح کے فعل کو سنی علماء نے سختی کے ساتھ رد کیا ہے، تاہم کچھ حنفی علماء اور علماء ماوراء النہر کے ایک گروہ کے علاوہ ان کو علماء کی اکثریت نے کافر قرار نہیں دیا ہے اگرچہ ان میں سے بھی اکثر ان شیعوں کو کافر کہہ دیتے ہیں جو حضرت ابوبکر، عمر اور دوسرے صحابہ کو کافر کہتے ہیں۔ ردروافض میں شیخ احمد نے علماء ماوراء النہر کی توثیق کی ہے کہ صحابہ کرام کو کافر قرار دینے والے یا ان پر تبرا کرنے والے شیعہ کافر ہیں۔ مگر جہاں تک مکتوبات کا تعلق ہے تو شیخ نے اس عمل کو فسق و بدعت تو قرار دیا ہے لیکن ان کے عمل کرنے والوں کو کافر کہنے سے اعراض کیا ہے۔ (اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کے لیے دیکھئے۔ ابن عابدین کا رسالہ تنبیہ الولاۃ والحکماء علی احکام مشائخ خیر الانام واصحابہ الکرام، مشمولہ رسائل ابن عابدین تاریخ طبع ندارد جلد اول ص ۱۷ ـ ۳۵۷، شیخ

Marfat.com

الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول سبکی کی السیف المسلول علی من سب الرسول، قاضی عیاض، کی الشفاء وغیرہ)

۴۰۔ مکتوبات جلد اول نمبر ۲۶۶ ص ۶۱۲

۴۲۔ ایضاً جلد سوم نمبر ۱۴۱ ص ۱۲۹۷

۴۳۔ ایضاً جلد سوم نمبر ۱۴۱ ص ۱۲۹۸، جلد اول ۲۶۶ ص ۶۱۲

۴۴۔ تذکرہ امام ربانی ص ۱۲۳۔ یہ تعجب خیز بات ہے کہ شیخ اکرام نے بغیر حوالہ کے کفری تخلص کا انتساب خود شیخ احمد کی طرف کیا ہے۔

(Muslim civilization in India, New Yorks London, columbia university Press, 1964 p 167)

یہ شیخ اکرام کی غلطی ہے:

۴۵۔ مکتوبات جلد سوم نمبر ۱۴۱ ص ۱۲۹۸

۴۶۔ ایضاً جلد اول نمبر ۲۸۸ ص ۲۲۷

۴۷۔ ایضاً جلد اول نمبر ۲۶۱ ص ۵۷۳

۴۸۔ ایضاً جلد اول نمبر ۲۶۶ ص ۶۲۶، جلد دوم نمبر ۶۲ ص ۱۰۶۱

۴۹۔ ایضاً جلد اول نمبر ۲۶۰ ص ۵۶۲، فرض کا مطلب ہے وہ اعمال جو واجب اور لازم ہیں اور سنت کا مطلب ہے وہ اعمال جو آپ ﷺ نے کیے اور ان کی تاکید بھی کی لیکن ان کو لازمی قرار نہیں دیا، اگرچہ یہ اصطلاحات ہیں تاہم یہاں ان سے نماز مراد ہے۔

۵۰۔ ایضاً جلد دوم نمبر ۲۸ ص ۲-۹۲۱

۵۱۔ ایضاً جلد سوم نمبر ۱۴۱ ص ۱۳۰۶

۵۲۔ ایضاً جلد اول نمبر ۲۷۶ ص ۶۷۳

۵۳۔ ایضاً جلد اول نمبر ۲۶۱ ص ۵۲۳

Marfat.com

۵۴۔ ایضاً جلد اول نمبر ۲۹۴ ص ۶۷۷، جلد دوم ۵۸ ص ۱۰۵۰

۵۵۔ ایضاً جلد اول نمبر ۲۳۲ ص ۱۰۵۰، جلد سوم نمبر ۶۶ ص ۱۳۶۷، جلد اول نمبر ۲۳۴ ص ۳۔۴۹۲

۵۶۔ ایضاً جلد اول نمبر ۲۹ ص ۶۔۹۵

۵۷۔ ایضاً جلد اول نمبر ۲۳۱ ص ۴۸۱

۵۸۔ بدعت کے سلسلہ میں شیخ احمد کا کلام ملاحظہ ہو، مکتوبات جلد اول ص ۱۸۶، ۲۳۱، ۱۹، اور اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کے لیے دیکھیے۔ ابواسحاق الشاطبی کی کتاب ''الاعتصام'' مکتبہ التجاریۃ الکبریٰ۔ قاہرہ

۵۹۔ مکتوبات جلد دوم نمبر ۵۴ ص ۱۰۳۲

۶۰۔ تذکرہ امام ربانی ص ۸۷

۶۱۔ مکتوبات جلد اول نمبر ۱۰۲ ص ۲۵۶

۶۲۔ تذکرہ امام ربانی ص ۲۵۵ تاریخ دعوت وعزیمت ص ۴/۱۲، ۱۶۳

۶۳۔ تذکرہ امام ربانی ص ۶۹

۶۴۔ ایضاً ص ۷۲

۶۵۔ مکتوبات جلد ال نمبر ۲۱۳ ص ۴۲۵، نمبر ۱۹۴ ص ۳۸۹

۶۶۔ ایضاً جلد اول نمبر ۴۷ ص ۱۶۳

۶۷۔ تاریخ دعوت وعزیمت جلد ۴/ ۹۱۔۸۸

۶۸۔ مکتوبات جلد اول نمبر ۱۰۲ ص ۲۵۶

۶۹۔ ایضاً جلد اول نمبر ۲۷۵ ص ۲۷۰

۷۰۔ محضر نامہ کی تفصیلات کے لیے دیکھیے منتخب التواریخ۔ بدایونی، ص ۲/۲۲۔ ۲۷۱، اس کے انگریزی ترجمہ کے لیے ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

M.Mujeeb: Indian Muslims

۱ے Aziz Ahamad: Islamic culture in the Indian Envirnment oxford clarondon press, 1964, p175

۲ے دین الٰہی کی تفصیلات کے لیے دیکھئے، تاریخ دعوت وعزیمت ۴/ ۲۵۔۱۰۸

۳ے اکبر کی مذہبی پالیسی میں ابو الفضل کے کردار کے لیے دیکھئے۔ مشیر الحسن کا مقالہ Studies in Islam دہلی جلد ۱۰ جنوری تا اپریل ۱۹۷۳ ص ۱۱۹ اور عزیز احمد کی کتاب Islamic culturein the Indian Environment p.173

۴ے تفصیلات کے لیے رجوع کیجئے۔ شیخ اکرام Muslim civilization in India pp162-3

۵ے جن لوگوں نے اکبر کی مذہبی پالیسی کی مخالفت کی تھی ان میں شیعہ عالم اور جونپور کے قاضی ملا محمود یزدی اور بنگال کے قاضی القضاۃ معز الملک شامل ہیں۔ (شیخ اکرام: Muslim civilization in India p160) شیخ احمد نے شدید تعذیب اور موت کے گھاٹ اتار دیئے جانے کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

۶ے عزیز احمد Islamic culture in Indian Envirenment p180 شیخ اکرام Muslim Civilization In India p.163
مکتوبات جلد اول نمبر ۱۹۵ ص ۳۹۱

۷ے مکتوبات جلد اول نمبر ۴۷ ص ۱۶۲ نمبر ۸۱ ص ۲۲۵

۸ے ایضاً جلد دوم نمبر ۹۲ ص ۳۰۔۱۱۲۹

۹ے K.A.Nizami: Naqshabandi In flucnce on the Mughal Rulers and politics, Islamic culture Jan

Marfat.com

1965, p.47

۸۰ـ مکتوبات جلد اول نمبر ۱۹۵، ص ۳۹۰۱

۸۱ـ ایضاً جلد دوم مکتوب نمبر ۶۷ ص ۱۰۸۲

۸۲ـ ایضاً جلد اول مکتوب نمبر ۵۳ ص ۱۷۱

۸۳ـ ملاحظہ کیجئے مکتوبات، جلد اول نمبر ۲۶۹، ص ۴۸، ۱۶۳، ۱۶۵، ۵۳، ۱۹۵، ۶۵ جلد دوم نمبر ۵۷ ص ۵۴

۸۴ـ شیخ اکرام ـ رود کوثر ص ۱۵۹

۸۵ـ ایضاً ص ۱۵۷

۸۶ـ کچھ نے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا (تذکرہ امام ربانی ص ۹۹) اور کچھ نے ان کو قتل کرنے کا مطالبہ کیا (رود کوثر ص ۱۶۱)

۸۷ـ رود کوثر ص ۱۶۰

۸۸ـ بدر الدین: حضرات القدس ص ۱۷ـ ۱۶ بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت ص ۴/۳ـ ۱۶۲

۸۹ـ مکتوبات جلد سوم نمبر ۵ـ ص ۱۲۰۲ نمبر ۲ ص ۴ـ ۱۱۹۳ نمبر ۶ـ ص ۱۲۰۳

۹۰ـ Arnold, T.W: preaching of Islam, 2nd revised ed London constable & company 1913, p.412

۹۱ـ رود کوثر ص ۱۶۳

۹۲ـ مکتوبات جلد سوم نمبر ۴۳، ص ۱۳۰۷، نمبر ۱۰۶ ص ۱۵۱۳ نمبر ۲۷ ص ۱۳۷۸

۹۳ـ سرمایۂ عمر ص ۱۲۸ـ ۳۱ Muslim civilization in India p.169

۹۴ـ مکتوبات، جلد دوم نمبر ۴ـ ص ۵۷۰، جلد اول نمبر ۲۶۱ ص ۵ـ ۵۷۴ نمبر ۲۳۴ ص ۴۹۴ جلد سوم ـ نمبر ۱۰۰ ص ۱۵۰۶

Marfat.com

شیخ احمد سرہندیؒ کے تجدیدی کارنامے
علماء عصر جدید کی نظر میں

مولانا اشہر رفیق ندوی

شیخ احمد بن عبدالاحد زین العابدین فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (۹۷۱۔۱۰۳۴ھ) مجدد الف ثانی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ یہ دراصل ان کا خطاب ہے جو اتنا مشہور ہو گیا کہ اصل نام تاریخ و تذکرہ کی کتابوں میں بہت ڈھونڈنے کے بعد ملتا ہے۔

حضرت شیخ سرہندیؒ کو یہ خطاب عہد اکبری و عالم گیری میں ان کے انقلابی و تجدیدی کارناموں کی وجہ سے حاصل ہوا۔ اس خطاب کے پس منظر میں سنن ابی داؤد کی ایک مشہور روایت ہے جس میں رسول اکرم ﷺ نے یہ پیشین گوئی فرمائی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر سو سال کے سرے پر ایسے بندے پیدا کرے گا جو اس کے لیے اس دین کو نیا اور تازہ کرتے رہیں گے''[1] سنت الٰہی کے مطابق ہر زمانہ اور صدی میں مصلحین و مجددین پیدا ہوتے رہے اور دین کو نیا اور تازہ کرتے رہے ہیں، مگر اسلام کی تقریباً چودہ سو سال کی تاریخ میں یہ خطاب صرف حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کو حاصل ہوا اور خطاب کے لاحقہ الف ثانی کا یہ مطلب سمجھا جاتا ہے کہ یہ پورے دوسرے ہزاریہ کے لیے مجدد بنائے گئے۔

شیخ سرہندیؒ کی ذات اور کارنامے اتنے عظیم ہیں کہ ہر دور کے عمار و محققین انہیں موضوع بحث بناتے رہے ہیں۔ عصر جدید کے متعدد جلیل القدر علماء کرام نے بھی ان کے افکار و خیالات اور تجدیدی کارناموں کا گہرا مطالعہ اور انہیں زبردست خراج عقیدت پیش کیا

Marfat.com

ہے۔ان میں مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، علامہ اقبالؒ، مولانا منظور نعمانیؒ، مولانا محمد عبدالشکور فاروقیؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری خصوصا قابل ذکر ہیں۔ پیش نظر مقالہ میں انہی علماء ومحققین کی تحقیقات ونگارشات کے حوالہ سے حضرت شیخ سرہندیؒ کے مقام ومرتبہ کا تعین اور اس مقام بلند تک پہنچنے کے اسباب معلوم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

معاصر محقق ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری نے حضرت شیخ کے ایک مکتوب کے حوالہ سے اس حقیقت کو آشکار کیا ہے کہ ''حضرت خود کو ایک ولی سے بڑھ کر ایک مجدد سمجھتے تھے جو الف ثانی میں کارتجدید کے لیے اٹھائے گئے ہیں''۔[۲]

مولانا محمد عبدالشکور فاروقیؒ کو اس دعویٰ پر مکمل شرح صدر ہے، چناں چہ وہ لکھتے ہیں: ''حضرت کا مجدد الف ہونا بھی ایک بڑی چیز ہے، آپ سے پہلے صدی کے مجدد ہوا کرتے تھے، الف کا مجدد کوئی نہیں ہوا۔ الف ثانی کا آغاز ہی نہ ہوا تھا اور الف اول میں خود ذات اقدس واطہر سید البشر ﷺ کی موجود تھی۔ آپ سے پہلے جس قدر مجدد صدیوں کے گزرے ہیں کوئی مجدد دین کے تمام شعبوں کا مجدد نہیں ہوا، بلکہ خاص شعبوں کے مجدد ہوتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ایک وقت میں متعدد مجدد نظر آتے ہیں۔ کوئی علم حدیث کا، کوئی فقہ کا، پھر اس میں بھی کوئی فقہ حنفی کا مجدد ہے، کوئی فقہ شافعی کا، کوئی علم کلام کا مجدد ہے اور کوئی سلوک واحسان کا، لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے لیے مخصوص رکھی کہ آپ دین کے تمام شعبوں کے مجدد ہیں، جس کا ماحصل یہ ہے کہ آپ سے پہلے کے مجدد دین کو سید الانبیاء ﷺ کی نیابت خاص خاص چیزوں میں حاصل تھی اور آپ کو تمام چیزوں میں نیابت تامہ حاصل ہے۔ آپ سے پہلے کے مجددوں کی خدمات کا اثر صرف ایک صدی کے لیے ہوتا تھا اور آپ کی مجددیت ایک ہزار سال کے لیے ہے''۔[۳]

Marfat.com

مولانا ابوالکلام آزاد بھی شیخ سے بے حد متاثر ہیں۔ وہ ان کے تجدیدی کارناموں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''شہنشاہ اکبر کے عہد کے اختتام اور عہد جہانگیری کے اوائل میں کیا ہندوستان علماء ومشائخ حق سے بالکل خالی ہو گیا تھا! کیسے کیسے اکابر موجود تھے، لیکن مفاسد وقت کی اصلاح وتجدید کا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا، صرف مجدد الف ثانی شیخ سرہندیؒ کا وجود گرامی ہی تن تنہا اس کاروبار کا کفیل ہوا''۔ ۴

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس سے بھی زیادہ بلند آہنگ میں ان کے تجدیدی کارناموں کو سراہا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں: ''ہندوستان کے مختلف گوشوں میں اس وقت بھی بہت سے حق پرست علماء اور سچے صوفیاء موجود تھے، مگر ان کے درمیان وہ ایک اکیلا شخص تھا جو وقت کے ان فتنوں کی اصلاح اور شریعت محمدی کی حمایت کے لیے اٹھا اور جس نے شاہی قوت کے مقابلہ میں یکہ وتنہا احیاء دین کی جدوجہد کی''۔ ۵

مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے نسبتاً محتاط الفاظ میں یہی باتیں اس طرح کہی ہیں: ''امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ سے دین کی تجدید وحفاظت اور احیاء شریعت کا جو عظیم کام ہمارے اس ملک میں لیا وہ بھی اسلام کی پوری تاریخ میں ایک خاص امتیازی شان رکھتا ہے اور اسی وجہ سے ان کا لقب مجدد الف ثانی ایسا مشہور ہو گیا ہے کہ بہت سے لوگ ان کا نام بھی نہیں جانتے، صرف مجدد الف ثانی کے معروف لقب ہی سے ان کو پہچانتے ہیں''۔ ۶

کار تجدید کیا ہے؟

حضرت شیخ سرہندیؒ کے تجدیدی کارناموں کی تفصیلات بے شمار مقامات پر ملتی ہیں۔ مگر خود کار تجدید کیا ہے اور تجدیدی کارناموں کے پرکھنے کا معیار کیا ہے؟ اس موضوع پر مآخذ بالعموم خاموش ہیں۔ مولانا منظور نعمانیؒ نے اس سلسلے میں مختصراً اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بہت شرح وبسط کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے۔ مولانا نے اپنی کتاب ''تجدید و

Marfat.com

احیاء دین''میں خاص طور سے اسی عقدہ کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ کار تجدید کی تعریف وہ اس طرح بیان کرتے ہیں: ''دراصل تجدید کا کام یہ ہے کہ اسلام کو جاہلیت کے تمام اجزاء سے چھانٹ کر الگ کیا جائے، کسی نہ کسی حد تک اس کو اپنی خالص صورت میں پھر سے فروغ دینے کی کوشش کی جائے''۔ ؎

تجدیدی کارناموں اور مجدد کے معیار کو پرکھنے کے لیے انہوں نے کچھ اصول اور میدان کار متعین کیے ہیں اور انہیں بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہیں:

۱۔ اپنے ماحول کی تشخیص:

یعنی حالات کا پورا جائزہ لے کر یہ سمجھنا کہ جاہلیت کہاں کہاں کس حد تک سرایت کر گئی ہے؟ کن کن راستوں سے آئی ہے؟ اس کی جڑیں کہاں کہاں اور کتنی پھیلی ہوئی ہیں؟ اور اسلام اس وقت ٹھیک کس حالت میں ہے؟

۲۔ اصلاح کی تجویزیں:

یعنی یہ تعین کرنا کہ اس وقت کہاں ضرب لگائی جائے کہ جاہلیت کی گرفت ٹوٹے اور اسلام کو پھر اجتماعی زندگی پر گرفت کا موقع ملے؟

۳۔ خود اپنے حدود کا تعین:

یعنی اپنے کو تول کر صحیح اندازہ لگانا کہ میں کتنی قوت رکھتا ہوں اور کس راستے سے اصلاح کرنے پر قادر ہوں؟

۴۔ ذہنی انقلاب کی کوشش:

یعنی لوگوں کے خیالات کو بدلنا، عقائد و افکار اور اخلاقی نقطہ نظر کو اسلام کے سانچے میں ڈالنا، نظام تعلیم و تربیت کی اصلاح اور علوم اسلامی کا احیاء کرنا اور فی الجملہ

Marfat.com

اسلامی ذہنیت کو از سر نو تازہ کر دینا۔

۵۔ علمی اصلاح کی کوشش:

یعنی جاہلی رسوم کو مٹانا، اخلاق کا تزکیہ کرنا، اتباع شریعت کے جوش سے پھر لوگوں کو سرشار کر دینا اور ایسے افراد تیار کرنا جو اسلامی طرز کے لیڈر بن سکیں۔

۶۔ اجتہاد فی الدین:

یعنی دین کے اصول کلیہ کو سمجھنا، اپنے وقت کے تمدنی حالات اور ارتقاء تمدن کی سمت کا اسلامی نقطۂ نظر سے صحیح اندازہ لگانا اور یہ تعین کرنا کہ اصول شرع کے ماتحت تمدن کے پرانے متوارث نقشے میں کس طرح رد و بدل کیا جائے جس سے شریعت کی روح برقرار رہے۔اس کے مقاصد پورے ہوں اور تمدن کے صحیح ارتقاء میں اسلام دنیا کی امامت کر سکے؟

۷۔ دفاعی جدوجہد:

یعنی اسلام کو مٹانے اور دبانے والی سیاسی طاقت کا مقابلہ کرنا اور اس کے زور کو توڑ کر اسلام کے ابھرنے کا راستہ پیدا کرنا۔

۸۔ احیاء نظام اسلامی:

یعنی جاہلیت کے ہاتھ سے اقتدار کی کنجی چھین لینا اور از سر نو حکومت کو عملاً اس نظام پر قائم کر دینا جسے صاحب شریعت علیہ اسلام نے خلافت علی منہاج النبوۃ کے نام سے موسوم کیا ہے۔

۹۔ عالم گیر انقلاب کی کوشش:

یعنی صرف ایک ملک یا ان ممالک میں جہاں مسلمان پہلے سے موجود ہوں،

Marfat.com

اسلامی نظام کے قیام پر اکتفانہ کرنا، بلکہ ایک ایسی طاقت اور عالمی تحریک برپا کرنا جس سے اسلام کی اصلاحی و انقلابی دعوت عام انسانوں میں پھیل جائے، وہی تمام دنیا کی غالب تہذیب بنے، ساری دنیا کے نظام تمدن میں اسلامی طرز کا انقلاب برپا ہو اور عالم انسانی کی اخلاقی ،فکری اور سیاسی امامت وریاست اسلام کے ہاتھ میں آجائے۔

ان شعبوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی تین مدات تو ایسی ہیں جو ہر اس شخص کے لیے ناگزیر ہیں جو تجدید کی خدمت انجام دے۔لیکن باقی چھ مدیں ایسی ہیں جن کا جامع ہونا مجدد کے لیے شرط نہیں ہے۔ بلکہ جس نے ایک، دو، تین یا چار شعبوں میں کوئی نمایاں کارنامہ انجام دیا وہ بھی مجدد قرار دیا جاسکتا ہے۔البتہ اس قسم کا مجدد جزوی ہوگا، کامل مجدد نہ ہوگا۔ کامل مجدد صرف وہ شخص ہوسکتا ہے جو ان تمام شعبوں میں پورا کام انجام دے کر وراثت کا حق ادا کرے۔[8]

شیخ سرہندی کے تجدیدی کارنامے

ان علماء و محققین نے شیخ کی خدمات جلیلہ کو صرف خراج عقیدت ہی نہیں پیش کیا ہے، بلکہ ان کا گہرائی سے تجزیہ بھی کیا ہے۔مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے شیخ کی تجدیدی خدمات کو تین خانوں میں تقسیم کیا ہے:

''۱۔انہوں نے ہندوستان میں حکومت کو بالکل ہی کفر کے گود میں جانے سے روکا اور اس فتنہ عظیم کے سیلاب کا منہ پھیرا جواب سے تین چار سو برس پہلے ہی اسلام کا نام و نشان مٹادیتا۔

۲۔تصوف کے چشمۂ صافی کو ان آلائشوں سے، جو فلسفیانہ اور راہبانہ گم راہیوں کے سبب اس میں سرایت کرگئی تھی، پاک کرکے اسلام کا اصلی اور صحیح تصوف پیش کیا۔

۳۔ان تمام رسوم جاہلیت کی شدید مخالفت کی جو اس وقت عوام میں پھیلی ہوئی

Marfat.com

تھیں۔اور سلسلۂ بیعت وارشاد کے ذریعہ سے اتباع شریعت کی ایک ایسی تحریک پھیلائی جس کے ہزارہا تربیت یافتہ کارکنوں نے نہ صرف ہندوستان کے مختلف گوشوں میں، بلکہ وسط ایشیاء تک پہنچ کر عوام کے اخلاق وعقائد کی اصلاح کی کوشش کی''۹

مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے بھی شیخ سرہندی کے تجدیدی جہاد کے تین میدان متعین کیے ہیں۔لکھتے ہیں:''حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے سب سے پہلے ان فتنوں کے سرچشموں کو دریافت کیا تو دیکھا کہ اصولی طور پر صرف تین راستے ہیں جن سے گمراہیوں اور تباہیوں کے یہ سیلاب آ رہے ہیں۔ایک ارباب حکومت،جن کو حالات واتفاقات کی ایک خالص رفتار اور سیاسی مفاد کے ایک غلط تصور اور غلط توقعات نے''اسلامیات'' سے بے گانہ اور لامذہبیت بلکہ ہندویت سے آشنا بنا دیا۔دوسرے وہ علماءسوء جن کا مطمح نظر صرف اچھی طرح دنیا کمانا،اور ارباب اقتدار اور امراء وقت کی خوشنودی اور رضا جوئی میں ساعی رہنا اور ان کی خاطر ہر منکر کو معروف بنا دینا اور اپنی خواہشات نفس کی تکمیل کے لیے اسلام میں گنجائش پیدا کرنا ہے۔تیسرے وہ گمراہ اور برخود غلط صوفی، جو شریعت کو ظاہر پرستوں کا کھلونا سمجھتے ہیں اور طریقت وحقیقت کے مقدس ناموں سے انہوں نے اپنی الگ دنیا بنا رکھی ہے۔یہ تھے فتنوں کے تین چشمے۔حضرت مجددؒ نے بس انہی کو قابو میں لانے اور ان کا رخ صحیح کرنے کے لیے اپنی پوری حکمت وقوت صرف فرما دی''۔۱۰

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اس بحث کو ایک نئی جہت دی ہے۔انہوں نے اپنے پیش رو علماء و محققین کی تحقیقات کا گہرائی سے تجزیہ کیا ہے۔ان کا خیال ہے کہ حضرت کے تجدیدی کارناموں کا تجزیہ کرنے والوں نے ان کے اصل تجدیدی کارنامے کی تعیین میں مختلف رائیں پیش کی ہیں۔مختصراً انہیں تین خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''ایک گروہ کہتا ہے کہ وہ اس لیے مجدد الف ثانی کہلانے کے مستحق ہیں کہ انہوں

Marfat.com

نے ہندوستان کو اسلام کے لیے دوبارہ بازیاب کیا اور اس کو برہمنیت یا وحدت ادیان کی گود میں جانے سے بچا کر دوبارہ محمد عربی ﷺ اور دین حجازی کی تولیت ونگرانی میں دیا۔

دوسرے گروہ کے نزدیک ان کا اصلی تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے طریقت پر شریعت کی فوقیت و بالا دستی کو ایسے پر اعتماد، مبصرانہ و تجربہ کارانہ اور اس قوت و وضاحت کے ساتھ بیان کیا جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا اور اس سے طریقت کا شریعت کے تابع بلکہ خادم ہونا روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا۔

تیسرا گروہ وہ ہے جو ان کا اصل تجدیدی کارنامہ یہ سمجھتا ہے کہ انہوں نے وحدۃ الوجود کے عقیدہ ونظریہ پر وہ کاری ضرب لگائی جو اس سے پہلے کسی نے نہیں لگائی تھی اور پھر اس کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا"۔[11]

ان گروہوں کا تجزیہ کرنے کے بعد مولانا ندویؒ نے ان کے تمام تجدیدی کارناموں کا ایک مرکزی نکتہ تلاش کیا ہے اور اسی کے اندر تمام کارناموں کو سمو دیا ہے لکھتے ہیں:

"حقیقت میں ان کا اصل کارنامہ جس کے جلو میں ان کے سارے تجدیدی کارنامے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں اور ان کی تجدید کا اصل سرچشمہ جس سے ان کے تمام انقلابی واصلاحی کاموں کے چشمے پھوٹتے ہیں اور دریا بن کر سارے عالم اسلام میں رواں دواں ہو جاتے ہیں، وہ نبوت محمدی اور اس کی ابدیت وضرورت پر امت کا اعتماد بحال کرنے اور مستحکم کرنے کا وہ تجدیدی وانقلابی کارنامہ ہے جو ان سے پہلے اس تفصیل و وضاحت و قوت کے ساتھ ہمارے علم میں کسی مجدد نے انجام نہیں دیا۔

اس تجدیدی اقدام سے ان تمام فتنوں کا سد باب ہوتا ہے جو اس وقت عالم اسلام میں منہ پھیلائے ہوئے اسلام کے شجرۂ طیبہ اور اس کے پورے اعتقادی، فکری اور

Marfat.com

روحانی نظام کو نگل لینے کے لیے تیار تھے۔ ان میں ایران کی وہ نقطوی تحریک اور اس کے پیرو بھی شامل ہیں جنہوں نے نبوت محمدی اور اس کے بقا و دوام کے خلاف کھلے طریقہ پر علم بغاوت بلند کیا تھا۔ ان فتنوں میں اکبر کا دین الٰہی اور آئین جدید بھی شامل ہے جو ہندوستان میں نبوت و شریعت محمدی کی جگہ لینے اور اس کا بدل بننے کا مدعی تھا۔ اس سلسلے میں وحدۃ الوجود کا فلسفہ بھی آتا ہے جو اپنے داعیوں اور علم برداروں کے بقول کشفی حقائق پر مبنی تھا۔ اسی ضمن میں فرقہ امامیہ کا گروہ بھی آتا ہے جس کے اساسی عقائد میں امامت کا عقیدہ بھی ہے۔

اسی طرح انہوں نے نبوت محمدی پر ایمان و اعتماد کی تجدید کی شاہ کلید سے وہ سارے بھاری پیچیدہ قفل کھول دیے جو یونانی اور ایرانی فلسفہ اور مصری و ہندوستانی اشراقیت نے ایجاد کیے تھے۔ ایک تیر سے ان سب فتنوں کا شکار کیا جن کا مسلمانوں کا ذہن طبقہ نشانہ بنا ہوا تھا''۔[۱۲]

طریقۂ تجدید

ہر مجدد نے اپنے عہد کے حالات اور ضروریات کے لحاظ سے اپنا الگ طریقہ کار متعین کیا اور کارہائے تجدید و انقلاب انجام دیے۔ حضرت شیخ سرہندیؒ نے بادشاہ وقت، امراء پر جلال، بڑے بڑے علماء و صوفیا کے ذہن و فکر کا رخ موڑ دیا اور اس کے لیے نہ کوئی تنظیم بنائی، نہ جہاد کا اعلان کیا، نہ ہی کوئی عوامی مہم چلائی، بلکہ نہایت خاموشی کے ساتھ ایمان و اخلاص کے بل بوتے پر مومنانہ حکمت و فراست سے مختلف محاذوں پر انقلابی تدابیر کرتے رہے اور مختصر عرصہ میں کایا پلٹ دی۔

حضرت مجددؒ کی جدو جہد تین مختلف محاذوں پر تین مختلف طریقوں سے جاری تھی۔

۱۔ خطوط نویسی ۲۔ تصنیف و تالیف ۳۔ حلقۂ ارشاد و تربیت

Marfat.com

ا۔ خطوط نویسی

اس عظیم انقلابی مہم کو سر کرنے کے لیے حضرت مجددؒ نے جو سب سے اہم وسیلہ اختیار کیا وہ خطوط نویسی ہے۔ انہوں نے امراء وارا کین سلطنت، علما و صوفیا اور اپنے ارادت مندان کو انفرادی خطوط کے ذریعے توجہ دلائی اور بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ''صفحہ قرطاس پر اپنے دل کے ٹکڑے اتار کر رکھ دیے'' یہ خطوط اپنے درد و اخلاص، جوش و تاثیر، زورِ قلم اور قوت انشاء کے لحاظ سے ان خطوط و مکاتب کے ذخیرے میں جو دنیا کی کسی زبان میں اور کسی دینی و اصلاحی تحریک کی تاریخ میں سپرد قلم کیے گئے ہیں، خاص امتیاز رکھتے ہیں اور سیکڑوں برس گزر جانے کے بعد آج بھی ان میں اثر و دل آویزی پائی جاتی ہے۔ حقیقت میں یہی خطوط مجدد صاحب کی دعوت و تبلیغ کے مقاصد، ان کے زخمی دل کے صحیح ترجمان، ان کے قطرات اشک اور لختِ ہائے جگر ہیں اور دسویں صدی میں ہندوستان کی عظیم سلطنت مغلیہ میں جو عظیم انقلاب رونما ہوا، اس میں ان کا بنیادی حصہ اور سب سے بڑا دخل ہے''۔ ۱۳

ان بابرکت خطوط نے بہت کم عرصہ میں بڑے بڑے امراء اور صوفیا کے قلوب کو مسخر کر لیا جو شاید ہزاروں تلواریں ٹوٹنے کے بعد بھی رام نہ ہوتے۔

۲۔ علمی و تحقیقی رسائل

حضرت شیخ سرہندیؒ نے مختلف اہم موضوعات پر کتابیں اور رسالے بھی تصنیف فرمائے جو ان کی اس تجدیدی مہم میں نسخہ کیمیا ثابت ہوئے۔ ان کی یہ تحریریں بے حد مقبول ہوئیں اور ان کی سیکڑوں نقلیں تیار کی گئیں۔ پریس آ جانے کے بعد ان کتابوں کے متعدد زبانوں میں ترجمے ہوئے اور شروح و حواشی لکھے گئے۔

ان کتابوں اور رسائل نے بھی ان کی انقلابی کاوشوں میں چار چاند لگائے، خاص

Marfat.com

طور سے رسالہ اثبات النبوۃ ۱۴، رسالہ در رد روافض ۱۵ اور المبدأ والمعاد ۱۶ نے شیخ کی آراء کو مدلل کرنے اور مخاطب کو قائل کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ ۱۷

۳۔شاگردان وعقیدت مندان اور خلفاء کبار

انفرادی خطوط ورسائل ایک طرف بڑے بڑے سلاطین، امراء اور علماء کے قلوب فتح کرتے رہے تو دوسری طرف شاگردان وارادت مندان بھی جوق در جوق آپ کے حلقہ میں شامل ہو کر اس کار خیر کو آگے بڑھانا چاہتے تھے۔ چناں چہ ان کی اس خاموش جدوجہد میں دنیا کے مختلف علاقوں کے ہزاروں افراد نے آپ سے تربیت لی اور ان کے ذریعے اس مشن کو آگے بڑھایا۔ ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے بقول ''ان کے ناموں اور کارناموں کا استقصاء دشوار ہی نہیں، تقریباً ناممکن ہے۔ ان کی تعداد کئی ہزار بتائی جاتی ہے اور وہ تمام دنیا میں منتشر اور سرگرم عمل رہے''۔ ۱۸ تاہم اس بات پر تمام مورخین ومحققین متفق ہیں کہ حضرت شیخ سرہندیؒ کے کارنامے ان ہی خلفاء واصحاب کی کاوشوں کی وجہ سے ساری دنیا میں پھیلے اور دیرپا ثابت ہو سکے۔

کار تجدید کی تعریف اور حضرت شیخ سرہندی کے تجدیدی کارناموں کا تذکرہ اوپر تفصیل سے آیا ہے۔ اگر مولانا مودودیؒ کے مقرر کردہ معیار کو کسوٹی مان لیا جائے اور اس پر حضرت شیخ احمد سرہندی کے ان تجدیدی وانقلابی کارناموں کو پرکھا جائے تو ان کی خدمات کی تمام تر عظمتوں کے اعتراف کے باوجود ان کے سلسلے میں علماء کا یہ خیال مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجدد کامل تھے، انہیں آنحضور ﷺ کی نیابت تامہ حاصل تھی، وہ پورے دوسرے ہزاریہ کے لیے مجدد بنائے گئے تھے۔ الحمدللہ اسلام کی روشن تاریخ کے ہر دور میں ایسی متعدد جلیل القدر ہستیاں وجود میں آتی رہی ہیں جنہوں نے اپنے دور کے حالات ضروریات کے لحاظ سے اس سے بھی زیادہ عظیم کارنامے انجام دیے ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ، امام غزالیؒ

Marfat.com

اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ وغیرہ نے بھی بے شمار انقلابی وتجدیدی کارنامے انجام دیے، مگر انہیں مجدد کامل تو دور کی بات، مجدد کا بھی خطاب حاصل نہ ہو سکا۔ اس طرح کے مبالغہ آمیز خیالات سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ دعوت وتبلیغ اور کارِ تجدید کے لیے جو کاوشیں حضرت شیخ سرہندیؒ کے ذریعہ ہوئیں اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئیں اور ان کے اثرات ایک ہزار برس تک رہیں گے، اس لیے مزید کدوکاوش کی ضرورت نہیں۔ حضرت شیخ سرہندیؒ کی خدمات ہی عالم اسلام پر بیسویں صدی ہجری تک اثر پذیر ہوں گی۔

اسی طرح مولانا فاروقیؒ، مولانا آزادؒ، علامہ اقبالؒ اور مولانا مودودیؒ وغیرہ کے یہ بیانات بھی تحقیق طلب ہیں کہ ''ان کے تمام معاصر علماء وصوفیاء ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے[۱۹] اور حضرت شیخ سرہندیؒ نے یکہ وتنہا الحاد اکبری کا قلع قمع کیا وہ ہند میں سرمایہ ملت کے اکیلے نگہبان تھے''۔ ان کے معاصرین میں متعدد جلیل القدر علماء ومحدثین موجود تھے جو انہی کی طرح اصلاح وتجدید کے مشن میں لگے ہوئے تھے اور ان کے بعد بھی متعدد جلیل القدر ہستیاں وجود میں آئیں۔ اس طرح کے بیانات سے ممدوح کی اہمیت تو کچھ ضرور بڑھ جاتی ہے، مگر ساتھ ہی معاصرین کے کارناموں کی تنقیص لازم آتی ہے۔ اسی لیے شیخ محمد اکرم نے اپنے عقیدت مندوں کو سخت تنبیہ کی ہے اور معاصرین کے کارناموں کو اجاگر کیا ہے اور ان کی قدر پہچاننے کی تلقین کی ہے۔[۲۰]

Marfat.com

حواشی/حوالہ جات

۱۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا. سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب ما یذکر فی قرن المائۃ

۲۔ محمد عبدالحق انصاری، تصوف اور شریعت، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۲۰۰۱ء ص ۳۹

۳۔ محمد منظور نعمانی، تذکرہ مجدد الف ثانی، مقالہ مولانا محمد عبدالشکور فاروقی بعنوان ''امام ربانی'' ناشر الفرقان بک ڈپو لکھنؤ، طبع ہشتم، ۱۹۹۸ء، ص ۲۸۲

۴۔ مولانا ابوالکلام آزاد، تذکرہ (مرتبہ فضل الدین احمد مرزا) انارکلی کتابیات، لاہور، بدون تاریخ، ص ۲۶۴

۵۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تجدید و احیاء دین، مرکزی اسلامی دہلی ۲۰۰۲ء، ص ۸۱

۶۔ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص ۲۳

۷۔ تجدید و احیاء دین، ص ۴۳

۸۔ حوالہ مذکورہ، ص ۴۵۔۴۶

۹۔ حوالہ مذکورہ، ص ۸۱۔۸۲

۱۰۔ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص ۱۴۳

۱۱۔ سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ، باراول ۱۹۸۰ء، ۴/۱۸۷۔۱۸۸

۱۲۔ حوالہ مذکورہ، ۴/۱۹۰۔۱۹۲ (ملخصاً)

۱۳۔ حوالہ مذکورہ، ۴/۳۰۳

۱۴۔ شیخ احمد سرہندی، اثبات النبوۃ، اردو ترجمہ غلام مصطفیٰ خاں، ادارہ مجددیہ کراچی، ۱۹۶۳ء

۱۵۔ شیخ احمد سرہندی، رسالہ در رد روافض، ادارہ سیدیہ مجددیہ، لاہور، ۱۹۶۴ء

۱۶۔ شیخ احمد سرہندی، المبدأ و المعاد، مطبع انصاری، دہلی، ۱۸۸۹ء

Marfat.com

۱۷۔ شیخ سرہندی کی تصانیف، خطوط اوران کے بارے میں مختلف زبانوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی تفصیلات جاننے کے لیے رجوع کیجیے:

A selected Bibliography on Shilkh Ahmad Sirhindi, Kabir Ahamad Khan, Muslim world book Review, U.K. Vol. 12 No, 2. winter 1992, pp65-70

۱۸۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ۳۵۵/۴

۱۹۔ تجدید واحیاء دین، ص ۴۶

۲۰۔ رودکوثر، ص ۲۳۸

Marfat.com

شذرات

سولھویں اور سترھویں صدی میں شمالی ہندوستان میں مسلمان مجددوں کی تحریکیں

از: جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب

(۱)

آگرہ یونیورسٹی میں ڈاکٹر سید اطہر عباس رضوی نے ''سولھویں اور ستریں صدی عیسوی میں شمالی ہند میں مسلمان مجددوں کی تحریکیں'' کے عنوان سے ایک مقالمہ پیش کر کے ڈی۔لٹ کی ڈگری حاصل کی ہے، جواب کتاب کی شکل میں بال کرشن بک کمپنی، حضرت گنج لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔اس کے نام سے دھوکا ہوتا ہے کہ مصنف نے سولھویں اور سترھویں صدی عیسوی میں شمالی ہند کے مسلمان مجددوں کی مذہبی تحریکوں کا تحقیقی جائزہ لیا ہوگا، لیکن اس کے مطالعہ کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا اصل مقصد حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلاف زہرافشانی ہے، جس سے عام مسلمانوں اور خصوصاً حضرت مجدد الف ثانیؒ کے عقیدتمندوں اور ان کے مسلک کے پیرووں کی پوری دل آزاری اور ایذارسانی ہوتی ہے، مصنف نے اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لیے تاریخی تحقیقات کی آڑ لی ہے، لیکن ان کی تحقیقات کی حیثیت وہی ہے جو کسی وکیل کے جھوٹے مقدمہ کی شہادتوں کی پرفریب ترتیب کی ہوا کرتی ہے۔

چشتیہ اور سہروردیہ سلسلہ کے صوفیائے کرام اور دوسرے بزرگان دین پر جابجا

Marfat.com

نیش زنی کر کے مصنف نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کا یہ مرقع پیش کیا ہے کہ "موجودہ دور کے مصنفوں نے ان کو ایک خرافاتی شخصیت بنا دیا ہے۔ انہوں نے صرف فرقہ وارانہ جذبات سے اپیل کی ہے۔ انہوں نے اپنے اور اپنے جانشینوں کے لیے قیوم ہونے کا دعویٰ کیا، اور اسی کی شہرت دیتے رہے، انہوں نے اپنے مجدد اور قیوم ہونے کے دعویٰ کی بنیاد اپنے انکشافات اور الہامات ہی پر رکھی، جس کو ان کے سریع الاعتقاد مقلدوں کے تنگ دائرہ ہی میں قبول کیا گیا۔ ان کے اس دعوی میں کہ وہ مجدد اور قیوم ہیں ایک کورانہ تو ہم پرستی کی جھلک ہے ان کی تحریک ایک ہیجانی تحریک تھی، ۱٦٦٨ء میں شیخ محمد معصوم کی وفات سے مجدد کی رہی سہی عزت کا شائبہ بھی جاتا رہا، مجدد کے پوتوں کو انتشار اور اخلاقی بدحالی کا پلیگ رہا، ان میں سب ہی قطب اور قیوم کی حیثیت اختیار کرنا چاہتے تھے، اورنگ زیب جیسے راسخ العقیدہ شہنشاہ کی طویل حکومت کے زمانے میں مسلمانوں کی زندگی میں اختلال وانتشار رہا اس سے مجدد کے مسلک کا یہ کھوکلا پن ظاہر ہو گیا کہ اگر حکمرانوں کو راسخ العقیدگی کی طرف مائل کیا جائے تو ساری برائیاں دور ہو سکتی ہیں۔" ان فقروں کو مشتے از خروارے سمجھنا چاہیے۔

اسی ہندوستان میں ابتک تاریخی تحقیقات کے کیا کیا نمونے پیش نہیں کیے جا چکے ہیں۔ بڑی تحقیقی کاوش سے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ رامائن میں رام چندر اور سیتا جی کی کہانی فرضی ہے۔ جو مصر کے کسی افسانہ سے لی گئی ہے۔ یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کربلا میں نہیں ہوئی۔ بلکہ ان کی طبعی وفات قسطنطنیہ میں ہوئی، یہ بھی دکھایا جا چکا ہے کہ شیوا جی شاہ جی کے بجائے کسی اور کالڑکا تھا، اب پوری تحقیقی سرگرمیاں اس میں صرف ہو رہی ہیں کہ قطب مینار، لال قلعہ اور جامع مسجد دہلی وغیرہ مغلوں کی نہیں بلکہ راجپوتوں کی بنوائی ہوئی ہیں، ڈاکٹر سید اطہر عباس رضوی کی کتاب بھی اسی قسم کی تحقیقات کا نمونہ ہے۔ جنوبی ہند کے ایک ہندو مورخ کے بیان کے مطابق اس قسم کی تحقیقات سے

Marfat.com

ہندوستانی علم وفن محض رسوااور بدنام ہوکر رہ جاتا ہے۔

۱۹۳۵ء میں انگریزی میں ایک کتاب ''دی ریل سیوا جی'' شائع ہوئی تھی، اس کے مصنف سید تفضّل داؤد سعید خاں کو بھی دعوی تھا کہ انہوں نے سیوا جی کی جو تصویر کھینچی ہے، وہ نا قابل تر دید تحقیقاتی حقائق پر مبنی ہے، لیکن اس کتاب سے ہندوؤں کے جذبات مجروح ہوتے تھے، اس لیے یو پی کی حکومت نے اس کی اشاعت ممنوع قرار دیدی جس کے بعد مصنف کو یو، پی سے جلا وطن بھی ہونا پڑا، ڈاکٹر سید اطہر عباس رضوی نے اپنی کتاب جذباتی آہنگی اور قومی یگانگت کا نعرہ بلند کرتے ہوئے پیش کی ہے خواہ اس سے تمام مسلمانوں کی دل آزاری کیوں نہ ہو، لیکن جذباتی آہنگی اور قومی یگانگت کے بہی خواہوں کو اصلی ونقلی اور دانا و نادان دوستوں میں تفریق کرنا ضروری ہے، تاکہ یہ تحریک صحیح معنوں میں پروان چڑھے۔

اس کتاب کے شروع میں پروفیسر محمد حبیب (سابق استاد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کا پیش لفظ بھی ہے جس میں وہ مصنف کو مولانا عبدالحق محدث دہلوی سے بھی زیادہ بہتر مصنف اور محقق سمجھنے پر مجبور ہوئے ہیں، اور وہ خوش ہیں کہ اس کے مصنف نے یہ ثابت کر دیا۔ حضرت احمد سرہندیؒ نے خود مجدد الف ثانی کا لقب اختیار کرلیا تھا۔ گرچہ وہ کسی معنی میں بھی مجدد ہی ہوں۔ اسی طرح انہوں نے اپنے کو خود ساختہ قیوم (خدا کا ایجنٹ) بنا رکھا تھا، ان کی سیاسی خدمات محض خرافاتی افسانے ہیں جن کو ایسے اہل قلم نے گھڑ رکھا ہے جو تاریخ سے بالکل ناواقف ہیں، پروفیسر صاحب نے اپنی سند میں مصنف کو البیرونی، بوعلی سینا، ابن عربی، شیخ نظام الدین اولیاء اور دارشکوہ کی صف میں بھی لا کر کھڑا کر دیا ہے، بلکہ موجودہ دور میں ان سب میں ان کو عظیم ترین سمجھنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں، یقین نہیں آتا کہ یہ ساری باتیں پروفیسر محمد حبیب کے قلم کی لکھی ہوئی ہیں، اور اگر واقعی ان ہی کی ہیں تو معلوم نہیں ان سے مصنف کی شہرت میں اضافہ ہوگا کہ پروفیسر صاحب کی فکر ونظر بھی مصنف کی کتاب کی طرح ایک مستقل موضوع بن جائے گی۔

Marfat.com

(۲)

مارچ ۱۹۶۶ء کے معارف میں راقم نے ڈاکٹر اطہر عباس رضوی کی مذکورۂ بالا کتاب کے ایک باب پر تبصرہ کیا تھا، اس کی اشاعت کے بعد ہندوستان و پاکستان کے مختلف حصوں سے خطوط آئے کہ اس تنقید کا سلسلہ جاری رہے۔ اسی اثنا میں جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری الہ آبادی نے بھی اس کتاب پر تبصرہ کیا، اس سے اور بھی اندازہ ہوا ہوگا کہ پروفیسر حبیب نے جس کتاب کو علمی اور تحقیقی دنیا کے آسمان پر رکھنے کی کوشش کی ہے، اس کی اندرونی حقیقت کیا ہے، یہ کتاب ڈی۔ لٹ کا محض ایک مقالہ ہوتی تو زیادہ قابل توجہ نہ ہوتی، کیونکہ آج کل پی، ایچ، ڈی اور ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے سلسلہ میں معلوم نہیں کیا کچھ لکھا جا رہا ہے، لیکن جیسا کہ پہلے مضمون میں کہا جا چکا ہے کہ پروفیسر محمد حبیب کے پیش لفظ سے جو غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں، اس بنا پر اس کتاب کی نوعیت بدل گئی ہے۔ اسی لیے اس مضمون میں کتاب کا مزید تجزیہ کیا جا رہا ہے۔

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اس کتاب کے لکھنے کا اصل مقصد تو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلاف ذاتی غصہ، اشتعال اور تکدّر کا اظہار کرنا ہے، اس سلسلہ میں مصنف نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے متعلق جو ناشایستہ، ناروا اور نامناسب الفاظ استعمال کیے ہیں، ان کی تفصیل آگے چل کر آئے گی، اور گو انہوں نے اپنے کو غیر جانبدار اور غیر متعصب اہل قلم ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کی سند بھی پروفیسر حبیب اور اپنے دوسرے ممتحنوں سے لے لی ہے لیکن فرقہ واریت کے خلاف ہونے کے باوجود ان کی کتاب کی سطروں کے

Marfat.com

درمیان ان کا جو فرقہ وارانہ رنگ ظاہر ہوتا ہے، اس کا اندازہ وہ ناظرین کر سکتے ہیں جو اُن کی کتاب کا بہت غور سے مطالعہ کریں گے، بظاہر مصنف نے اپنی تحقیقات کا ایک بڑا طومار باندھ لیا ہے لیکن اس میں جو غلط اور گمراہ کن تحقیقات پیش کی گئی ہیں، ان کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس کے نہ صرف ہر باب بلکہ ہر صفحہ کی ہر سطر کا جائزہ لیا جائے، گزشتہ مضمون میں ایک باب کا تبصرہ ۳۲ صفحے میں ختم ہوا تھا، اس لحاظ سے دس ابواب کا الگ الگ تبصرہ معلوم نہیں کتنے صفحات میں ختم ہو، لیکن خیال ہوا کہ ایسی ناقص کتاب پر اتنا لمبا تبصرہ محض تضییع اوقات ہوگا، اس لیے اب عمومی تبصرہ پر اکتفا کرنے کی کوشش کی جائیگی۔

باضابطہ شمار کرنے سے معلوم ہوا کہ مصنف نے اپنی کتاب میں تقریباً ۴۳۲۷ سطروں کے حواشی لکھے ہیں، یہ سطریں خفی ہیں، جو متن کی جلی سطروں کی دوگنی ہیں، یعنی ۸۷۴۸ سطریں ہوں گی، متن میں جہاں حواشی نہیں ہیں، اس کے ایک صفحہ پر ۴۰ سطریں آئی ہیں، اس طرح ۸۷۴۸ سطروں کے ۲۱۸ صفحے ہوتے ہیں، کل کتاب، کتابیات اور انڈکس وغیرہ چھوڑ کر ۴۲۷ صفحے پر مشتمل ہے، اس طرح حواشی کے ۲۱۸ صفحے نکال دیے جائیں تو اصل کتاب ۲۰۹ صفحے کی رہ جاتی ہے، ان ۲۰۹ صفحوں میں ۶ صفحے تمہید کے ہیں، جو کتاب کے اصل موضوع سے بالکل بے تعلق ہیں، اس میں تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں صدی عیسوی کے صوفیانہ خیالات و رجحانات کا بظاہر ایک خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے ان خیالات و رجحانات کا تعلق مہدویت، مجددیت اور احیائے دین اسلام سے کیا ہے، وہ پڑھنے والے پر تو ظاہر ہوتا ہے، البتہ ان کی آنکھوں پر مقالہ نگار اور ان کے فاضل ممتحنوں کی عینکیں چڑھ جائیں تو شاید کوئی تعلق پیدا ہو جائے، اور جب ایسے ہی تعلق پیدا کرنا تھا تو پھر تمام اسلامی ممالک کی مذہبی تحریکات کا بھی سیر حاصل جائزہ لینا تھا، اس طرح مقالہ کی ضخامت کچھ اور بڑھ جاتی، اب ۲۰۹ صفحے کی تمہید کو محض ڈی لٹ کے مقالہ کی خانہ پری قرار

Marfat.com

دیجائے تو اصل متن ۲۱۲ کا رہ جاتا ہے، ان ۲۱۲ صفحوں میں دوسو برس یعنی سولہویں اور سترہویں صدی میں احیائے اسلام کی تحریکوں پر فاضلانہ بحث ہونی چاہیے تھی لیکن تحریکوں پر بحث کی بجائے مصنف کے نزدیک جو ان تحریکوں میں پیش پیش رہے ہیں، انہی کے تذکرے زیادہ ہیں، اور ان کے ساتھ اور بھی غیر ضروری افراد کا ذکر آ گیا ہے، جیسا کہ حسب ذیل تفصیلات سے اندازہ ہوگا۔

تمہید کے بعد جو بات ہے، اس میں سید محمد جونپوری سے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے، اس کے بعد کے تیسرے باب میں سید محمود (۱۰۷) سید محمد خوندمیر (۱۱۰۔۱۰۷) بندگی میاں شاہ لاہور (۱۱۱) بندگی میاں مالک، بندگی شاہ عبدالماجد نوری (۱۱۲) بندگی ملک معروف (۱۱۲) بندگی میاں یوسف (۱۱۲) بندگی شاہ امین محمد (۱۱۳) بندگی ملک الہ داد (۱۱۳) بندگی ملک سجاوندی (۱۱۳) بندگی میاں سیخ عبدالرشید (۱۱۴) میاں مصطفےٰ گجراتی (ص ۱۱۷) قاضی شیخ محمد اوچی (۱۲۰) شیخ صدرالدین (۱۲۰) میاں ابوبکر (۱۲۰) شیخ جہندہ پٹنی (۱۲۱) شیخ عبداللہ نیازی (ص ۱۲۲) شیخ علائی (ص ۱۲۴) کے تذکرے ملیں گے، جو سب کے سب مہدوی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں، مصنف نے ان کو بھی احیائے دین اسلام کے علمبرداروں میں شمار کیا ہے، حالانکہ جمہور اسلام نے ان سے تبری کا اظہار کیا ہے، چوتھے باب میں شیخ علی متقی (ص ۱۴۲۔۱۳۶) شیخ محمد بن طاہر (۱۴۳) شیخ عبدالوہاب متقی (ص ۱۴۸۔۱۴۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (ص ۱۷۵۔۱۴۸) کے حالات زندگی ہیں، اور یہ سب کے سب مہدویت کے مخالف ہیں، جن کا اعتراف مصنف کو بھی ہے، لیکن ان کو بھی مھدویوں ہی کے ساتھ لا کھڑا کیا گیا ہے۔ پانچویں باب میں نقشبندیہ سلسلہ کے بزرگوں میں خواجہ عبدالخالق (ص ۱۷۶) خواجہ عبیداللہ احرار (۱۷۲۔۱۷۳) خواجہ خوند محمود (ص ۱۸۵۔۱۸۲) خواجہ باقی باللہ (۱۹۳۔۱۸۵) خواجہ حسام الدین ۱۹۸۔۱۹۳) شیخ تاج

Marfat.com

(ص ۱۹۸) کے تذکرے ہیں۔ چھٹے باب میں ''حضرت مجدد الف ثانی کی احیائی کوششوں'' کے عنوان سے ایک باب ہے، جس میں شیخ بخاری (ص ۲۲۹۔۲۱۶) لالہ بیگ کابلی (ص ۲۳۰۔۳۳۸) میران صدر جہاں (ص ۳۳۔۲۳۰) خان اعظم مرزا کوکہ (ص ۳۶۔۲۳۳) محمد قلیچ خاں (ص ۳۷۔۲۳۶) خواجہ جہاں (ص ۳۹۔۲۳۷) خانخانان اور داراب خاں (ص ۴۱۔۲۳۹) میر محمد نعمان ص ۲۴۱) حکیم فتح اللہ گیلانی (۲۴۳) کے حالات زندگی کے تاریخی تجزیے بھی شامل ہیں، مجددیوں کا استقبال (The Reception of Majaddids) کے عنوان سے ساتواں باب ہے جس میں تقریباً دس صفحے (۳۲۲۔۳۱۳) قاضی نور اللہ شوستری سے متعلق ہیں۔ اسی باب میں میاں میر (ص ۲۶۔۳۲۴) اور گوسائیں جدروپ (۲۹۔۳۲۶) کا بھی ذکر خیر ہے۔ آٹھویں باب کا عنوان سترہویں صدی میں وحدت الوجود اور ثقافتی میل جول ہے، اس میں خواجہ عبدلالہ خواجہ کلاں (ص ۳۳۱) خواجہ خورد (۳۳۳) شیخ محبّ اللہ الہ آبادی (ص ۳۳۴) میاں میر (ص ۳۶۹) سرمد (ص ۳۵۱۔۳۴۴) داراشکوہ (ص ۳۶۴۔۳۵۱) شیخ نعمت اللہ (ص ۳۶۹) شیخ برہان (۳۷۰) سید سعد اللہ (ص ۳۷۳) سے متعلق مفید معلومات ملیں گی، نویں باب کا عنوان مجدد کے جانشین ہیں، جس میں خواجہ محمد صادق (ص ۔۳۷۶۷۸) خواجہ محمد سعید (۸۰۔۳۷۸) خواجہ محمد معصوم (ص ۱۸۸۔۳۸۱) شیخ آدم بنوری (ص ۳۸۴) وغیرہ کے تذکرے ہیں، آخری باب میں مصنف کے اپنے تاثرات ہیں۔

مذکورۂ بالا بزرگان دین اور افراد کی تفصیلات کے مطالعہ کے بعد یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ تصنیف اصل موضوع سے ہٹ کر محض تذکرہ و تراجم کی ایک کتاب ہوگئی ہے جس میں مصنف نے تحقیقاتی کرتب خوب دکھائے ہیں، جوڈی لٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے تو بہت خوب ہے، لیکن جس مصنف کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے بھی اونچے درجہ کا پایہ دیا

Marfat.com

گیا ہے،......اس کے لیے تحقیقات کی یہ اچھل کود کسی لحاظ سے بھی زیبا نہیں، اب اس تذکرہ وتراجم کے سلسلہ میں جو غیر ضروری باتیں آ گئی ہیں، ان کو حذف کر دیا جائے تو اصل مقالہ مشکل سے ڈیڑھ سو صفحے کا رہ جاتا ہے، ان میں بھی آخری باب میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ گذشتہ ابواب کا محض خلاصہ ہے، اس کو بھی ڈی لٹ کے مقالہ کے بھرتی کے اوراق سمجھنا چاہیے جس کے بعد اصل موضوع کی ضخامت اور بھی کم ہو جاتی ہے۔

کتاب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں سے پانچ سات ابواب کے اوراق پھٹ کر علیحدہ ہو جائیں تو ناظرین کو احساس نہ ہونے پائے گا کہ اس میں سے کچھ ابواب غائب ہو گئے ہیں، پھر مزہ یہ کہ کتاب کے موضوع سے مصنف کی تحقیقات اور تحریروں کو کوئی لگاؤ ہو یا نہ ہو لیکن مصنف اپنی تمام تحقیقات اور تحریروں میں کوئی نہ کوئی ربط پیدا کر دیتے ہیں، جس طرح غزل کی بے ربطی ہی میں ہم آہنگی ڈھونڈ لی جاتی ہے اسی طرح مصنف نے خود اپنی نیرنگی میں یکرنگی پیدا کر لی ہے، اور جس طرح غزل کے جمالیاتی تصورات میں غزل کے تضاد میں وحدت پیدا ہوتی ہے، اسی طرح اس کتاب کے مصنف کے تحقیقات میں ان کے ذاتی خیالات وجذبات کی جو ہمہ رنگی ہے، وہ اس کے بے رنگی کو دور کرتی ہے، موضوع سے ہر رطب ویابس کا جوڑ ملانے کا وصف مصنف کو اس خاص وحدت الوجود کے مطالعہ ہی سے حاصل ہو سکا ہے، جو اسلامی تصوف کے بجائے ان کے ذہن میں ہے، پوری کتاب کو مصنف کے چھوٹے بڑے مضامین کا ایک متنوع مجموعہ کہا جا سکتا ہے، جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں کے ناواقف اور بے خبر مستشرقین کے لیے تو قابل مطالعہ ہو سکتا ہے، لیکن ہندوستان کے اندر کتاب کو پڑھتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم کو تحقیقات کی دیدہ بندی کے پر فریب تماشے سے محو حیرت بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

Marfat.com

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

(غالب)

موضوع سے متعلق یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ احیائے دین کے سلسلہ میں مُصنف کا معیار کیا ہے، پہلے ذکر آیا ہے کہ وہ سید محمد جونپوری کو احیائے دین اسلام کا علمبردار قرار دیتے ہیں اور ان کے مخالفین شیخ علی متقی (۱۲۵) شیخ محمد طاہر پٹنی (ص ۱۴۳) اور شیخ عبدالوہاب متقی (ص ۱۴۴) کو محرک و مجدد دین اسلام قرار دے کر، ان کا ذکر خیر کرتے ہیں، ان کے نزدیک جو علماء اور صوفیہ بھی راسخ العقیدہ اور شریعت کے پابند ہوئے، وہ مجددین میں شمار کیے جانے کے لائق ہیں، اگر یہی معیار ہے، تو پھر سولہویں اور سترہویں صدی میں بے شمار ایسے علماء اور صوفیہ گذرے ہیں، جن کا ذکر ان کی کتاب میں آنا چاہئے تھا۔ بلکہ اس زمانہ کے مسلمانوں کی اکثریت کو بھی مجددین میں شمار کر لینا چاہیے تھا، کیونکہ مصنف اس کو تسلیم نہ کریں۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ ہر زمانہ میں مسلمانوں کی اکثریت راسخ العقیدگی اور شریعت کا احترام کرتی رہی۔

مصنف نے جن بزرگوں کو تجدید دین اور احیائے اسلام کے علمبرداروں میں شمار کیا ہے، وہ دراصل اسلام کے بنیادی تصورات اور اسلامی زندگی کے پاکیزہ نمونے تھے، جن کو اپنے مجدد اور حیائے دین کے علمبردار ہونے کا احساس بھی نہیں ہوا، مصنف نے ان کو پیش کرنے میں بھی عجیب و غریب طریقہ اختیار کیا ہے، مثلاً شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حالات جو بیس پچیس صفحات پر مشتمل ہیں اگر یہ علیحدہ مضمون کی صورت میں کسی کانفرنس میں پڑھا جاتا تو مصنف کو ضرور داد ملتی، لیکن اس کتاب کا جو موضوع ہے، اس لحاظ سے ناظرین کو شیخ عبدالحق کے خاندان اور ان کی زندگی کی جزوی تفصیلات معلوم کرنے کی بالکل خواہش

Marfat.com

نہیں ہوتی، وہ صرف ان کے ایسے علمی اور مذہبی کارناموں کو جاننا چاہتے ہیں جن سے احیائے دین میں مدد ملی، مصنف نے اپنے خیال میں شیخ عبدالحق سے متعلق معلومات کے ڈھیر لگا دیے ہیں، لیکن جب شیخ عبدالحق کے علمی کارناموں کی تفصیلات لکھنے کا موقع آیا ہے تو مصنف نے ان کے کارناموں کو برٹش میوزیم کے کیٹلا گراتھے یا خدابخش خاں اورنیٹل لائبریری بانکی پور کے کیٹلاگ یا ڈاکٹر زبید احمد کی Contribution of India to Arabic Literature یا W.m Theodre De Bary کی Sources of Indian Tradition کے ذریعہ سے سمجھ کر اپنے ناظرین کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔(ص ۱۷۱)

''مذہبی علوم کا احیا کیا گیا'' کے عنوان سے جو باب ہے اس میں ان علماء وفضلاء کا ذکر آنا چاہیے تھا جنہوں نے سولہویں اور سترہویں صدی میں مذہبی علوم کا احیاء کیا، لیکن مصنف نے شیخ علی متقی، شیخ محمد بن طاہر، شیخ عبدالوہاب متقی اور شیخ عبدالحق دہلوی جیسے چار علماء کا ذکر کر کے اس باب کو ختم کر دیا ہے، اور یہ شاید اس لیے کہ ان کے سامنے پروفیسر خلیق احمد نظامی کی کتاب حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی تھی، اس میں ان کو جن علماء کے نام مل گئے، اُن ہی پر کچھ ترمیم واضافہ کے ساتھ لکھنے پر اکتفا کر لیا ہے، مصنف نے خلیق احمد نظامی صاحب کی تحقیقات پر جا بجا چھینٹے ڈال کر اپنے کو بحرالتحقیق دکھانے کی ضرور کوشش کی ہے مگر اہل نظر یہ کہنے میں تامل نہ کریں گے کہ مصنف کا چوتھا باب زیادہ تر پروفیسر خلیق احمد کی مذکورہ، بالا کتاب کا ماہرانہ سرقہ ہے، خصوصاً شیخ عبدالحق محدث دہلوی پر انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اُس کا بڑا حصہ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی سراسر خوشہ چینی ہے۔

مصنف کے مذکورۂ بالا چار علماء کے علاوہ سولہویں اور ستریں صدی میں بہت سے ایسے علماء گذرے ہیں جن کی تعلیمی، علمی اور فکری سرگرمیوں سے مسلمانوں کی مذہبی زندگی میں

Marfat.com

تابنا کی پیدا ہوتی رہی منتخب التواریخ، آئین اکبری، مآثر رحیمی اور اخبار الاخیار میں ایسے علماء کے نام کا انتخاب کیا جاسکتا تھا، مصنف نے آٹھویں باب میں عالمگیری عہد کے بزرگان دین میں شیخ نعمت اللہ، شیخ برہان، سید سعد اللہ اور شیخ بایزید، شیخ محمد وارث، سید حسن رسول نما، میر نصیر الدین ہروی وغیرہ کو وحدت الوجود کے علمبرداروں میں شمار کر کے ان کا ذکر تو بہت لطف ولذت سے کیا ہے، لیکن عالمگیری عہد ہی میں جن علماء نے فتاوی عالمگیری کی تدوین کی، اُن کو بالکل نظر انداز کر دینے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، حالانکہ سترہویں صدی میں یہ عالم اسلام ایک بڑا شاہکار ہے۔ جس کی تدوین کا فخر ہندوستان ہی کو حاصل ہوا، اور اس کے فیوض کا سرچشمہ اب تک جاری ہے، اور جب اس کی ترتیب وتدوین ہوئی، تو یہ کتاب زبان حال سے ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی زندگی کو از سر نو سنوارنے کے سلسلہ میں کہہ رہی تھی۔

کار این است غیر ایں ہمہ ہیچ

مصنف نے بھی اس کو Menumental work (معرکہ کی تصنیف) کہا ہے، لیکن اس کی اہمیت یہ لکھ کر زائل کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ صرف قاضیوں اور مفتیوں کی رہنمائی کے لیے تھی (ص ۴۱۰-۱۱)۔ ان کو یہی لکھنا بھی چاہیے تھا، کیونکہ اس کی اہمیت کو سمجھنا ان کے بس کی بات نہ تھی، اور اگر وہ سمجھ جاتے تو خود ان کو معلوم ہوتا کہ انہوں نے اپنے مقالہ کی بنیاد قائم کر کے اس پر جو عمارت کھڑی کی ہے، وہ کس قدر ہوائی ہے۔

مصنف کے نزدیک یوگ اور اودیتا ویدانت کا مطالعہ کرنا (ص ۶۳) امرت کنڈ کا فارسی میں ترجمہ کیا جانا (ص ۲۸) حقایق ہندی (ص ۶۱) مراۃ المخلوقات (۳۵۴) مجمع البحرین (ص ۳۵۴) سر اکبر (ص ۳۶۰) تحفۃ الہند (ص ۳۶۴) پری جاتک (ص ۳۶۵) وغیرہ کا لکھا جانا تو بڑے اہم علمی اور ثقافتی کارنامے ہیں لیکن معلوم نہیں فتاوی عالمگیری کی تدوین کے سلسلے میں ان کی تحریر کیوں گھٹی سی ہوگئی ہے۔

Marfat.com

آٹھویں باب میں سترہویں صدی وحدت الوجود اور ثقافتی میل جول کے عنوان سے جو باب لکھا ہے اس میں سرمد کی وسیع المشربی، میاں میر اور ملا شاہ کے صوفیانہ رجحانات، عبدالرحمٰن چشتی کے مراۃ المخلوقات داراشکوہ کی علمی سرگرمیوں، مرزا محمد بن فخر الدین کی تحفۃ الہند کے مباحث کے سلسلہ میں جو کچھ قلمبند کیا گیا ہے اُس میں سینما کی متحرک رنگین تصویروں کی طرح بڑی، رنگا رنگی ہے، اس باب کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ سترہویں صدی میں راسخ العقیدگی، شریعت کی پابندی اور اسلامی تعلیمات کا اگر احترام تھا تو بس یونہی سا تھا، مصنف نے اپنے ناظرین پر یہ اثر ڈالنے کی کوشش کی ہے کہ علماء اور صوفیہ کی رسمی نمازوں، عبادتوں اور گفتگوؤں کا مذاق اڑایا جاتا (ص ۳۴۳) ملاؤں کی تضحیک ہوتی (ص ۳۴۵) داراشکوہ کی وسیع المشربی قابل قدر چیز رہی، مصنف کی ان تحریروں میں کبریٰ اور صغریٰ کا پتہ ملے یا نہ ملے، لیکن وہ ناظرین کو اپنے مطلب کے اس منطقی نتیجہ کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ اس صدی میں مسلمان شیخ شرف الدین یحییٰ منیری، شیخ امان پانی پتی، میاں میر شاہ محبّ اللہ الہ آبادی اور ملا شاہ سے زیادہ متاثر رہے، مجدد اور ان کے متعصب مقلدوں کی مقبولیت مسلمانوں کے ایک چھوٹے حلقہ تک محدود رہی جو مذہبی مجنونوں اور متعصب ملاؤں پر مشتمل اور خیالی خوف اور خطرات میں مبتلا تھا۔ (ص ۳۷۵)

اسی چوتھے باب میں مصنف نے شیخ امان پانی پتی کے ذکر میں ان کو وحدت الوجود کا زبردست حامی بتایا ہے، حواشی (ص ۱۵۱) میں اخبار الاخیار سے ان کے حالات کا ایک لمبا اقتباس دیا ہے جس کو پڑھ کر دھوکا ہوتا ہے کہ اخبار الاخیار کا لفظی ترجمہ ہوگا، لیکن مصنف نے اس میں سے بہت سے جملوں اور فقروں کو قصداً خذف کر دیا ہے، مصنف کے اقتباس کا آخری ٹکڑا یہ ہے:

Marfat.com

The love of Prophet Mohammads family was the chief articale of his faith. If the children of saiyyids happened to pass by the place where hetectured he would stand up to show reverence.

اخبار الاخیار کی اصلی عبارت ہے:

''فرمودی سرمایہ درویشی پیش ما دو چیز است، تہذیب اخلاق ومحبت خاندان پیغمبر ﷺ، فرمودی کہ علامت کمال محبت آنست کہ از محبوب بمتعلقان اوتجاوز کند پس علامت کمال محبت آں باشد کہ بمحبت او متابعت پیغمبر کند وعلامت محبت پیغمبر آنکہ محبت اہل بیت اوسرایت کند نقل است کہ اگر دروقت درس از طفلان سادات بازی کناں دراں کوچہ می رسیدند او کتاب در دست گرفتے وبایستادی مادام کہ ایشان ایستادہ بودندے اورا مجال نشستن نہ بودے۔'' (ص۲۲۶)

اس اقتباس کا ایک بہت ہی اہم جملہ یہ تھا جس کو مصنف نے اپنے ترجمہ میں بالکل حذف کر دیا ہے۔

''پس علامت کمال محبت آں باشد کہ بہ محبت او متابعت پیغمبر کند......''

اخبار الاخیار کے اردو مترجم نے اس جملہ کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کامل محبت کی علامت یہ ہے کہ اس کی محبت میں رسول اکرم ﷺ کی پیروی کرے (ص۴۱۴) مصنف نے اس جملہ کے ترجمہ سے کیوں گریز کیا ہے؟ کیا اس لیے کہ اگر وہ اس جملہ کا ترجمہ کر دیتے تو متابعت رسول سے مراد پابندی شریعت ہو جاتی، پھر ان کا یہ دعویٰ برقرار نہیں رہتا کہ وحدت الوجود کے حامی، شریعت کی پابندی سے بے نیاز ہوتے ہیں، اب جبکہ

Marfat.com

اخبار الاخیار جیسے مستند تذکرہ سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ شیخ امان پانی پتی متابعت پیغمبر پر بڑا زور دیتے تھے پھر مصنف کو حضرت امان پانی پتی کو احیائے دین کے علمبرداروں ہی میں لا کھڑا کر دینا چاہیے تھا اور ان پر بھی تعصب، تنگ نظری اور فرقہ وایت کا الزام رکھنا چاہیے تھا۔

مصنف کی پوری کتاب کی بنیاد یہ ہے کہ جو علماء اور صوفیہ وحدت الوجود کے حامی رہے، وہ راسخ العقیدگی سے بے نیاز ہو کر رواداری، انتخابیت پسندی (electics) صلح کل، انسانیت پسندی، ہم وجودیت (Co-existence) کے علمبردار اور تمام مذاہب کے بنیادی اتحاد کے قائل تھے، ان کے نزدیک مومن، کافر، جنت و دوزخ، ثواب و عذاب ایک بیہودہ چیز تھی، (ص ۴۶۷۔ ۴۱۰۔ ۳۷۰۔ ۳۴۲۔ ۶۶) اور جو علماء اور صوفیہ راسخ العقیدہ اور شریعت پسند تھے، ان میں تعصب، تنگ نظری، فرقہ واریت اور رجعت پسندی تھی۔ (۴۲۱۔ ۴۱۴۔ ۲۱۴،۲۳۰۔ ۱۷۴۔ ۶۶)

مصنف کے بیان کے مطابق اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وحدت الوجود اور راسخ العقیدگی دو متضاد چیزیں ہیں تو پھر اسی نتیجہ پر پہنچنا پڑے گا کہ حضرت شرف الدین یحیٰ منیری، حضرت اشرف جہانگیر سمنانی اور حضرت عبدالقدوس گنگوہی، شیخ امان پانی پتی حضرت شاہ عبدالرحیم، شاہ محب اللہ الہ آبادی، جو وحدت الوجود کے قائل تھے، نعوذ باللہ، راسخ العقیدہ (orthodox) مسلمان اور پابند شریعت نہ تھے، اور وہ بھی اکبر اور دارا شکوہ کی طرح انتخابیت پسند اور وحدت ادیان کے قائل تھے، اس سے بڑھ کر ان بزرگان دین پر اور کیا بہتان ہو سکتا ہے۔

اور پھر مصنف کے بیان کے مطابق نہ صرف حضرت مجدد الف ثانی اور تمام مجددی بلکہ شیخ علی متقی۔ شیخ محمد بن طاہر، شیخ عبدالوہاب متقی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ان ہی جیسے تمام بزرگان دین فرقہ پرست اور رجعت پسند تھے، گویا وہ اپنے وقت کے

Marfat.com

ڈاکٹر مونجے، گوڈسے اور ساورکر تھے، اسی کو مسلمانوں کی مذہبی اور علمی زندگی کی مٹی پلید کرنا کہتے ہیں۔

تعجب ہے کہ مصنف نے جہاں یہ لکھا ہے کہ ''سترہویں صدی میں مسلمان شیخ شرف الدین یحییٰ منیری، شیخ امان پانی پتی، میاں میر، شاہ محبّ اللہ الہ آبادی اور ملا شاہ سے متاثر رہے''، وہاں اس فہرست میں داراشکوہ اور حضرت سرمد کے نام چھوڑ دیے ہیں، پہلے کہا جاچکا ہے کہ مصنف نے حضرت شرف الدین یحییٰ منیری کا اگر واقعی گہرا مطالعہ کیا ہوتا تو ان کو حضرت مجدد الف ثانی سے جو الجھن ہے وہی حضرت شرف الدین یحییٰ منیری کی تعلیمات سے پیدا ہو جاتی اور ان کو شاہ میر اور ملا شاہ کی صف میں لا نہ کھڑا کرتے، اسی طرح گذشتہ سطور میں حضرت امان پانی پتی کی محبت رسول اور متابعت رسول کا ذکر آچکا ہے، اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عبدالحق محدث دہلوی جیسے رجعت پسند اور متعصب عالم کی علمی اور روحانی سرگرمیاں بڑی حد تک حضرت امان پانی پتی کی تعلیمات کی رہین منت ہیں تو کیا مصنف اس کو تسلیم کریں گے؟ مصنف اخبار الاخیار کا گہرا مطالعہ کریں، تو ان کو اسی نتیجہ پر پہنچنا پڑے گا لیکن وہ تو تمام ماخذوں سے سیاق و سباق کو نظر انداز کر کے صرف اپنے مطلب کی باتیں حاصل کرنے میں ماہر ہیں اسی طرح شیخ محبّ اللہ الہ آبادی کے علوم باطن کی طرف تو مصنف کی نظر گئی، لیکن ان کا علوم ظاہر میں جو درجہ تھا اس کا مطالعہ انہوں نے مطلق نہیں کیا، اگر مصنف کا یہ خیال ہے کہ شیخ محبّ اللہ الہ آبادی وحدت الوجود کے حامی ہونے کی وجہ سے راسخ العقیدگی اور پابندی شریعت سے بے نیاز ہو کر کفر و ایمان اور جنت و دوزخ کی تفریق کے قائل نہ تھا، تو یہ سراسر ایک عالم دین ہی نہیں، بلکہ علوم ظاہر و باطن کے ''ایک سرخیل امثال (تذکرہ علمائے ہند ص ۱۷۵) پر بہتان ہے۔

اور اگر ہم مصنف کے بیان کی روشنی میں یہ تسلیم کرلیں کر سترہویں صدی میں

Marfat.com

مسلمان میاں میر اور ملا شاہ سے متاثر رہے تو پھر یہ یقین کرنا پڑے گا کہ حضرت عبدالحق محدث دہلوی، حضرت خواجہ باقی باللہ اور ان کے تمام نقشبندی خلفاء کے علمی، دینی اور روحانی کمالات رائیگاں ہو کر رہ گئے، گو مصنف نے ہم کو یہ بھی بتایا ہے کہ سترہویں صدی میں شیخ محمد پٹنی، شیخ عبدالوہاب متقی اور ان کے شاگردوں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مذہبی علوم خصوصاً حدیث شریعت، سنت اور اسلام کی خرافاتی شان و شوکت کی بحالی کے لیے ایک صدی تک انتھک کوشش کی (ص ۱۳۵) لیکن ان کے خیال میں یہ انتھک کوشش شورش بے مدعا ہو کر رہ گئی، اور وہ شاید خوش ہیں کہ اسلام کی شان و شوکت جس کو انہوں نے خرافاتی قرار دیا ہے بحال نہ ہو سکی۔ اور وہ بار بار اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اورنگزیب جیسے حکمراں کی لمبی حکومت کے زمانے میں بھی وحدت الوجود کے حامیوں اور رواداراور انتخابیت پسند صوفیوں کے اثرات جاری رہے (ص ۳۷۲۔۳۷۰) مصنف کے اس دعوی کے بعد مآثر عالمگیری کا یہ بیان بھی صریحاً غلط ثابت ہو جاتا ہے۔

> حضرت (یعنی عالمگیر) کی توجہ باطن اور فیض مواطن سے دین حنیف اور ملت حنیف کو ہندوستان کے سواد اعظم میں قوت ملی اور اس کا رواج اس طرح ہوا کہ پہلے کے فرمانرواؤں میں ایسی صورت حال نہ تھی۔ (ص ۵۲۸)

اور ہمارے مصنف کے دعویٰ کے ساتھ ان تمام ہندو مورخین کا بیان بھی سراپا غلط ہو جاتا ہے جو یہ لکھتے لکھتے نہیں تھکتے کہ اورنگزیب کا عہد رجعت پسندی اور تنگ نظری کا عہد تھا۔

مصنف نے جس مشقت سے آٹھواں باب لکھا ہے، اگر اسی محنت، ریاضت اور مشقت سے کام لیکر سترہویں صدی کی رندی، سرمستی، شراب نوشی، عیاشی، بوالہوسی، جوئے بازی، رشوت ستانی اور دوسرے مذہبی، معاشرتی اور اخلاقی جرائم کی تحقیقات کرتے تو ان

Marfat.com

کوشاید اتنا مواد مل جاتا کہ ان کو اس نتیجہ پر پہنچنے میں کوئی مشکل نہ ہوتی کہ ہندوستان میں اس صدی میں نہ تو اسلام، نہ تصوف نہ ہندومت اور نہ عام اخلاق کا کوئی اثر تھا، بلکہ پورا ملک گمراہی، ضلالت اور فسق وفجور میں مبتلا رہا، اور ایک جگہ تو وہ عالمگیری عہد کا ذکر کرتے ہوئے لکھ ہی گئے ہیں کہ بدعنوانی، بداخلاقی اور معصیتیں صرف قاضیوں ہی میں نہ تھیں، بلکہ مسجد کے اماموں میں بھی تھیں، جو بلا پس وپیش بھنگ خانے جایا کرتے تھے (ص۴۱۲) اس کے لیے مصنف نے شاہ ولی اللہ کی تصنیف انفاس العارفین (ص۹۱) کا حوالہ دیا ہے، انفاس العارفین کی اصل عبارت یہ ہے:

> حضرت ایشان (یعنی شاہ ولی اللہ کے چچا ابوالرضا محمد) دراوائل روزے بعد مراقبہ صبح برخاستند ودر بنگ خانہ رفتہ خاموش نشستند و خواستند کہ کیفیت ظہور عصمت حق راتماشا کند، ہرگاہ بنگ فروش قدمے سوے ایشاں می آورد کسے از اہل مجلس دستش می گرفت کہ ایں شخص رامدہ چند نوبت ہمیں صورت واقع شد بعدازاں وقت نماز درآمدو خاطر ایشاں مضطرب شداما ضبط کردہ نشستہ ماندند، امام مسجدے کہ درحوالی آں موضوع بود چوں دے نیز بشرب بنگ ارتکاب داشت برخاست و دست ایشان رامحکم گرفت وہرچند ابا کردند، نگذاشت اوکشاں کشاں مسجد برد، وآب وضو حاضر کرد، وایشاں راامام ساخت ازاں باز خاطر ایشاں مطمئن شد کہ ایں عفت وتقویٰ امریست معلوم کہ خواہی یانخواہی ایشاں رابراں می دارند بغیر اختیار ایشاں۔ (ص۹۱)

یہ روایت جس مقصد سے لکھی گئی ہے وہ تو مصنف کی سمجھ میں نہیں آئی، لیکن وہ

Marfat.com

بلا تکلف لکھ گئے:

Imams of masquestoo...... visited hemp

saloons without he sitation

اصل عبارت میں تو ''امام مسجدے'' مرقوم ہے، مصنف نے اس ایک مثال سے Imams of the mosque لکھ کر اس زمانہ کے تمام اماموں کو موردالزام قرار دیا ہے، حالانکہ وہ خود اپنی کتاب میں اتفاقی یا اکادکا واقعہ (Stray Incident) سے عمومی بات کہنے یا لکھنے کو سطحی مشاہدہ سمجھتے ہیں۔ (ص ۳۱۳)

انفاس العارفین کی مدد سے حضرت شاہ ولی اللہ کے چچا حضرت شیخ ابوالرضا، کو جس طرح پیش کیا گیا ہے وہ مصنف کی مزید فریب کاریوں کی ایک بڑی مثال ہے، وہ لکھتے ہیں:

Abu Reza Mohammad a saint of strong

pantheistic beliefs appears to heve

possessed considerable influence over

his contemporaries

''ابوالرضا محمد وحدت الوجود کے سخت عقائد والے بزرگ تھے، وہ

اپنے معاصرین پر بڑے اثرات رکھتے تھے۔''

اس کے لیے بھی انفاس العارفین ہی کا حوالہ دیا گیا ہے لیکن خود شاہ ولی اللہ نے ان کے حالات کی ابتدا ان الفاظ میں کی ہے:

عم بزرگوار عالی مقدار پیشوائے اہل ذوق و وجود وامام ارباب معرفت وشہود......

شاہ ولی اللہ ان کو جہاں وحدت الوجود کا پیشوا کہتے ہیں، وہاں ان کو امام ارباب معرفت وشہود لکھتے ہیں، لیکن مصنف کے خیال میں وجود وشہود دو متضاد چیزیں ہیں۔ وہ وجود

Marfat.com

کے علمبرداروں کو اچھا اور شہود کے حامیوں کو برا بتاتے ہیں۔ وہ چاہے کچھ سمجھیں، شیخ ابوالرضاء کو وحدت الوجود کا حامی بنا کر دارا شکوہ وغیرہ کی صف میں لا کھڑا کرنا محض ان کی اپج ہے، اور مصنف کے نزدیک تو وحدت الوجود کے ماننے والے شرک اور کفر کی تفریق سے بالاتر ہوتے ہیں، اور وہ شریعت کی پابندی سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ لیکن شیخ ابوالرضا، تمام جزوی باتوں میں اتباع سنت کا اتنا لحاظ رکھتے تھے کہ اسی انفاس العارفین میں ہے کہ جب وہ مسجد جاتے تو مسجد کے نزدیک پہنچ کر کھڑے ہو جاتے، پہلے بایاں پاؤں جوتے سے نکالتے پھر دایاں پاؤں بڑھا کر مسجد میں داخل ہوتے (ص ۹۳) اسی انفاس العارفین میں یہ بھی ہے کہ شیخ ابوالرضا نے فرمایا کہ

> کذب اقوال آنست کہ قول مخالف شریعت گوید و کذب در افعال آنست کہ فعل مخالف شریعت کند و کذب در احوال آنست کہ متلون شود از حالی بحالی زیرا کہ صدق حال ہماں شہود است (ص ۱۰۷)

اسی انفاس العارفین میں شرک (۱۰۲) اور کفر صریح (۱۱۶) پر بھی شیخ ابوالرضا کے ملفوظات ملیں گے مصنف نے اپنے مطلب کی خاطر کفر، شرک، اور کفار جیسے الفاظ کو جو شیخ ابوالرضاء کے حالات زندگی کے سلسلہ میں استعمال کیے گئے ہیں، بالکل ہی نظر انداز کر دیا ہے، مثلاً وہ لکھتے ہیں:

> At the time of the uprising of satnamis which have taken ugly turn Shaikh Abu Rizaallegedlg apredicted the victory of the emperil forces.

Marfat.com

حالانکہ اس سلسلہ میں انفاس العارفین میں شیخ ابوالرضا کی زبانی یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں، فرمودند فتح مسلمین واقع شد وکفار بکلی منہزم ومصطلم گشتند (ص۹۰)

مصنف نے مسلمین کا ترجمہ تو (imperial forces) کر دیا ہے اور لفظ کفار کے ترجمہ سے گریز کر گئے ہیں۔

مصنف شیخ ابوالرضا کے بارے میں لکھتے ہیں:

ان کی نگاہوں میں آدمیوں کی دنیاوی حیثیت کا فرق کوئی معنی نہیں رکھتا، وہ امیر وغریب سے یکساں سلوک کرتے، کیونکہ انہوں نے اورنگزیب تک کو بھی اپنے سے ملنے کی اجازت نہیں دی، حالانکہ اس نے اس کے لیے التجائیں کیں۔(ص۳۷۳)

مصنف کے انگریزی کے الفاظ یہ ہیں:

The differcnce in the wordly status of men had no meaning in his eyes, he treated the rich nd poor alike. For he did not allow even Aurangzeb to see him despite the latters entreaties

اس انگریزی کی عبارت میں لفظ "For" جس طرح استعمال کیا گیا ہے اس سے بھی اندازہ ہوگا کہ مصنف کا صغریٰ، کبریٰ کچھ ہوتا ہے اور نتیجہ کچھ اور ہوتا ہے، ان کی عبارت پڑھ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر شیخ ابوالرضا غریب اور امیر سے یکساں سلوک کرتے تو پھر انہوں نے اورنگزیب سے ملنے سے کیوں انکار کیا؟ مصنف نے انفاس العارفین کی اصل عبارت کو بالکل مسخ کر کے پیش کیا ہے، ناظرین اصل عبارت ملاحظہ کریں:

Marfat.com

جماعتے از یاراں ذکر کردند کہ بادشاہ عالمگیر چند بار درخواست کرد کہ حضرت ایشان زیارت کند قبول نہ کردند پیوستہ امراء ومتمولاں درنظر ایشاں محقرمی بودند ہیچ التفات باایشاں دہدایاء ایشاں نمی کردند الا بمبالغۂ تمام واگر غرباء مخلصین چوں کفش دوزاں وطحاناں وغیر ایشاں چہار فلوس یا پنج فلوس ہدیہ می آوردند بدست مبارک خودمی گرفتند۔ (ص ۹۰)

مذکورۂ بالا عبارت سے تو یہ ظاہر ہے کہ شیخ ابوالرضا امیروں اور دولتمندوں سے ملنا پسند نہیں کرتے اور ان کو اپنی نظروں میں حقیر جانتے تھے۔ اسی لیے اورنگزیب سے بھی ملنا پسند نہیں کیا، اس کے مقابلہ میں مخلص غرباء چار پانچ پیسے کے بھی ہدیے لاتے تو دست مبارک میں لیکر قبول کر لیتے، اوپر کی فارسی عبارت سے مصنف کے اس بیان کی تصدیق مطلق نہیں ہوتی کہ وہ امیر وغریب سے یکساں سلوک کرتے۔

مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ ابوالرضا نے شیخ احمد سرہندی کے پوتے شیخ عبدالاحد کو جو خطوط لکھے ہیں۔ ان میں وحدت الوجود کی فوقیت دکھا کر ان کو قائل کرنے کی کوشش کی ہے (ص ۳۷۳) مصنف نے پورے وثوق کے ساتھ اپنے ناظرین کو یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ مجدد کے پوتے انتشار اور اخلاقی بدحالی کے پلیگ میں مبتلا رہے (ص ۴۲۶) اس بیان کے مطابق شیخ احمد سرہندی کے پوتے شیخ عبدالاحد بھی اخلاقی بدحالی کے پلیگ میں مبتلا رہے ہوں گے، پھر شیخ ابوالرضا جیسے بزرگ نے ان سے خط وکتابت کرنی کیوں پسند کی؟ انفاس العارفین میں شیخ عبدالاحد کے مکتوبات کو جس احترام کے ساتھ شائع کیا گیا ہے، اس کے یہ معنی ہیں کہ مجددیوں کے اثرات شاہ ولی اللہ کے زمانہ میں بھی تھے، حالانکہ مصنف کا دعویٰ ہے کہ اورنگزیب کے عہد کے آتے مجددیوں کے اثرات زائل ہو چکے تھے۔ اور یہی نہیں، جس عزت ووقار کے ساتھ شیخ عبدالاحد کا ذکر انفاس العارفین میں

Marfat.com

کیا گیا ہے، وہ شاید مصنف کی نظروں سے نہیں گذرا، شاہ ولی اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب شیخ ابوالرضا کا آخری وقت آیا تو شیخ عبدالاحد ان کی زیارت کو آئے۔ حضرت ابوالرضاء اپنی عادت کے خلاف چٹائی کے سرے پر بیٹھے ہوئے تھے، اور دوسرے لوگ پائین میں تھے، جب شیخ ابوالرضاء نے شیخ عبدالاحد کو دیکھا تو تبسم فرمایا اور بڑی بشاشت کے ساتھ ان سے ملے، اور ان کو اسی چٹائی پر بٹھایا، کچھ دیر صحبت رہی، لیکن کوئی بات نہ ہوئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان لوگوں کے دل تمام علایق سے چھٹکارا پاچکے ہیں، اور رمیدگی کے فرط سے بات کرنا پسند نہ کرتے تھے، وہ یعنی شیخ عبدالاحد اٹھے، حضرت ابوالرضاء کی اہلیہ سے شیخ کی قرابت تھی، اسی لیے وہ گھر کے اندر لیجائے گئے۔ اور وہاں بھی بغیر کچھ کہے سنے بیٹھے رہے، موذن نے مغرب کی اذان کہی تو حضرت ابوالرضاء کے بڑے صاحبزادے شیخ فخر العالم نے ان سے کہا کہ باہر (بیروں) جانا چاہیے، یہ سن کر حضرت ابوالرضا نے فرمایا کہ بابا ابتک بیروں واندرون کا فرق رکھا ہے، اسی وقت باہر آئے اور نماز ادا کی، اس صحبت کے ختم ہونے کے بعد شیخ عبدالاحد نے فرمایا کہ ان کی موت ان کے نزدیک آگئی ہے۔ اور رفیق اعلیٰ کی طلب ان پر غالب ہے، اور اس کے کچھ روز کے بعد حضرت ابوالرضا رحلت فرما گئے، (۱۵۷)

حضرت ابوالرضاء وجود اور شہود دونوں کے قائل تھے، شاہ ولی اللہ نے جہاں یہ لکھا ہے:

بوحدت وجود قائل بودند و دراں باب تحقیق عظیم داشتند۔ (ص ۹۰)

وہاں وحدت شہود کے متعلق ان کے خیالات بھی لکھے ہیں، مثلاً

''می فرمودند مشاہدہ بہ عبور عالم مثال وارداح حاجت ندارد دہم چنیں شہودی کہ بہ محض جذبہ الٰہیہ حاصل شود اما بر بقائے ایں نوع شہود واعتماد نیست بخلاف شہودی کہ بعد سلوک حاصل شود کہ آں بعد عبورمی باشد و بر بقا او اعتماد دست''۔ (ص ۱۰۸)

Marfat.com

اہل شہود کی فضیلت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

''اہل شہود از حیہ وعقرب وشیر ودزداں نمی ترسند لہذا بعضے اکابر نفوس خود را امتحان کردند ودر برکہ آنجا سباع بسیار بود وطعام وآب یافتہ نشود انداختند چوں بخاطر ایشاں ہیچ خطرہ نیامد دانستند کہ کامل شدہ اند'' (ص ۱۱۷)

شاہ ولی اللہ کے خاندان کے بزرگوں نے وجود وشہود کے اختلافات کو مٹانے کی کوشش کی شیخ ابوالرضاء کے ملفوظات ان ہی باتوں کی شہادت دیتے ہیں، مثلاً

''می فرمودند حق نام حضرت وجودست کہ مشہود فی الخارج است وباقی برصرافت خود چنانکہ آب باوجود اختلاف اشکال اوعیہ والوان آنہا باقی ست برصرافت وعالم اسم اطوار وجود وشیونا تست و اشکال وصور فانیہ اوست کہ از صورتے بصورتے مبدل می شود۔''

اس کے بعد جو عبارت ہے وہ مصنف اگر سمجھ جائیں تو پھر ان کا سارا ہوائی قلعہ ختم ہو جائے۔

چوں کفر وفسق وقاذورات وغیرہا اگرچہ فی حد ذاتہا کمالات ست آں را بحضرت وجود تعلق نیست بلکہ اوصاف عالم اند اگرچہ قیوم کل حضرت حق است زیرا کہ اگر قیوم کفر ومعاصی او نباشد از کجا موجود شوند، ہمچنیں تولد وتولید از اوصاف عالم است یعنی ایں تعینات وصور مبدلہ نہ از اوصاف حضرت وجود شبہ نیست کہ تعینات واوصاف او امور اعتباریہ است زیرا کہ ہمہ نسب واعتبارات ذات اند، ذات باوجود ظہور او در اینہا ہمہ منزہ است۔'' (۱۱۶)

Marfat.com

ان ملفوظات کے بعد جو ملفوظات ہیں، ان سے خیالات کی وضاحت اور بھی ہو جاتی ہے، کہتے ہیں کہ جاہل لوگ صوفیہ کے کلام کو سمجھ نہیں پاتے اور ان کے کلام کے معنی کچھ اور بتاتے رہتے ہیں۔

می فرمودند متصوفہ جاہلاں معنی کلام صوفیہ علیہ ندانند و گویند ظہور حق در مظاہر مثل ظہور شمس در کائنات باز ید و مراۃ مختلفہ است و شکست نیست کہ ایں قول بجزئی محدود و مبائن از مظاہر می کشد حاشا اللہ عن ذالک، بعضے سلف برائے تفہیم محجوباں امثال ایں امثال اختیار کردہ از ظلیت عالم بہ نسبت خدائے تعالیٰ بمعنی ظہور شیٔ ست در مرتبہ ثانیہ نہ آنکہ مباین باشد رنگ ظل شجر کہ بر جدار افتد تعالیٰ اللہ عن ذالک۔ (ص ۱۱۷)

ان تمام خیالات کے بعد مصنف کا یہ کہنا بالکل گمراہ کن ہے کہ شیخ ابوالرضا نے اپنے خطوط میں شیخ عبدالاحد کو وحدت الوجود کی فوقیت کا قائل کرنے کی کوشش کی ہے (۳۷۳) شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ دونوں نے مکتوبات ایک دوسرے کو ضرور لکھے لیکن جب دونوں ایک دوسرے سے ملتے رہے تو پھر کوئی اختلاف نہیں رہا۔

چوں ملاقات مکرر واقع شد و ہر یکے ازاں ایشانان مقام دیگرے را معلوم کرد معاملہ دیگر ظہور نمود۔ (ص ۱۴۳)

ان ہی بزرگوں سے متاثر ہو کر شاہ ولی اللہ نے ''فیصلہ وحدۃ الوجود والشہود'' میں یہ بتایا ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی کا وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانی کا وحدت الشہود ایک ہی شے کے دو نام ہیں، وجود و شہود کا جھگڑا محض نزاع لفظی ہے، ان میں مطابقت ہے، مخالفت نہیں۔

Marfat.com

مصنف نے لکھا ہے کہ شیخ ابوالرضا اور عبدالاحد نے اپنے مکتوبات میں بھکتی کے ہندی دوہوں کا وافر استعمال کیا ہے، وافر (profuse) کا لفظ فارسی اشعار کے لیے آ سکتا ہے، کیونکہ ان مکتوبات میں پچاس ساٹھ اشعار فارسی کے لکھے گئے ہیں، تو ان کے ساتھ مشکل سے آٹھ نو دوہرے ہوں گے، اسی انفاس العارفین میں حضرت ابوالرضا کی تصنیف سے فرائض، نوافل، ، تلاوت، درود، استغفار، نماز جماعت، نماز چاشت وغیرہ کی جو تعلیم (۱۵۶۔۱۵۴) پیش کی گئی ہے، اس کو مصنف واقعی پڑھتے تو حضرت ابوالرضا کو احیائے دین اسلام کے رجعت پسندوں ہی میں شمار کر کے ان کو بھی برا بھلا کہنے پر آمادہ ہو جاتے۔

آٹھویں باب میں مصنف نے شیخ بایزید، شیخ محمد وارث، سید حسن رسول نما اور میر نصیرالدین ہروی کا ذکر وحدت الوجود کے مبلغین کی حیثیت سے کیا ہے (ص ۳۷۴) اور حوالے منتخب اللباب جلد دوم (ص ۵۲۔۵۵۱) کے دیے ہیں، منتخب اللباب جلد دوم میرے پیش نظر بھی ہے، اس کی کسی سطر یا کسی عبارت میں یہ وضاحت نہیں کہ یہ بزرگان دین وحدت الوجود کے حامی تھے۔

اسی باب میں شیخ برہان کا بھی ذکر ہے، ان کو بھی مصنف وحدت الوجود کا مبلغ بتاتے ہیں، گو منتخب اللباب میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے، مصنف نے شاید منتخب اللباب کے اس بیان سے یہ رائے قائم کر لی کہ

از قوم ہلہ ملل ارادت تمام در خدمت ایشان داشت

یا پھر اس بیان پر کہ ان کے مرید فنا فی الشیخ ہو کر، سکر کی بیخودی میں ان کو خدا کہہ دیتے، منتخب اللباب کی اصل عبارت یہ ہے:

جمعے از مریدان خاص شیخ کہ شب و روز در خانقاہ حاضر می بودند از کمال

Marfat.com

عقیدت فنافی الشیخ گفتہ درعالم بیخودی سکر شیخ رابخدا منسوب و مخاطب ساختند۔(ص ۵۵۵) مصنف نے اس عبارت سے فائدہ اٹھا کر یہ حاشیہ آرائی کی ہے

Some of Shaihh's disciples were so immensely devoted to him and the atmoshphere around him were so reverberating with pantheism that they in Their ecstatic state would not hesitate in calling him god.

مصنف نے فنافی الشیخ کا ترجمہ کرنے کے بجائے atmosphere reverberating with pantheism لکھ کر ناظرین میں غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن مصنف کو اس کا بھی اقرار ہے کہ شیخ برہان اس کو پسند نہ کرتے کہ ان کے مریدین ان کو خدا کہا کریں اور اگر وہ اس سے توبہ نہ کرتے تو شرع کے مطابق ان کو قتل کر دیا جاتا، اگر شیخ برہان کے مریدین وحدت الوجود ہی کے نشہ میں ان کو خدا کہتے رہتے تو وحدت الوجود کے ایسے ہی حامیوں پر شریعت پسند بزرگان دین نے لعنت بھیجی ہے جس کو ہمارے مصنف فرقہ پرست اور رجعت پسند کہتے ہیں، تو پھر یہی الزام شیخ برہان پر بھی آتا ہے، کیونکہ منتخب اللباب میں ہے کہ شیخ برہان ایسے مریدوں کو فاسد سمجھتے، ان کو توبہ کرنے کو کہتے۔ان پر شرعی احکام جاری کرتے، اور وہ توبہ کر کے باز نہ آتے، تو گویا شریعت کے بموجب ان کو قتل کرا دیتے، شرعی حکم کی اس پابندی کی بنا پر مصنف کو، شیخ برہان کو بھی احیائے دین کے حامیوں میں شمار کرنا چاہئے تھا۔

Marfat.com

شیخ برہان ہی کے سلسلہ میں ہے کہ جب اورنگزیب نے داراشکوہ کے شرعی احکام کی عدم احتیاط کی شکایت کی اور اپنی طرف سے دین نبوی کے احکام کی ادائیگی اور رعیت پروری کا یقین دلا کر، فاتحہ اور توجہ باطنی کی درخواست کی تو شیخ نے فرمایا:

از فاتحہ مافقیراں کم اعتبار می شو وشما کہ بادشاہید بہ نیت خیر و عدالت ورعیت پروری فاتحہ بخوانید ماہم دست بفاتحہ برمی داریم، شیخ نظام ایں گفت کہ پادشاہی مبارک باد...... (منتخب اللباب، ص ۵۵۴)

اس پر مصنف نے کیا خوب حاشیہ آرائی کی ہے کہ اورنگ زیب نے اپنی گفتگو کا آغاز فرقہ وارانہ تعصب کے ساتھ کیا، لیکن شیخ برہان کے جواب کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی خاص نظر انسانیت نوازی پر تھی، اور اس پر وہ اعتقاد رکھتے تھے کہ سیاسی معاملات کو مذہبی خیالات سے بالکل الگ رکھا جائے (ص ۳۷۱) کجامی نماید کجامی زندگی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوگی، مصنف یہ بھی فرماتے ہیں کہ شیخ برہان نے کوئی پیشین گوئی نہیں کی، یہ کٹ حجتی فارسی نہ جاننے والوں کے لیے تو ٹھیک ہے، ورنہ شیخ برہان کا یہ کہنا کہ ''شما کہ بادشاہید'' آخر کیا ہے؟ مصنف رقم طراز ہیں کہ شیخ برہان نے پیشین گوئی نہیں کی، بلکہ شیخ نظام نے بادشاہت کی مبارک باد دی، اسی قسم کی دلیلوں سے انہوں نے اپنے تمام مقالات کی تزئین وآرائش کی ہے۔

منتخب اللباب میں جہاں شیخ برہان وغیرہ کا ذکر ہے، وہاں میر تقی واعظ ملتانی کا بھی ذکر ہے مصنف نے موخر الذکر کے حالات لکھنے میں بھی تاریخی واقعات کو توڑ مروڑ کر Historical facts twisted کے پیش کرنے کا ثبوت دیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ اورنگزیب کے زمانہ میں مسکرات میں بھانگ عوام اور مذہبی طبقہ (Theologians) میں بہت عام تھی، اور اس کے استعمال کی عادت نے ہر طرف جڑ پکڑ لی تھی، میر مرتضٰی نے

Marfat.com

اس کے استعمال کرنے والوں کی سخت مذمت کی، ان کے مواعظ سے عوام تو کچھ حد تک ضرور متاثر ہوئے ہوں گے، لیکن علماء مشائخ، امراء اور حکام میں بڑی مخالفت ہوئی اور وہ جہاں گئے ان کی زندگی اذیت بن گئی، انہوں نے تمباکو کے استعمال کی مذمت کی تو پونہ میں بلوہ ہو گیا، جس کی روک تھام بڑی مشکل سے ہوئی، ایک بار جب کہ وہ بھانگ کے استعمال کی مذمت کر رہے تھے، اور اپنے مقصد کی حمایت میں پیغمبر (ﷺ) کی حدیث پیش کر رہے تھے تو کشمیر کے ایک قابل آدمی نے کہا پیغمبر کے زمانہ میں تو بھانگ اپنے عدم موجودگی کی وجہ سے نمایاں تھی، یہ آپ کے پانچ سو برس کے بعد ہوئی، تو تم جھوٹی حدیث پیش کر رہے ہو، تم خود مذمت کے مستحق ہو، اسی کے بعد میر مرتضیٰ کی خالص (parctanism) اسلامی تعلیمات کی مخالفت اتنی بڑھی کہ ان کے لیے مسجد سے اپنے گھر آنا مشکل ہو گیا اور ان کو اتنی اذیت ہوئی کہ اپنی رستگاری خودکشی کر کے کی۔ (ص ۴۱۳)

مصنف نے ان تمام باتوں کے لیے منتخب اللباب کا حوالہ دیا ہے، لیکن منتخب اللباب میں کہیں یہ نہیں ہے کہ بھنگ عوام اور مذہبی طبقہ میں بہت مقبول تھی، اور اس کے استعمال کی عادت نے جڑ پکڑ لی تھی، یہ سراسر کذب وافترا ہے، مصنف کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء، فضلاء اور حکام میر مرتضیٰ کے اس لیے مخالف ہو گئے کہ انہوں نے بھانگ کے خلاف وعظ کہنا شروع کیا، یہ بھی صحیح نہیں، میر مرتضیٰ کی سخت کلامی کی وجہ سے علماء، فضلاء اور حکام ان کے مخالف ہو گئے، منتخب اللباب میں ہے:

> کلمات درشت برزبان می آور دلہذا بہر شہرے کہ می رفت و وعظ گفت، حکام وفضلا و مشائخ بااوعداوت بہم رسانده درخفت اومی کوشیدند۔ (ص ۵۶۳)

مصنف لکھتے ہیں کہ میر مرتضیٰ نے تنبا کو کے استعمال کی مذمت کی تو پونہ میں بلوہ

Marfat.com

ہو گیا، معلوم نہیں مصنف نے پونہ کس کتاب کے حوالہ سے لکھا ہے۔ منتخب اللباب میں تو اورنگ آباد لکھا ہوا ہے۔

''چنانچہ روز جمعہ در مسجد جامع خجستہ بنیاد اورنگ آباد قاضی اکرم کہ آخر قاضی القضات حضور گردید، ہمہ ارباب عدالت راجمع ساختہ اعلام طلب میر مرتضیٰ درمیان آورد و نزدیک بود کہ فساد عظیم برپا شود۔'' (ص ۵۵۳)

مصنف کا یہ لکھنا بھی صحیح نہیں کہ میر مرتضیٰ کی خالص اسلامی تعلیمات کی مخالفت اتنی بڑھی کہ ان کے لیے مسجد سے اپنے گھر آنا مشکل ہو گیا اور ان کو اتنی اذیت پہنچی کہ اپنی رستگاری خودکشی کر کے کی منتخب اللباب کی اصل عبارت یہ ہے:

''کار بجائے رسانند کہ از سختی جوانان عشرت دوست وفضلائے دنیا پرست میر مرتضیٰ از مسجد بخانہ خود رفتہ بر نیامد، درہماں ایام اجل موعود اور سید و بقول مشہور خود را مسموم ساخت۔''

دیانتداری کا تقاضا تو یہ تھا کہ مصنف کو اپنی تحریر میں ''سختی جوانان عشرت دوست اور فضلائے دنیا پرست'' کا بھی ترجمہ کرنا چاہیے تھا، اور پھر منتخب اللباب کے اس جملہ کو بھی نظر انداز کر دیا کہ ''درہماں ایام اجل موعود اور سید'' اور لکھ گئے کہ اپنی رستگاری خودکشی کر کے کی، ان کے خلاف جو روایت ہوتی ہے، اس کو وہ نظر انداز کرنے میں تو بڑے ماہر ہیں لیکن جو روایت ان کے مطلب کی ہوتی ہے اس سے فوراً فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔

Marfat.com

(۳)

مصنف نے شاہ ولی اللہ کے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم صاحب کو بھی داراشکوہ کی صف میں لا کھڑا کر دیا ہے، اس لیے کہ وہ بھی وحدت الوجود کے قائل تھے، ہاں وہ ضرور وحدت الوجود کے ماننے والے تھے، لیکن اس وحدت الوجود کے حامی نہ تھے جو مصنف کے ذہن میں ہے، شاہ عبدالرحیم فضل وکمال اور صلاح وتقویٰ کے ایسے مکمل نمونہ تھے کہ اگر مصنف نے ان کا واقعی مطالعہ کیا ہوتا تو پھر ان کو احیائے اسلام کے علمبرداروں ہی میں شامل کرنا پڑتا، وہ جب خواجہ خرد نقشبندی سے بیعت ہونا چاہتے تھے تو خواجہ خرد نے فرمایا کہ میں اتباع سنت میں کچھ متساہل ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے تمہارا قدم جادۂ شریعت سے الگ ہو جائے، انفاس العارفین کی عبارت یہ ہے:

> ''فرمودند غرض آنست کہ بعض امور ممنوعہ مرتکبم و دراتباع سنت قدرے تساہل دارم، مبادا قدم شما بواسطہ، ارتباط بیعت از جادۂ تشرع بجنبد۔'' (ص ۵)

پھر خواجہ فرد ہی کے مشورہ سے شاہ عبدالرحیم شیخ آدم بنوری کے ایک خلیفہ سید عبداللہ سے بیعت ہوئے۔ شیخ آدم بنوری حضرت مجدد الف ثانی کے خلیفہ تھے، شیخ آدم بنوری کے خلفاء کے بارہ میں خواجہ خرد کا یہ خیال تھا:

> ''ایشان درتشرع وترک دنیا وتہذیب نفس قدمے دارند کہ دیگراں رامیسر نیست'' (انفاس العارفین ص ۶)

Marfat.com

حضرت سید عبداللہ کی وفات کے بعد شاہ عبدالرحیم خلیفہ ابوالقاسم اکبرآبادی سے فیوض اٹھاتے رہے، جو بڑے متبع شریعت تھے، ان ہی بزرگان دین کے فیوض سے شاہ عبدالرحیم شمع شریعت کے پروانہ بنے رہے، ان کے صاحبزادے شاہ ولی اللہ انفاس العارفین میں فرماتے ہیں:

''درہمہ حال تتبع آثار نبویہ می نمودند یکے از آثار استقامت ایشان آں بود کہ گاہے درعمر خود جماعت فوت نہ کردہ بودند الابعذر بزرگان گفتہ اندالاستقامۃ خیر من الکرامۃ وہیچ حال نہ در جوانی ونہ در صبا میل باموار ممنوعہ نداشتند ،اتباع جادہ محمدیہ خلق جبلی ایشاں بود''۔

(انفاس العارفین ص۸۶۔۸۵)

عاشق رسول ہونے کی وجہ سے ہر مشکل میں آپ ہی کا وسیلہ ڈھونڈتے، کسی اور کے وسیلہ کو ناجائز سمجھتے، اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

''وہرچہ مشکل افتد مدد از روحانیت حضرت رسول مقبول ﷺ باید خواست واز غیر حبیب خدا کسے دیگر رجوع نباید کرد''

(مکتوبات ص۴۸)

اسی کے ساتھ وہ وحدت الوجود کے بھی قائل تھے،انفاس العارفین میں ہے کہ وہ فرماتے

''اگر خواہم فصوص رابر سر منبر تقریر کنم وجمیع مسائل آں را باآیات و حدیث مبرہن سازم وبوجہے بیان نمایم کہ ہیچ کس راشبہ نماند۔''

(انفاس ص۸۲)

اس سے یہ بیان ظاہر ہوتا ہے کہ وحدت الوجود کا قائل ہونا اور شریعت کا پابند رہنا دو متضاد چیزیں نہیں ہیں، جیسا کہ ہمارے مصنف نے اپنے ناظرین کو غلط فہمی میں ڈالنے کی

Marfat.com

کوشش کی۔ یہ بالکل ذوقی اور وجدانی چیز ہے، جس میں جادۂ اعتدال سے ہٹ کر ورطہ ضلالت میں پڑ جانے کا ہمیشہ خطرہ رہتا ہے، اسی لیے شاہ عبدالرحیم جہاں وحدت الوجود کی طرف مائل تھے، وہاں اس کی تشریح سے گریز کرتے تھے شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں:

''از تصریح بوحدت وجود احتراز می نمودند کہ غالب اہل زبان از اں فہم نمی توانند کرد و در ورطۂ الحاد و زندقہ می افتند''۔

(انفاس العارفین ص ۸۲)

اور اس کو تسلیم کرنے میں کسی کو عذر نہیں کہ شاہ عبدالرحیم اور ان کے خاندان والوں کے فیوض و برکات سے آج ہندوستان میں قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں گونج رہی ہیں، اور ہمارے مصنف کو یہ جاننے کے بعد شاید دکھ ہو کہ شاہ عبدالرحیم کو فیض بڑی حد تک حضرت مجدد الف ثانی کے خلفاء کے سلسلہ ہی سے پہنچا، کیونکہ پہلے ذکر آیا ہے کہ وہ حضرت مجدد الف ثانی کے خلیفہ شیخ آدم بنوری کے خلیفہ سید عبداللہ کے مرید تھے۔

شاہ عبدالرحیم نے حضرت خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادے خواجہ خرد سے بھی مذہبی اور روحانی فیوض حاصل کیے جو اس بات کی دلیل ہے کہ خواجہ خرد میں وہ تمام باتیں موجود تھیں جن کو شاہ عبدالرحیم پسند فرماتے تھے، خود ہمارے مصنف نے لکھا ہے کہ خواجہ خرد اُن لوگوں سے اتفاق نہیں کرتے، جو شریعت سے غفلت برتنے کی کوشش کرتے اور اس کو ثانوی درجہ دیتے (ص ۳۳۴) لیکن اسی کے ساتھ وہ یہ بھی لکھ گئے ہیں کہ توحید وجودی کے اور حامیوں کی طرح مختلف لوگوں اور طبقات (sections) کے اختلافات اور جھگڑوں کے ختم کرنے پر زور دیتے، اور صلح پسندانہ، بقائے باہم Peaceful co-existence اور ہم آہنگ طرز بود و ماند (Harmonious living) کے نصب العین کے نشوونما میں اعانت کرتے، اگر کوئی ان کی تضحیک کرتا تو وہ اپنے دشمن کی تنقید نہ کرتے یہی کریم النفسی کی

Marfat.com

اسپرٹ اپنے مریدوں میں بھی پیدا کرتے رہتے، شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم کیچڑ میں پڑے ہوئے ایک کتے کو بچانے اور دیکھ بھال کرنے میں مطلق نہیں ہچکچاتے (ص ۳۳۴) مصنف نے ''صلح پسندانہ بقائے باہم اور ہم آہنگ طرز بود وماند'' کے نصب العین کو نشوونما دینے اور کریم النفسی پیدا کرنے کے سلسلے میں کتے کو بچانے اور دیکھ بھال کرنے کی مثال اچھی پیش کی ہے، مصنف سیاق وسباق حذف کر کے اپنے مطلب کی بات نکالنے میں ماہر ہیں، اگر کتے کو بچانے کی پوری روایت کو وہ غور سے پڑھتے تو شاہ عبدالرحیم صاحب سے بھی ان کو جھنجھلاہٹ پیدا ہو جاتی، وہ کتا دراصل کتا نہ تھا، بلکہ ایک مرد غیبی تھا، جو کتے کی شکل میں نمودار ہوا، اور شاہ عبدالرحیم کو فخر وغرور اور خود بینی کی ناپا کی اور درویشانہ ایثار واختیار اور عقل مقدس اور عقل مظلم کی تفریق بتا کر ان کو تعلیم وتلقین کی۔

کتے کی روایت کسی سلسلے میں لکھی گئی ہے، لیکن ہمارے مصنف نے اس سے فائدہ اٹھا کر نہ صرف اپنے ممتحنوں کو بلکہ اپنے کتاب کے ناظرین کو بھی دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے، اور اگر کتے کی دیکھ بھال کرنا حضرت خرد جیسے وحدت الوجود کے حامی کی تربیت کا نتیجہ تھا تو شاہ عبدالرحیم کا سختی سے پابند شریعت ہونا بھی حضرت خرد ہی کا فیضان کہا جا سکتا ہے، پھر ان دونوں بزرگان دین میں وہ وحدت الوجود کہاں ہے جس کے حامی ہمارے مصنف ہیں، وہ میاں میر کو وحدت الوجود کا علمبردار بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ اور ان کے مریدین موحدوں اور وحدت الوجودیوں کی طرح مذہب کے ظاہری رسوم کو کوئی اہمیت نہیں دیتے لیکن اس فقرے کے ساتھ یہ بھی لکھ گئے ہیں، اگرچہ میاں میر اور ان کے بعض مریدین شریعت کے احکام کی تقلید بہت حزم واحتیاط کے ساتھ کرتے۔ شریعت کو وہ طریقت کا پہلا زینہ سمجھتے، پھر میاں میر ہی کے سلسلہ میں وحدت الوجود کے حامیوں کے متعلق یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ مومنوں اور کافروں، جنت اور دوزخ، ثواب اور عذاب میں

Marfat.com

تفریق ان کے نزدیک بیہودہ چیز تھی، جن کی طرف توجہ اور لگاؤ نا واقفوں ہی کو ہوتی ہے۔ (ص ۳۴۲)

کیا اسی مسلک کے قائل حضرت شرف الدین یحییٰ منیری، شیخ امان پانی پتی ور حضرت خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادے خواجہ عبداللہ، خواجہ خرد، پھر شاہ عبدالرحیم اور شاہ محبّ اللہ الہ آبادی تھے؟ ناظرین خود فیصلہ کریں۔

مصنف رقمطراز ہیں کہ سرمد نے جن رباعیوں میں علماء اور صوفیہ کی رسمی عبادتوں اور مواعظ کا مذاق اڑایا ہے، وہ شاہجہانی عہد میں ہر مسلمان کے گھر میں مقبول تھیں، مصنف کے حوالہ جات کے بے پناہ ڈھیر سے یہ پتہ نہ چل سکا کہ ان کو یہ کہاں سے معلوم ہوا، کہ وہ رباعیاں شاہجہانی عہد میں ہر مسلمان گھر میں مقبول تھیں، سرمد کی رباعیاں پڑھتے اور سنتے وقت ہمیشہ یہ خیال ہوتا ہے کہ معلوم نہیں یہ ان ہی کی ہیں یا ان سے منسوب ہیں، مصنف نے جن رباعیوں کے انگریزی ترجمے نقل کیے ہیں وہ بعض انگریزی کتابوں سے مستعار ہیں، مصنف کی اعلیٰ علمی لیاقت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اصل بھی لکھتے اور خود اس کا انگریزی ترجمہ کرتے، لیکن ان کو تو ایک بات کہنی تھی، اس لیے وہ جہاں سے بھی حاصل ہوگئی، مقالہ میں لکھ کر بات پوری کردی، میرے سامنے سرمد کی رباعیوں کا جو نسخہ ہے، اس میں وہ رباعیاں نہیں ہیں، اگر حضرت سرمد کی اسی قسم کی رباعیوں سے استدلال کرنے کی ضرورت ہے اور ان سے لفظی معنی لینا ہے تو پھر ان کے حسب ذیل اشعار کے متعلق کیا خیال ہے:

بت پرستم کافرم از اہل ایماں نیستم
سوے مسجد می روم اما مسلماں نیستم

ہر کس کہ زمے توبہ کند نادان است
انساں نتواں گفت بگو حیوان است

Marfat.com

ایں سلسلہ جنباں غم جانان است
ہر آتش افسردہ دلی دامان است
اے دوست دریں میکدہ بے یارمباش
بے ساقی گلعذار زنہار مباش
ایں جام جہاں نما بہرکس نہ دہند
غافل توازیں دولت بیدار مباش

ان اشعار کے تو بظاہر یہی معنی ہیں کہ حضرت سرمد (خدانخواستہ) مسلمان نہ تھے، اور وہ ایسے شخص کو جو شراب نہیں پیتا ہے، حیوان سمجھتے تھے، اور وہ میکدہ میں معشوق اور ساقی گلعذار کے ساتھ رہنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ وحدت الوجود کے علمبرداروں کا یہی شیوہ اور مسلک رہا تو ایسے ہی وحدت الوجود سے بعض بزرگان دین کو وحشت رہی۔ لیکن حضرت سرمد کی رباعیوں کے ظاہری معانی ومطالب پر جانا اور ان سے استدلال کرنا ان کی عارفانہ شان کے ساتھ زیادتی کرنا اور اپنی کورنظری کا ثبوت دینا ہے۔

مصنف نے بکر ماجیت حسرت کی کتاب ''داراشکوہ اس کے سوانح حیات اور تصانیف'' کے حوالے سے بتایا ہے کہ داراشکوہ ملاؤں کا خوب مذاق اڑایا کرتا تھا (ص ۳۴۵۔۴۶) اس تضحیک میں کیا شاہ محب اللہ الہ آبادی بھی شریک ہو سکتے تھے؟ یا داراشکوہ نے سر اکبر کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ کلام پاک میں **انہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون لایمسہ الاالمطھرون تنزیل من رب العالمین** کا اشارہ بادشاہ ہی کی طرف ہے، جو بحر توحید کا سرچشمہ ہے، قدیم ہے، اور قرآن مجید کی آیت کی تفسیر ہے، کیا خواجہ باقی باللہ کے دونوں صاحبزادے خواجہ عبداللہ اور خواجہ خرد اور شاہ عبدالرحیم صاحب اس سے متفق تھے؟ اور کیا یہی بزرگان دین داراشکوہ کی اس رباعی کے ہم خیال تھے۔

Marfat.com

کافر گفتی تو از پے آزارم
من حرف ترا راست ہمی پندارم
پستی و بلندی ہمہ شد ہموارم
من مذہب ہفتاد و دوملت دارم

اور کیا یہ بزرگان دین بھی داراشکوہ کی طرح بشسٹ کے بھی معتقد تھے؟

مصنف نے بڑے وثوق کے ساتھ لکھا ہے کہ سترہویں صدی میں ملاشاہ (یعنی داراشکوہ کے مرشد) سے مسلمان زیادہ متاثر رہے (ص ۳۷۵) مصنف مراۃ الخیال کو ایک مستند ماخذ سمجھتے ہیں، اوراس کے حوالے اپنی کتاب میں شوق سے دیے ہیں، اسی مراۃ الخیال میں ملاشاہ کی تصویراس طرح پیش کی گئی ہے۔

ایک روز ملاشاہ لاہور میں عربی گھوڑے پر سوار تھے، وہ زرباف نیم آستین بوم طلا پہنے ہوئے تھے، میاں شاہ میر کے ایک خلیفہ ملاخواجہ بھی تھے، وہ بہت ہی تجرید کی زندگی گذارتے تھے، وہ ملاشاہ کے حجرے سے گذرے تو سلام کی سنت ادا کرنے کے لیے آئے، لیکن جب ان کی نظر نیم آستین پر پڑی تو ان کا مزاج بہت تلخ ہوگیا، ملاشاہ کا دامن پکڑ کر کہا یہ کیا چیز ہے، ملاشاہ نے نگاہ ڈالی اور پھر کہا ملاخواجہ واللہ میں نہیں جانتا ہوں کہ مجھ پر لوگوں نے کیا ڈالدیا ہے۔ان اوراق کے مولف کے لیے مقام عبرت ہے کہ ملاشاہ کو اپنے کمالات کے باوجود جھوٹی قسم کھانے کا احساس بھی نہ رہ گیا تھا، اس قسم کے لباس کو گھر میں رکھنا، ان کو استعمال کرنا اور اس سے بے خبر رہنا محل تعجب ہے یہی وجہ ہے کہ شروع میں حضرت میاں شاہ میر نے ان کی تربیت میں تغافل کو راہ دیا ہوگا، کیونکہ ان میں دنیا سے تعلق رکھنے کا رائحہ پایا جاتا تھا۔(مراۃ الخیال ص ۲۱۰)

اس روایت کے بعد ملاشاہ کی جو سیرت سامنے آتی ہے، اس کو مصنف نے

Marfat.com

بالکل ہی نظر انداز کر دیا ہے، اور اسی ماخذ سے اپنے مطلب کی دوسری باتیں بلا تکلف لے لی ہیں، اسی مراۃ الخیال میں ہے کہ ملاشاہ نے اورنگزیب کی تخت نشینی پر یہ رباعی لکھ کر اورنگزیب کے پاس بھیجی۔

صبح دل من چوں گل خورشید شگفت
حق ظاہر شد غبار باطل را دررفت
تاریخ جلوس شاہ اورنگ مرا
ظل الحق گفت الحق ایں راحق گفت

اب اگر واقعی اس عہد کے مسلمان ملاشاہ سے متاثر تھے۔ تو وہ بھی ملاشاہ کی طرح خوش ہوں گے کہ اگر اورنگزیب کی تخت نشینی سے حق ظاہر ہوا، اور غبار باطل جاتا رہا، اور اورنگزیب واقعی ظل الحق تھا، مصنف اگر واقعی ملاشاہ کے معتقد ہیں تو پھر اس رباعی کے بعد ان کو بھی اورنگزیب کا معتقد ہونا چاہیے، یا نہیں تو پھر ملاشاہ کو بھی اپنے تیر ملامت کا ہدف بنائیں، پھر مصنف نے مرأۃ الخیال سے جہاں بہت سے اقتباسات لیے ہیں، وہاں مرأۃ الخیال کے مصنف کی اس رائے کے متعلق ان کا کیا خیال ہے کہ داراشکوہ نے سرمد کی صحبت اس لیے اختیار کی کہ وہ مجانین کی طرف زیادہ مائل تھا، لیکن جب اورنگزیب کا زمانہ آیا تو خدا پرستی کا غلغلہ ہوا، اکبری و جہانگیری رسوم کا خاتمہ ہوا، مراد بخشی اور داراشکوہی بدعتیں ختم ہو گئیں، حضرت سرمد کے ذکر کے سلسلہ میں مراۃ الخیال کے مصنف کا بیان ہے۔

''چوں خاطر سلطان داراشکوہ بجانب مجانین میل داشت صحبت باوے درگرفت و مدتے باثر صفات اوسرخوش بود تا آنکہ روزگار طرح دیگر انداخت و درسنہ ہزار وشصت ونہ اورنگ خلافت و جہانداری بوجود فیض امود ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگزیب بہادر عالمگیر بادشاہ

Marfat.com

غازی خلداللہ ملکہٗ وسلطانہ مزین گردیدوازاو خدا پرستی جہاں
رافروگرفت ورسوم اکبری وجہانگیری برافتادو بدعت ہائے مرادبخشی
داراشکوہی یک سوشد"۔ (ص ۲۱۶)

مصنف کی نظر مراۃ الخیال کی مذکورہ بالا عبارت پر نہیں پڑی، ورنہ مراۃ الخیال کے مصنف کی عزت وآبرو کے بھی لالے پڑ جاتے، مصنف کی رائے کے مطابق اگر ملاشاہ اور داراشکوہ وحدت الوجود کے ظاہر ہونے کی وجہ سے کفر وایمان کی تفریق مٹا دینا چاہتے تھے، تو داراشکوہ اپنے پیر ملاشاہ کے متعلق یہ کیسا لکھ گیا ہے، مصنف غور سے پڑھیں۔

"اردگرد کے ممالک خصوصاً کشمیر میں آپ کو قبولیت عظیم حاصل ہے، چنانچہ کشمیر کے رافضی اور کافر صرف آپ کے دروازے سے گذرتے ہی بے اختیار آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر تائب ہوئے، اور کفر کو چھوڑ کر مذہب اسلام قبول کیا اور اہل سنت وجماعت کا مذہب اختیار کیا، کشمیر میں یہ بھی مشہور ہے کہ جو بدعتی آپ کے دروازے سے گذرتا، اسے پیغمبر خدا ﷺ اور چاروں صحابۂ اکرام رضی اللہ عنہم دکھائی دیتے اس آزمایش کے لیے اکثر رافضی آپ کے دروازے کے پاس سے گذرتے تھے" (یہ اقتباس سکینۃ الاولیاء کے اردو ترجمہ ص ۱۲۳ سے لیا گیا ہے، کیونکہ فارسی نسخہ اس وقت سامنے نہیں ہے) داراشکوہ کی مذکورہٗ بالا روایت کی صحت وعدم صحت کا تجزیہ کرنا تو ہم مصنف کے لیے چھوڑتے ہیں، لیکن رافضی، کافر، کفر، اسلام، اہل سنت وجماعت، بدعتی جیسے الفاظ شہادت دے رہے ہیں کہ داراشکوہ اوراس کے مرشد بھی اس تفریق کے قائل رہے۔

مصنف سے یہ بھی پوچھنا ہے کہ جب ان کے پاس ماخذوں کا ایک انبار لگا ہوا تھا تو ان سے براہ راست استفادہ کرنے کی بجائے بکرماجیت حسرت کی "داراشکوہ: حالات زندگی اور تصانیف" اور قانون گو کی "داراشکوہ" جیسے ثانوی ماخذوں کا سہارا کیوں لیا،

Marfat.com

(ص ۵۰۔۳۴۹) ان کے جیسے بلند دعاوی کرنے والے محقق کے لیے یہ زیبا نہ تھا۔

مصنف نے مرأۃ الاسرار کے مصنف مولانا عبدالرحمٰن کوردولی کے مخدوم حضرت عبدالحق کی اولاد بتایا ہے (ص ۳۵۴) جو بالکل صحیح نہیں، مصنف کا یہ لکھنا صحیح نہیں کہ مولانا عبدالرحمٰن حضرت شیخ عبدالحق رولوی کی نسل سے تھے، ان کی غلطی اس لیے ہوئی کہ وہ اپنی تحقیقات کے بلند دعوی کے باوجود بلاتکلف ثانوی ماخذوں پر اعتماد کر لیتے ہیں، برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات کے کیٹلاگر نے عبدالرحمٰن چشتی کو جو نسب نامہ اپنی فہرست جلد اول ص ۳۵۹ پر لکھ دیا ہے، اسی کو مصنف نے نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے، حالانکہ ان کے حواشی سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے مرأۃ الاسرار کا گہرا مطالعہ کیا ہے، اگر وہ واقعی اس تذکرہ کا گہرا مطالعہ کرتے تو برٹش میوزیم کے کیٹلاگر کے بیان پر بھروسہ کر کے اپنے ناظرین کو غلط قسم کی معلومات فراہم نہ کرتے، مرأۃ الاسرار کے مصنف نے اپنا نسب نامہ یہ لکھا ہے:

''کاتب الحروف حضر الفقیر عبدالرحمٰن چشتی بن عبدالرسول بن قاسم بن شاہ بدہ بن میاں شیخ بن دانیال ثانی بن بدرالدین بن معین الدین بن قطب بن فرید بن نظام بن نصیر الدین بن دانیال عرف مولانا عود بن میر بدرالدین بن حسن بن فضل ثالث بن عبداللہ بن عباس ثانی بن یحییٰ بن فضل ثانی بن محمد بن فضل بن حسن بن عبداللہ بن عباس بن علی مرتضیٰ۔ (ص ۵۰۹ قلمی نسخہ دارالمصنفین)

اس نسب نامہ سے کہیں پتہ نہیں چلتا ہے کہ مولانا عبدالرحمٰن شیخ احمد عبدالحق رودلوی کی نسل سے تھے اسی مرأۃ الاسرار میں ہے کہ مولانا عبدالرحمٰن حضرت شیخ عبدالحق کے پرپوتے شیخ حمید کے مرید اور خلیفہ مجاز تھے (ص ۶۰۱) لیکن مصنف ان کو شیخ عبدالحق کے سلسلہ کی بجائے ان کو اولاد اس لیے بتا گئے ہیں کہ برٹس میوزیم کے کیٹلاگر نے ان کو ایسا

Marfat.com

ہی بتایا ہے۔(۳۵۹)

مصنف کی نوک سوزن اور خلش خار سے بھری ہوئی تحریروں کے مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین نہ کراماتئے اور نہ مبلغ اسلام تھے، خواجہ نظام الدین اولیاء اقتدار پسند تھے۔(ص۱۹) حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی بدخلاق (Immoral) اور بدپرہیزگار (Impious) تھے (ص۱۲) حضرت جلال الدین تبریزی زنا کے ملزم تھے (ص۲۳) شیخ علی متقی گجرات کے ایک وزیر کی بیوہ ماں سے نکاح کے خواہاں ہوئے۔(ص۱۴۲) خواجہ باقی باللہ نے ایک حسین لڑکی سے ناکام عشق کیا (ص۱۸۵) عبدالحق محدث دہلوی میں چمڑے سے بندھا ہوا تعصب تھا۔(ص۱۵۶) حضرت مجدد الف ثانی نہیں بلکہ صرف مجدد فرقہ واریت کے علمبردار اور ایک متعصب ملا تھے۔ اسی طرح ان کے نزدیک زیادہ تر صوفیہ اور صلحاء ذہنی بحران میں مبتلا رہے، ان تمام ارشادات کے پڑھنے کے بعد تو پھر یہی کہنا پڑے گا کہ اعلیٰ اور سچے قسم کے مسلمان صرف ڈاکٹر اطہر عباس رضوی ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ آف آر، اس مصنف مغل کالین بھارت ہی ہیں، جن کو ویشنوازم بہت پسند ہے (۲۱۳،۶۱،۶۰) وہ بھگتی تحریک اور فلسفۂ ویدانت کے بھی مداح ہیں (ص۶۶) یوگ اور اوادیتا کے پرستاروں کے حامی ہیں، اکبر کی رواداری وسیع المشربی اور صلح کل کی پالیسی کے ثنا خواں ہیں (ص۱۵۶) جن مسلمان مصنفوں نے یوگ (ص۲۸) پر جو کچھ لکھا ہے یا ہندوازم اور اسلام کو ایک سطح پر رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ان سے بھی بہت خوش ہیں (ص۶۱۔۳۵۶) گرو ارجن دیو سے مسلمانوں کی عقیدت کامل پر بھی خوشی کا اظہار کرتے ہیں (ص۲۱۳) وہ مذہب کو جس سے ان کی مراد اسلام ہی ہوتی ہے، ظالمانہ ایذا رسانی اور ہندوستان کے مختلف باشندوں کے درمیان تعلقات کی خرابی کا ذریعہ سمجھتے ہیں (ص۲۱۴) وہ ایسے علماء، صوفیہ، اور صلحاء کو پسند نہیں کرتے ہیں جنہوں نے راسخ العقیدگی اور

Marfat.com

شریعت کی پابندی پر زور دیا، وہ اگر راسخ العقیدگی (Orthocloxy) کے مخالف ہیں تو گویا بدعقیدگی (helrodoxy) کے ذریعہ ہی اسلام کی اصلی خدمت سمجھتے ہیں، ان کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے وہ راسخ العقیدگی اور بدعقیدگی، خیر و شر، صداقت اور ضلالت، کفر و اسلام میں تفریق پیدا کرنے کے قائل نہیں، کیونکہ ان کے خیال میں اس قسم کی تفریق ہی کو مٹا کر صلح کل اور بقائے باہمی کی فضا قائم کی جا سکتی ہے، مصنف مہدویت کو احیائے اسلام کی ایک تحریک ثابت کرنے میں اپنے کو کامیاب سمجھتے ہیں، اسی طرح کیا عجب کہ مصنف کی اس کتاب کی اشاعت کے کچھ دنوں بعد ڈی لٹ کا کوئی طالب علم اپنے زور بیان سے اطہر عباسیت کو بھی احیائے اسلام کی ایک تحریک ثابت کرنے میں کامیاب ہو جائے، کیونکہ اس میں اسلامی تعلیمات، اسلامی تصوف اور وحدت الوجود کے جو تخیلات پیش کیے گئے ہیں، وہ نہ صرف نئے اور اچھوتے ہیں، بلکہ ان سے مسجدوں، مذہبی مدرسوں اور خانقاہوں میں تو نہیں لیکن پارکوں، سینما گھروں قہوہ خانوں، کانفرنسوں اور مستشرقین کی مجلسوں میں بیٹھ کر بحث کرنے والوں کو اسلام کے سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔

اس کا استدلالی رنگ بھی عجیب و غریب ہوتا ہے۔ کسی تذکرے میں کوئی بات ان کی مرضی کے خلاف ملتی ہے تو وہ فوراً اس کی تردید یہ لکھ کر کرتے ہیں کہ تاریخ کی کتابوں میں اس کی شہادت نہیں ملتی (ص ۴۱۰) اور اگر کوئی بات کسی تاریخ میں ان کے مطلب کی ہوتی ہے تو وہ یہ دیکھ کر اپنے کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ تو کسی معاصر تاریخ میں نہیں، اور وہی بات معاصر تاریخ میں مل جاتی ہے تو لکھتے ہیں کہ یہ تو ضرورت سے زیادہ پر جوش مسلمان معاصر مورخوں کے محض تحسین آمیز بیانات ہیں (ص ۳۹۷) اور جب کسی واقعہ کی شہادتوں کے ڈھیر سے پریشان ہو جاتے ہیں تو فرماتے ہیں اس واقعہ کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے (ص ۳۹۲) اور کوئی بات ان کی مرضی کے مطابق ہوتی ہے تو وہ بکر ماجیت

Marfat.com

حسرت (ص ۳۵۲، ۳۵۱، ۳۴۹، ۳۴۶) قانون گو (ص ۴۰۷ و ۳۵۰) ستیش چندر (ص ۳۹۹) ڈاکٹر نورالحسن (ص ۱۵۵) وغیرہ جیسے مصنفوں اور مقالہ نگاروں اور خود اپنی کتاب مغل کالین بھارت (ص ۱۵۱) کا سہارا لینے میں تامل نہیں کرتے، کہیں اپنی مرضی کے خلاف بات کو جعلی، فرضی اور ناقابل توجہ کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں (۲۹۴) کبھی کسی روایت کو خیالی (Fantasice) (ص ۳۰۱) معروضیت سے دور (Far from objectivity) (ص ۳۰۳) سطحی مشاہدہ (Superficial observation) اکا دکا واقعہ (Strayincident) (ص ۳۰۳) جعلی (Fabicated) توڑے جوڑے ہوئے تاریخی واقعات (Twisted Historical facts) (ص ۳۲۲) اور کبھی سطحی (Superficial) (ص ۲۶) خرافاتی ص ۱۳۵ اور چمڑے سے بندھا ہوا تعصب (Hide found prejudice) (ص ۱۵۶) منفی اور ضرررساں (ص ۱۷۵) نقصان دہ (ص ۱۷۴) رجعت پسندانہ نصب العین (ص ۲۱۲) غیر محتاط فرقہ وارانہ جنون (ص ۲۱۵) فرقہ وارانہ جذبات (۲۴۷) طویل مواعظ (Tirade) (ص ۲،۳) دماغی اور جذباتی توازن کی گمشدگی (ص ۳۱۰) بیہودہ اور ناقص (ص ۳۶۳) بے بنیاد (ص ۳۰۴) خیالی خوف اور وہمی خطرہ (۳۷۵) ضرورت سے زیادہ زور (ص ۳۹۲) جیسے صحافتی رنگ کے الفاظ کا سہارا لیکر اپنے مطلب کے نتائج ناظرین کے سر منڈھنے کی کوشش کرتے ہیں، اور پھر گمراہ کن طرز استدلال نہیں بلکہ کٹ حجتی سے اپنی باتوں کو منوانا چاہتے ہیں۔

مہدویت کی ناکامی کا اصلی سبب یہ بتاتے ہیں کہ اس فرقہ کے خلاف جابرانہ ایذارسانی ختم ہوگئی تو یہ تحریک بھی ختم ہوگئی (ص ۴۲۰۔۱۳۳) کیا سطحی بات نہیں؟ مصنف کو یہ لکھنے میں دکھ محسوس ہوا کہ عام مسلمانوں کو اس تحریک سے کوئی رغبت نہیں ہوئی، اور انہوں نے سید محمد جونپوری کو مہدی موعود تسلیم نہیں کیا، اس لیے یہ تحریک خود بخود ختم ہوئی، مسلمان

Marfat.com

عوام کے نزدیک مہدی موعود کی بڑی شرط یہ ہے کہ وہ قیام کے قریب زمانہ میں نمودار ہوں گے، سید محمد جونپوری کی پیدائش کو پانچ سو برس گذر گئے، لیکن اب تک قیامت نہیں آئی، اس لیے عام مسلمان ان کے دعویٰ کو باطل قرار دیتے رہے اور اب بھی دیتے ہیں، مصنف کی اس کتاب سے ہر جگہ ظاہر ہے کہ جس چیز کو مسلمانوں کا جمہور پسند کرتا ہے، اس کو وہ ناپسند کرتے ہیں، اور جس چیز کو عام مسلمان ناپسند کرتے ہیں اس کو وہ پسند کرتے ہیں، اسی لیے سید محمد جونپوری کے حالات لکھنے میں ان کا قلم بہت ہی نرم اور خوشگوار ہو گیا ہے، وہ خوش ہوں گے کہ اپنی تحریر سے اپنے ناظرین کو اس کشمکش میں ڈال دیا ہے کہ وہ اگر سید محمد جونپوری کو تسلیم نہیں کرتے ہیں تو وہ مجدد الف ثانی کو بھی تسلیم نہ کریں، اور اگر سید محمد جونپوری کو رد کرتے ہیں تو وہ مجدد الف ثانی سے بھی انحراف کریں، مگر عقائد میں مغالطہ آمیز سوفسطائی اور تدلیسی دلائل کام نہیں دیتے، مانو تو دیوتا اور نہ مانو تو پتھر، حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوب نمبر ۶۷ اور ۶۸ جلد سوم میں مہدی موعود کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ وہ عام مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی ہے، لیکن مصنف نے ان ہی مشاہیر کی رائے کا حوالہ دیا ہے، جو ان کے مطلب کی تھی، اس لیے حضرت مجدد الف ثانی کا حوالہ اپنے حاشیہ (ص ۷۰) میں دے کر ان کی رائے کو نظر انداز کر دیا، گو یہ حوالہ بھی صحیح نہیں مصنف نے حضرت مجدد الف ثانی مکتوبات جلد سوم کے مکتوب نمبر ۶۷ اور ۶۸ کا حوالہ دیا ہے، لیکن جلد سوم کے ان مکتوبات میں کوئی بات نہیں، البتہ مکتوبات کی جلد دوم کے مکتوب نمبر ۶۷ میں حضرت مجدد الف ثانی لکھتے ہیں کہ احادیث نبوی ﷺ میں آیا ہے کہ جب مہدی موعود آئیں گے تو اُن کے سر پر ابر ہوگا، اس ابر میں ایک فرشتہ ہوگا، جو پکار کر کہے گا کہ یہ شخص مہدی ہے، اس کی متابعت کرو، اور دوسری احادیث نقل کرنے کے بعد حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں، احادیث میں آیا ہے کہ اصحاب کہف حضرت مہدی کے مددگار ہوں گے، اور حضرت عیسیٰؑ

Marfat.com

ان کے زمانہ میں نزول فرمائیں گے، اور دجال کے قتل کرنے میں ان کے ساتھ موافقت کریں گے، حضرت مجدد الف ثانی یہ تمام حدیث نقل کر کے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ سب علامتیں اور باتیں اُس شخص کے زمانہ میں موجود تھیں، جس نے اہل ہند میں مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا، مصنف اس کا جواب دیں۔

اس میں شک نہیں کہ سید محمد جونپوری کی دعوت کی ابتداء تبلیغ حق، احیائے شریعت اور قیام امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے اعلیٰ مقصد کے ساتھ ہوئی، اگر وہ مہدویت کا دعوی نہ کرتے تو وہ بے شک مجددین میں شامل کیے جاتے، لیکن مہدیت کے دعویٰ کے بعد وہ جمہور مسلمانوں کی نگاہ میں معتوب ہو گئے، پھر مصنف کا بیان ہے کہ سید محمد جونپوری 1443 میں پیدا ہوئے اور 1505ء میں وفات پا گئے، ان کی ساری سرگرمیاں پندرہویں صدی عیسوی میں رہیں، پھر ان کی تحریک کو سولہویں صدی کی تحریک کیسے کہی جا سکتی ہے، بات یہ ہے کہ مصنف نے مہدویت پر ایک مضمون جولائی 1950ء کے مڈیول انڈیا کوارٹرلی علی گڑھ میں لکھا تھا، اس کو ضائع کیوں ہونے دیتے، اس کو بھی تھوڑی سی ترمیم واضافہ کے ساتھ ڈی لٹ کے ممتحنوں کے سر دے مارا، اب پندرہویں صدی لکھتے تو مقالہ کا موضوع ٹھیک نہیں پڑتا، اس لیے مہدوی دائرے کا ایک باب بڑھا کر، سولہویں صدی کا جواز پیدا کر لیا، ان کی کتاب کے اس باب کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس طرح وہ راسخ العقیدگی اور بدعقیدگی کے قائل نہیں، اسی طرح وہ مذہبی فتنہ انگیزی اور مذہبی احیاء میں کوئی تفریق کرنا گوارا نہیں کرتے۔

اور اگر یہی بات ہے تو معلوم نہیں مصنف کو اکبر کے دین الٰہی پر کسی قسم کی بحث کرنے میں کیوں حجاب دامن گیر ہوا حالانکہ سولہویں صدی میں مذہبی سرگرمیوں کا یہ عجیب و غریب نمونہ تھا، مصنف ہی کی طرح پروفیسر مکھن لال چودھری نے تحقیقات کے آسمان و

Marfat.com

زمین کے قلابے ملا کر دین الٰہی کے تمام اصولوں کو عین قرآنی احکام اور اسلامی تصوف کے مطابق بتایا ہے (دین الٰہی ص 195) اس کتاب کی مدح سرائی کرنے میں ڈاکٹر سچدانند نے اس غلو سے تو کام نہیں لیا ہے، جو مصنف کی داد دینے میں پروفیسر حبیب نے لیا ہے، پھر بھی اس کی تعریف میں بڑی تر زبانی کو راہ دیا تھا، اس کو اوریجنل ماخذوں کے گہرے مطالعہ کا نتیجہ اور اکبر کے دین الٰہی کی استادانہ وضاحت بتایا تھا لیکن ارباب نظر کی نگاہوں میں یہ کتاب ایک تحقیقاتی اسکینڈل ہی سمجھی گئی، لیکن ہندوستان کی سولہویں اور سترہویں صدی کی تمام مذہبی سرگرمیوں کا احاطہ کرنے کی کوشش میں مصنف کا دین الٰہی کو بالکل ہی نظر انداز کر دینا معنی خیز ہے، شاید وہ بھی اسمتھ کی طرح اس کو حماقتوں کا پشتارہ ہی سمجھتے ہوں، لیکن وہ اکبر کی وسیع المشربی اور صلح کل پالیسی کے بڑے ثنا خواں ہیں، پھر اس ثنا خوانی کے سلسلہ میں دین الٰہی پر بحث ضرور کرنی چاہیے تھی، لیکن وہ سمجھتے ہوں گے کہ اس پر بحث کرنے سے مصیبت میں مبتلا ہو جائیں گے، ملا عبدالقادر بدایونی نے اس کے خلاف جو زہر پھیلایا ہے اس کا تریاق اکبر کی ہر قسم کی مدح سرائی کے باوجود نہ ابوالفضل جیسا جادو نگار انشاء پرداز اور نہ موجودہ دور کے غیر مسلم مورخین پیش کر سکے، اس لیے ہمارے مصنف نے اس بحث میں پڑ کر مصیبت مول لینا پسند نہیں کیا، حالانکہ اس دور کی تجدیدی اور احیائی کوششوں کو سمجھنے کے لیے دین الٰہی کے ضرر رساں پہلوؤں کو جاننا ضروری ہے۔

ملا عبدالقادر بدایونی نے دین الٰہی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کو ایک ملا کا متعصبانہ بیان قرار دیا جاتا ہے، مصنف کو اکبر کی رواداری، وسیع المشربی اور انتخابیت پسندی کو سراہنے کے لیے ملا عبدالقادر کو بھی زد میں لانا چاہیے تھا، مگر وہ سمجھتے تھے کہ ملا عبدلقادر کے بیانات سے دین الٰہی کے خلاف مسلمانوں کا جو ذہن بن چکا ہے، اس کا بدلنا ان کی امکانی کوشش سے باہر ہے، ورنہ وہ اس کو بھی وحدت الوجود کا ایک شاہکار قرار دے دیتے،

Marfat.com

ملاعبدالقادر کے بیانات کو نظرانداز بھی کر دیا جائے تو اکبرنامہ کے ان بیانات کو کیسے ناقابل یقین کہا جا سکتا ہے، جن کو ابوالفضل نے اکبر کی خداشناسی کے ثبوت میں پیش کیا ہے، اور جس سے اکبر کے ان مذہبی رجحانات کا اندازہ ہوتا ہے، جن کو مصنف انتخابیت پسندی، رواداری اور وسیع المشربی لکھتے لکھتے مطلق نہیں تھکتے، ابوالفضل نے اکبر کے 25 ویں سال جلوس کے واقعات کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ اس نے خداشناسی کی خاطر کچھ ضابطے مقرر کیے جن میں سے کچھ یہ ہیں: سال کے بارہ حصے ہیں، اس لیے سچقان آئیل میں چوہے نہ مارے جائیں، ایلان آئیل میں سانپ نہ مارے جائیں، تخاقو آئیل میں مرغ نہ ذبح کیے جائیں، اور نہ وہ لڑائے جائیں، آیت آئیل میں کتے جیسے وفادار جانور سے دوستی کا ثبوت دیا جائے، تینکو آئیل میں سوروں کو تکلیف نہ پہنچائی جائے جمادی الآخر میں چمڑا نہ استعمال کیا جائے، محرم میں جاندار کو نہ ماریں، الخ (اکبرنامہ جلد سوم ص 34-333)

اکبر کے ان ذاتی رجحانات اور سرکاری احکام کے بعد مسلمانوں میں جو ذہنی انتشار پیدا ہو رہا تھا، اس کو محض مصنف کے خیال کے مطابق وہمی اور خیالی نہیں کہا جا سکتا ہے، ان تمام عوامل کا لازمی نتیجہ ایک مجدد کا پیدا ہونا تھا، اور اگر مصنف کا خیال ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کی ساری سرگرمیاں شورش بے مدعا ہو کر رہ گئی تھیں تو ایک شورش بے مدعا کے لیے 452 صفحے کی بے مثال کتاب لکھنے اور تحقیق کرنے کی ضرورت نہ تھی، مصنف کی یہ منفی کوشش مجددیت کے مثبت ہونے کی دلیل ہے۔ اگر حضرت مجدد الف ثانی اپنے مقصد میں کامیاب نہ رہتے تو مصنف کو اپنے غصہ اور اشتعال کے اظہار کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔

اسی دور میں فرقہ روشنیہ کا بھی مذہبی فتنہ اٹھا، مصنف نے اس کا بھی کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ عہد اکبری میں بایزید روشن جالندھری نے مہدویت سے آگے بڑھ کر نبوت کا دعوی کیا، اور اپنی کتاب کلام البیان کو کلام الٰہی بتایا، اس نے علماء سے بڑے بڑے

Marfat.com

مناظرے کیے، اور جس طرح ہمارے مصنف کو یہ غلط فہمی ہے کہ ان سے کوئی بازی نہیں لیجا سکتا، اسی طرح بایزید روشن کا دعوی رہا کہ مناظرے میں علماء اس سے بازی نہیں لیجا سکتے، اور ایک مستقل فرقہ روشنیہ کے نام سے قائم ہو گیا، اکبر نے فوج کشی کر کے جس تشدد کے ساتھ اس فرقہ کی سرگرمیوں کو کچلنے کی کوشش کی ہے وہ ایک مستقل تاریخ ہے، اور عام مسلمان خوش ہیں کہ فرقہ کچل دیا گیا، لیکن رواداری اور وسیع المشربی کے حامیوں کو اکبر سے ناخوش ہونا چاہیے کہ اس نے ایک نئے مذہبی فرقہ کو پنپنے نہیں دیا، حالانکہ وہ صلح کل کا حامی رہا، مصنف نے سرورق پر ابوالفضل کے جس شعر کا انگریزی ترجمہ دیا ہے اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کفر کی روک تھام پسند نہیں کرتا تھا، ابوالفضل جیسا وسیع المشرب مورخ بھی فرقہ روشنیہ کو فرقہ تاریکیاں لکھتا ہے، اکبر کے حامی یہ کہہ کر اس کی مدافعت کریں گے کہ فرقہ روشنیہ اکبر کی سیاست میں مزاحم ہوا، اس لیے اس نے اس کا قلع قمع کر دیا، یہی بات تو اورنگزیب کے حامی کہتے ہیں کہ جو ہندو راجہ یا شیعی حکمراں اس کی سیاست میں رکاوٹ پیدا کرتے رہے۔ ان کو اس نے پسپا کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ ہندو کش، شیعہ، دشمن، ظالم اور ستمگر کہلایا، اور مصنف بھی اپنی اس کتاب میں یہی راگ الاپتے ہیں، عالمگیر کی مخالفت میں تاریخی لٹریچر کا ڈھیر کیوں نہ لگا دیا جائے، عام مسلمان اکبر کو عالمگیر پر ترجیح دینے کے لیے تیار نہیں، اور اب مسلمان اکبر کی فروگذاشتوں اور خامیوں کو اس لیے نظر انداز کرنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں کہ نئی تحقیقات سے یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے خیالات سے تائب ہو کر آخر وقت میں ایک راسخ العقیدہ کلمہ گو مسلمان ہو گئے تھے، اور اس کا خاتمہ بالخیر ہوا۔

مصنف نے اپنے عجیب وغریب طرز استدلال سے اورنگزیب کو جس رنگ میں پیش کیا ہے، اس سے معلوم نہیں اورنگزیب کی مضحک تصویر سامنے آتی ہے یا خود مصنف کا انداز تحریر مضحک بن گیا ہے۔ لکھتے ہیں:

Marfat.com

''اورنگزیب کا سختی سے شریعت، پرہیزگاری اور شب بیداری کا پابند ہونے کی وجہ سے اس کو ''زندہ پیر'' کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے، لیکن نسبتاً اس کا زیادہ میلان وحدت الوجود کی طرف تھا۔'' (ص ۳۷۵)

اس نتیجہ کے لیے جو صغریٰ کبریٰ پیش کیا گیا ہے وہ یہ ہے:

''جو تصانیف اس کے برابر استعمال میں رہیں وہ شہودیوں یا مجدد یا ان کے مریدوں کی نہ تھیں، بلکہ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے مکتوبات کے مجموعے تھے۔'' (ص ۳۷۵)

گویا حضرت مجدد اور شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کی تعلیمات میں بعد المشرقین تھا، یہ نہ مجددین اور نہ فردوسی سلسلہ کے مریدین کہہ سکتے ہیں، بلکہ یہ دعویٰ مصنف ہی کا ہو سکتا ہے۔

مصنف کی مذکورۂ بالا تحریر سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اورنگزیب پر حضرت مجدد یا ان کے مریدوں کا کوئی اثر نہ تھا، لیکن وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت معصوم، عالمگیر کے پاس موقع بموقع جایا کرتے تھے، (ص ۳۹۱) وہ مرأۃ جہاں نما کے مولف کے حوالہ سے یہ بھی لکھتے ہیں کہ شہنشاہ جو دین کا محافظ تھا ان کا یعنی حضرت معصوم کا مخلصانہ طور پر معتقد تھا، اس لیے ان کو اپنے یہاں متعدد بار بڑی عاجزی سے مدعو کیا، ان سے روحانی ملاقاتیں کرتا، اور بڑی سعادتیں حاصل کیں (ص ۳۹۱) مصنف نے اس کا بھی اقرار کیا ہے کہ حضرت معصوم نے اپنے پانچویں صاحبزادے شیخ سیف الدین کو بادشاہ کے ساتھ رہنے کے لیے بھیجا اور بادشاہ کو متعدد خطوط لکھے، جن میں انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا ہے کہ اورنگزیب کے عہد حکومت میں امن وامان قائم ہے، اور وہ اسلامی روایات کو مقبولیت عام دینے کے لائق ہو گیا ہے (ص ۳۹۱) وہ اس کو بھی لکھتے ہیں کہ حضرت معصوم نے شہنشاہ کی جمعیت باطنی پر

Marfat.com

اطمینان کا اظہا کیا ہے اور انہوں نے شہنشاہ کے بہت جلد روحانی مرتبہ حاصل کرنے کی پیشین گوئی بھی کی (ص ۹۲۔۳۹۱)

وہ روضۃ القیومہ کے حوالے سے یہ بھی لکھتے ہیں کہ شیخ محمد معصوم قیومیت کے ۴۳ ویں سال (۱۰۷۵، ۶۵۔۱۶۶۴) میں اورنگزیب کے پاس شاہ جہاں کی وفات پر تعزیت کرنے گئے، انہوں نے شہنشاہ سے شکایت کی کہ شاہی عہدہ دار جزیہ کی وصولی میں غفلت کر رہے ہیں، اور وہ سوداگروں سے غیر قانونی ٹیکس وصول کرنے میں سختی کرتے ہیں، انہوں نے ۴۵ ویں سال قیومیت (۱۰۷۷، ۷۔۱۶۶۶) میں اپنے لڑکے شیخ سیف الدین کو شہنشاہ کی دینی امور میں رہنمائی کرنے کے لیے مامور کیا، شیخ (یعنی حضرت سیف الدین) نے دہلی کے حلقہ میں داخل ہونے سے پہلے مصوری کے اُن تمام نمونوں اور سونے چاندی کی اُن مورتیوں کو علحٰدہ کرایا، جن کو داراشکوہ نے نصب کرایا تھا، ان کے کہنے پر موسیقی بند کردی گئی، سماع کی مجلس بھی ختم ہوگئی، جو یادِ پارینہ بن کر رہ گئی، شہزادہ اعظم کی شادی کے موقع پر کوئی غیر اسلامی رسم ادا نہیں کی گئی......'' (ص ۳۹۳)

مصنف یہ سب کچھ لکھنے کو تو لکھ گئے ہیں، لیکن پھر کہتے ہیں کہ مجددیوں نے اورنگزیب پر شیخ محمد معصوم کے صاحبزادے کے اثرات کو ضرورت سے زیادہ کھایا ہے (ص ۳۹۷) اور اگر مصنف پر یہ الزام رکھا جائے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں مجددیت کے اثرات کو ضرورت سے کم دکھایا ہے تو کیا وہ اس الزام کو تسلیم کرلیں گے؟ اگر نہیں تو پھر وہ کیوں اپنے ناظرین سے یہ منوانا چاہتے ہیں کہ مجددیت کے اثرات کو ضرورت سے زیادہ دکھایا گیا ہے، کیا اس لیے کہ ان کو سوفسطائی اور صحافتی رنگ کی تحریر لکھنی آتی ہے۔

اگر مان لیا جائے کہ مرأۃ جہاں نما اور روضۃ القیومہ کے بیانات مصنف ہی کے بیانات کی طرح قابل تنقید ہوسکتے ہیں تو حضرت معصوم کے خطوط پر اس قسم کی تنقید کرنا محض

Marfat.com

بے باکی ہوگی، کیونکہ ان کو لکھتے وقت حضرت معصوم کو کبھی خیال بھی نہ آیا ہوگا کہ یہ طبع ہوکر عام لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچیں گے، اس لیے جب وہ اپنے صاحبزادے کو یہ لکھتے ہیں کہ

''تم نے بادشاہ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ان کے اندر وسعت لطیفہ اخفی، اور اس سے مناسبت تامہ کا پتہ چلتا ہے تو اس بات کے مطالعہ سے خوشی ہوئی، لطیفہ اخفی سب سے بڑا لطیفہ ہے، اس کی ولایت سب ولایات سے اونچی ہے، اس لطیفہ کو خاص سرور کائنات کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے۔ فقیر بھی بادشاہ کے اندر لطیفہ اخفی کی مناسبت پاتا ہے والغیب عند اللہ''

(مکتوبات حضرت محمد معصوم سرہندی ص ۸۹۔۲۸۸)

تو اس خط کے پڑھنے کے بعد یہ کہنا پڑے گا کہ عالمگیر مجددیوں کے اثرات سے راہ سلوک کی بہت سی اعلیٰ منزلیں طے کرنے میں لگا ہوا تھا، لیکن مصنف اس کو اس لیے تسلیم نہیں کریں گے کہ وہ دوسروں کی نہیں سنتے بلکہ اپنی ہی کہتے ہیں، اور کہتے جاتے ہیں، اور کہنے میں وہی پرفریب طریقہ اختیار کرتے ہیں جو ایک وکیل جھوٹے مقدمہ کو پیش کرنے میں کرتا ہے یعنی اس کو ایک جھوٹ کی مدافعت میں معلوم نہیں کتنے جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔

مصنف نے ہم کو یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ اورنگزیب وحدت الوجود کی طرف مائل تھا، تو ہم کو اس کے طرز استدلال کے مطابق یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس میں راسخ العقیدگی نہ تھی، لیکن وہ اپنے ناظرین کو یہ بھی تسلیم کرانا چاہتے ہیں کہ

''اورنگزیب ایک ایسا حکمراں تھا جو اپنے عقیدہ میں پاکیزہ اور راسخ تھا، اور اس کا مکمل رجحان سنیوں کے عقائد کی طرف تھا، اس معاملہ میں وہ بلاشبہہ اس نصب العین کے قریب تھا جو مجدد کا تھا'' (ص ۴۱۳)

Marfat.com

اور جب ناظرین اس کو تسلیم کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں تو یکا یک گل افشانی کرتے ہیں۔

''اورنگزیب ایک سیانے حکمران اور منظم سلطنت کی حیثیت سے اپنے کسی قانون کی عملیت کو دیکھے بغیر مجدد کے مذہبی تخیلات کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔'' (ص ۴۱۷)

وہ اپنے متضاد بیانات کی پروا مطلق نہیں کرتے، وہ جہاں یہ لکھتے ہیں کہ اورنگزیب پر مجددیوں کا کوئی اثر نہ تھا اور

''اورنگزیب کے عہد حکومت کے آغاز ہی میں مجددیوں کی قوت ختم ہو چکی تھی۔'' (ص ۴۲۶)

وہاں یہ بھی لکھ گئے ہیں:

''مجدد کے بعض جانشینوں نے شہنشاہ (اورنگزیب) کی عنایتوں سے آفتاب کی گرم گرم روشنیوں سے خوب گرم ہوئے اور دربار کی سازشوں سے بھی کھیلے۔'' (ص ۴۱۳)

وہ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ

''شہنشاہ یعنی اورنگزیب کو جو معاملات اس کے موافق نہ ہوتے اس میں وہ شرع کو تختہ کے اوپر سے پھینک ڈالتا۔'' (ص ۳۹۴)

اور پھر یہ بھی لکھ گئے ہیں:

''شہنشاہ کا بڑھتا ہوا رجحان راسخ العقیدگی کی طرف تھا اور اس کی پالیسی تھی کہ ہر شعبہ میں مذہبی پاکیزگی (pciritanism) بڑھتی رہے اسی سبب سے قاضی، محتسب اور علماء کی قوت بڑھنے

Marfat.com

لگی''۔(ص ۳۹۶)

وہ یہ بھی لکھتے ہیں:

اورنگزیب کا عہد حکومت سادات، مشائخ اور علماء کے لیے ایک نعمت عظیم تھا۔(۴۱۰)

لیکن اسی باب میں یہ بھی رقم طراز ہیں کہ:

اورنگزیب کی حکومت کے زمانہ میں احیاء پسندوں اور رجعت پسندی کے علمبر داروں کی جتنی مخالفت ہوئی اور مسلمانوں کے اعلیٰ طبقہ نے ان کے خلاف ایذارسانی کے جو اقدام کیے وہ گذشتہ حکومتوں کے زمانہ سے زیادہ تھے''۔(ص ۴۱۴)

اور پھر کچھ دیر کے بعد یہ بھی کہہ گئے ہیں:

''اورنگزیب کے عہد میں سادات، مشائخ اور علماء کی بڑی سرپرستی ہوئی''۔(ص ۴۲۶)

ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اورنگزیب کی پرہیزگاری راسخ العقیدگی اور قانونی روش اس کی ذاتی اور نجی زندگی تک محدود رہی......''(ص ۴۰۱)

لیکن آگے چل کر یہ بھی لکھتے ہیں:

''اس شہنشاہ نے مسلم سوسائٹی میں پوری سرگرمی سے ایک انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کی۔''(ص ۴۲۷)

ایک اور موقع پر کہتے ہیں:

''اورنگزیب نے دین متین کو مضبوط کرنے اور شرع سید المرسلین کی ترویج دینے کا نعرہ بلند کیا، جس کی شہرت اس کے عہد کے مورخین

Marfat.com

نے بڑی گرم جوشی سے دی ہے''......(ص ۳۶۳)

مصنف کی کتاب میں اس قسم کے بہکے بہکے بیانات کی بکثرت مثالیں ملیں گی، جن کی خبر نہ مصنف اور نہ ان کے ممتحنوں کو ہے، مصنف کے بعض الہامی بیانات یہ ہیں:

''ہندی الفاظ اور ہندوؤں کے عبادتی گیت صوفیوں کے لیے اسی طرح تھے جس طرح کہ ان کی سانس تھی۔'' (ص ۳۶۳)

''اس نے (یعنی اورنگزیب نے) راجپوتوں سے قسم کھائی تھی کہ وہ ایک سکولر اور فیض رساں حکمراں بن جائے گا، اگر وہ اس کی تخت نشینی میں مدد کریں گے۔'' (۳۶۴)

''جوگیوں کے ملنے ملانے سے اسلامی نفسیات کے مخفی تعبیرات کو اکساوا ہوا''۔(ص ۴۱۸)

''محفل سماع میں ہندی شاعری اور گیت کی وجہ سے ہندوؤں کے علم الاساطیر صوفیوں میں مقبول عام ہوئے''۔(ص ۴۱۹)

''لوگ اورنگزیب کے عہد میں بدعتوں کے خلاف مواعظ سننے کے لیے مطلق تیار نہیں ہوتے۔'' (ص ۴۶۷)

''اورنگزیب کے عہد میں وحدت الوجود کی بڑی مقبولیت اس کی عظیم ترین فتح تھی۔'' (ص ۴۲۷)

Marfat.com

(۴)

مصنف نے ہر موقع پر اپنے کو غیر جانبدار محقق ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے اور انہوں نے اپنے مقالہ کے ممتحنوں سے اس کی سند بھی حاصل کرلی ہے، لیکن ان کے ممتحن وہ لوگ ہیں جن کو ہندوستان کے مسلمانوں کی احیائے دین کی تحریکوں سے کوئی خاص واسطہ نہیں رہا، مصنف نے بعض بزرگان دین کی مدح ضرور کی ہے، لیکن یہ مدح اس لیے نہیں ہے کہ وہ واقعی ان کے قائل ہیں، بلکہ اس لیے کہ اس مدح کے پردے میں اپنے ناظرین کو حضرت مجدد الف ثانی کی قدح سننے کے لیے تیار کرنا چاہتے ہیں، جو اُن کی کتاب کی اصل غرض و غایت ہے، لیکن ان کو شاید یہ خبر نہ ہو کہ اس کی کتاب کے پڑھنے والوں پر کیا اثرات ہوتے ہیں۔

مصنف اجازت دیں تو ان ہی کے خاص خاص الفاظ کا سہارا لیتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے دماغی اور جذباتی توازن کو گم کر کے (ص ۳۱۰) ذہنی بحران میں مبتلا ہو کر بیجا حجتوں (ص ۱۷۵) ملامتوں، شدت بھری تنقیدوں (ص ۲۵۱) سے کام لے کر تاریخی واقعات کو توڑ مروڑ کر (ص ۳۲۲) اور غیر مبہم طریقہ کے الزامات رکھ کر (ص ۲۵۱) حضرت مجدد الف ثانی کی سیرت و کردار کا جو سطحی مطالعہ (ص ٦٦) کیا ہے اُس میں ان کے چمڑے سے بندھے ہوئے تعصب (ص ۱۵٦) کو زیادہ دخل ہے جس کے اظہار میں ان کو نہ صرف حضرت خواجہ باقی باللہ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ، زبدۃ المقامات اور روضۃ القیومیہ کے مولفوں بلکہ ڈاکٹر اقبال، مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی، مولانا ابوالکلام آزاد،

Marfat.com

مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد میاں دیوبندی، مولانا محمد منظور نعمانی، ڈاکٹر یوسف حسین، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، پروفیسر عبدالرشید، خلیق احمد نظامی وغیرہ سب ہی کو بُرا بھلا کہنا پڑا ہے، تب جا کر وہ اپنے ممتحنوں کو خوش کر سکے ہیں لیکن اس کے لیے ان کو اپنے ضمیر اور عزت نفس کی جو قیمت ادا کرنی پڑی ہے۔ اس کا فیصلہ ان کی کتاب کے ناظرین ہی کر سکتے ہیں۔

مصنف نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو خود ساختہ مجدد اور قیوم کہہ کر اُن کی سیرت اور تجدیدی سرگرمیوں کی جو مرقع کشی کی ہے، وہ ناظرین ملاحظہ کریں:

اگرچہ مجدد اپنی صحبتوں سے اپنے معاصرین کو متاثر کرنے میں ناکام رہے، لیکن ان سے نہ صرف مسلمانوں کے مختلف طبقوں میں باہمی بے اعتمادی اور نااتفاقی پیدا ہونے کے رجحانات بڑھ گئے بلکہ ملک کے سیاسی جسم میں فرقہ وارانہ زہر کا انجکشن پڑ گیا۔ (ص ۱۷۵)

''جہانگیر کی حکومت کے آغاز میں شیخ احمد نے فرقہ وارانہ جوش کو بلاشبہ تھوڑی سی کامیابی کیساتھ اکسایا۔'' (ص ۲۱۵)

''موجودہ دور کے فضلا نے اُن کو ایک خرافاتی شخصیت بنا دیا ہے''۔ (ص ۲۱۵)

وہ کوئی سیاسی مفکر یا انتظامی امور کے انجام دینے والے نہ تھے، ان کو دنیاوی امور اور ملک کی انتظامی ضروریات کا محدود تجربہ تھا،...... وہ اپنے ذاتی تعصّبات یا سرہند کے اردگرد کے حالات...... غیر مطمئن شاہی عہدہ داروں کی باتوں کو سن کر کسی نتیجہ پر پہنچتے''۔ (ص ۲۴۶)

''وہ بظاہر اس غلط خیال میں مبتلا رہے کہ جہانگیر ہر چیز کو درست کردے گا اور اسلام کو اس کی پہلی شان وشوکت پر لے آئے گا، اگر

Marfat.com

وہ اپنی تلوار ہندوؤں اور شیعوں کے خلاف استعمال کرتا رہے گا۔'' (ص ۲۴۷)

''انہوں نے راسخ العقیدگی کی تجدید کے لیے امراء کو آلہ کار بنانے کی کوشش کی اور...... فرقہ وارانہ جذبات سے اپیل کی''۔ (ص ۲۴۷)

''بے بنیاد خوف اور خطرات مجدد کے دماغ پر چھائے تھے۔'' (ص ۲۴۸)

''شیعوں کے سیاسی اقتدار کی وجہ سے ان میں پسپائی اور حسد کا جذبہ پیدا ہوا، جس سے شیعوں سے ان کو نفرت پیدا ہوگئی، اور انہوں نے اپنی زندگی کا آغاز ایک علیحدہ رسالہ رد روافض لکھ کر کی جس میں شیعوں کے اعتقادات کو رد کیا ہے۔'' (ص ۲۵۰)

''مجدد نے اپنے یا گذشتہ دور کے علماء کے متعلق جو سطحی باتیں کہیں، ان پر غیر مبہم طریقہ سے جو الزامات رکھے، ان سے عام لوگوں کو کوئی مدد نہیں پہنچی، ان کی ملامتوں اور شدت بھری تنقیدوں نے مسلمانوں کو اُس جگہ سے آگے نہیں بڑھایا جہاں وہ تھے۔'' (ص ۲۵۱)

''مجدد کے معاصر اور بعد کے صوفیہ ان کے دعاوی سے کبھی متفق نہ ہو سکے، خواجہ باقی باللہ کے لڑکوں اور دوسرے اہم مریدوں نے ان کے ضابطوں کی مخالفت کی۔'' (ص ۲۶۰)

''ان میں ایک صوفی کی وسیع المشربی اور فیاضانہ روش سے زیادہ ایک ملا کی تنگ نظری تھی۔'' (ص ۳۱۱)

''وحدت الوجود کے خلاف مجدد کے طویل مواعظ ابن تیمیہ، شیخ علاء الدولہ سمنانی اور گیسو دراز کی تعلیمات پر مبنی تھے، لیکن وحدت الوجود

Marfat.com

اور وحدانیت کے رجحانات سے ٹکرا کرنا کام رہ گئے جو اُس زمانہ کے مسلمانوں کی معاشرت میں نفوذ کر گئے تھے۔'' (ص ۳۱۲)

''مجدد کی تعلیمات پر جب ان کے مقلدوں نے عمل کیا تو ان سے بلند قسم کے اخلاقی اقدار پیدا نہیں ہوئے۔'' (۳۱۲)

مجدد نے اپنے مریدین ملک کے مختلف مقامات میں مامور کیے، لیکن انہوں نے اپنے علاقہ کے لوگوں پر کوئی اثر نہیں چھوڑا، وہ اپنے نصب العین کی حمایت میں کشف و کرامات ہی کا سہارا لیتے...... مجدد کے خلفاء اپنے پاس ایک متعصب ملا کے زہر کے علاوہ کچھ نہ رکھتے۔'' (ص ۴۲۴)

''مجددیوں کی قوت اورنگزیب کی حکومت کے شروع ہوتے ہوتے ختم ہو چکی تھی۔ (۱۰۷۹ھ، ۱۶۶۸ء) میں شیخ محمد معصوم کی وفات کے بعد مجدد کی رہی سہی عزت ختم ہو گئی، مجدد کے پوتے تو انتشار اور اخلاقی بدحالی کے پلیگ میں مبتلا رہے۔'' (ص ۴۲۶)

اورنگزیب جیسے راسخ العقیدہ مسلمان شہنشاہ کے عہد میں ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی میں جو انتشار اور اختلال رہا، اُس سے مجدد کے اس عقیدہ کا کھوکھلا پن ظاہر ہو گیا کہ اگر حکمرانوں کو راسخ العقیدہ بنا دیا جائے تو ساری برائیاں دور ہو سکتی ہیں۔'' (ص ۴۲۷)

مصنف شاید خوش ہوں گے کہ انہوں نے اپنی ان تحریروں سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی عزت و شہرت کو خاک میں ملا کر رکھ دیا، لیکن ان کی کوششوں کے باوجود حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شخصیت کا آئینہ وہ آئینہ ہے ع

Marfat.com

جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

مصنف شاید اس سے بے خبر نہیں کہ برطانوی حکومت کے زمانہ میں انگریز مصنفوں نے ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی حکومت کو محض زحمت ہی زحمت ثابت کرنے کی کوشش کی، لیکن ان کی اس قسم کی تخریبی کوششوں کا ردعمل یہ ہوا کہ عام مسلمان، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی حکومت کو رحمت ہی رحمت سمجھ رہے ہیں، اور اس غلو میں رند مشرب اور نالائق حکمراں کو بھی اچھا کہنے لگے، اسی طرح سر جدونات سرکار نے تیس برس کی محنت میں اورنگزیب پر پانچ جلدیں لکھیں اور غیر مسلموں کی نگاہوں میں اورنگزیب کو برا دکھانے کی کوشش کی، لیکن اس سے مسلمانوں کی نظر میں اورنگزیب اور بھی زیادہ ان کا سیاسی، قومی اور مذہبی ہیرو بن گیا، وہ اس کو رحمۃ اللہ علیہ کہتے اور لکھتے ہیں، اور اب تو اس کا عرس بھی منایا جانے لگا ہے، اور اب ہندوستانی مسلمانوں کے مذہبی پیشواؤں کو برا ثابت کرنے کی مہم اٹھائی گئی ہے۔ ۱۹۶۴ء میں انٹرنیشنل اورینٹل کانگرس کا اجلاس دہلی میں ہوا تھا۔ اس میں مجلس استقبالیہ کی طرف سے Oriental studies in India یعنی ہندوستان میں مشرقی علوم کے نام سے جو کتاب شائع ہوئی تھی، اُس میں شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کو فرقہ وارانہ فلسفہ کہا گیا تھا (ص ۹۷) سمجھ میں نہیں آتا کہ فرقہ واریت سے کیا مراد ہے، مصنف بھی ہمارے بزرگان دین کی مذہبی سرگرمیوں کو فرقہ وارانہ کہنے میں تامل نہیں کرتے، ہندوستان کے سیاسی ہنگامہ کے اس دور میں ہر ہر چیز میں فرقہ واریت کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے، بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق نے ایک موقع پر اس کی تعریف یہ کی تھی کہ مسلمانوں کی اکثریت جس چیز پر متفق ہو جائے وہ تو فرقہ واریت ہے لیکن ہندوؤں کی اکثریت جس چیز پر اتفاق کرے وہ قومیت ہے، اسی تعریف کے رد سے مصنف نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ صرف فرقہ واریت ابھارتے رہے، لیکن اس کو کیا کیجئے کہ اسی

Marfat.com

فرقہ واریت کی بدولت وہ اس وقت ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں کے مذہبی ہیرو بنے ہوئے ہیں، جیسا کہ ان مضامین اور تصانیف سے ظاہر ہوگا جو اب تک ان کے متعلق شائع ہوچکی ہیں، خود مصنف کو بڑے دکھ اور درد کے ساتھ لکھنا پڑا ہے:

''شیخ احمد سرہندی کو آئندہ صفحات میں مجدد کہا جائے گا، ان کے مقلدین ان کی سرگرمیوں کو بعد کی نسلوں میں پرشکوہ بناتے رہے ہیں، اور موجودہ دور کے فضلا نے ان کی شخصیت کو خرافانی بنا دیا ہے، مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے آباء واجداد کو عوام سے روشناس کرنے اور مسلمانوں میں قومی جذبات پیدا کرنے کے لیے ۱۹۱۹ء میں تذکرہ لکھا، اس میں بعض علماء اور صوفیہ کی سرگرمیوں کی تعریف کی گئی ہے، اُن میں مجدد بھی شامل ہیں، جن کو ریاست کی حکمت عملی سے اتفاق نہیں رہا، اس کتاب کی اشاعت کے بعد مجدد کی شخصیت اور اثرات کی نئی تعبیر کی گئی، مولانا آزاد کے تذکرہ کے بعد جو تصانیف شائع ہوئی ہیں، اُن میں فرقہ پرستوں اور ہندوستانی قوم پرستوں دونوں نے مجدد کو ایک ہیرو کی حیثیت سے پیش کیا، فرقہ پرست تو ان کی تعریف یہ سمجھ کر کرتے ہیں کہ انہوں نے اسلام کی خاطر جہانگیر کو بدعقیدگی کے دائرہ سے نکال کر مغل حکومت کو بچا لیا اور ہندوستانی قوم پرست ان کو انقلابی اس لیے کہتے ہیں کہ انہوں نے جہانگیر کو سجدہ نہیں کیا۔'' (ص ۱۶-۲۱۵)

ہمارے مصنف صلح کل کے حامی ہیں، لیکن اگر واقعی اس کے قائل ہوتے تو وہ جمہور مسلمانوں کے ایک ہیرو کے خلاف اپنے غصہ اور اشتعال کا اظہار نہ کرتے، لیکن وہ

Marfat.com

تو صلح کل کی آڑ میں اپنی مقصد برآری کرنا چاہتے تھے، جو خدا کرے پوری ہوگئی ہو۔

اگر برطانوی حکومت کے زمانہ میں یہ کتاب شائع ہوئی ہوتی تو مسلمان اس کے خلاف اسی طرح احتجاج کر کے ضبط کرا دیتے جس طرح تفضّل داؤد کی کتاب سیوا جی کے خلاف ہندوؤں نے احتجاج کر کے ضبط کرالی تھی کہ اس سے عام ہندوؤں کی دلآزاری ہوتی تھی، حالانکہ سیوا جی کے مصنف نے بھی بلند پایہ اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کا دعویٰ اسی طرح کیا تھا جس طرح ہمارے مصنف کو غلط فہمی ہے، سیوا جی کو مسلمان خواہ کچھ بھی سمجھیں، لیکن اس کی مخالفت کرنے میں وہ سمجھتے ہیں کہ ہندوؤں کی دلآزاری ہوگی، کیونکہ غلط یا صحیح سیوا جی کو عام ہندوؤں نے اپنا ہیرو مان لیا ہے، اسی طرح عام مسلمان جن بزرگان دین کو قابل احترام سمجھتے ہیں، اُن کے خلاف بدکلامی کرنا کہاں تک صحیح ہے، ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ اگر ہندو سیوا جی کو برا کہیں تو ہندو مشتعل نہ ہوں گے، اسی طرح کوئی مسلمان اگر مجدد الف ثانیؒ کو برا کہے تو مسلمانوں کو مشتعل نہ ہونا چاہیے، لیکن خود مصنف کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلاف قلم اٹھانے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا کہ خواہ اپنے کو کتنا ہی غیر جانبدار دکھانے کی کوشش کریں، ان کی مخالفت ان کی فرقہ واریت ہی پر محمول کی جائے گی، جس کی ذمہ داری ان ہی پر ہے، وہ بظاہر خوش ہوں گے کہ انہوں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلاف تیر ونشتر چلا کر اپنی طبیعت اور سرشت کا اچھا نمونہ پیش کیا ہے، لیکن اسی ہندوستان میں اس کی بھی مثال موجود ہے کہ گاندھی جی کے المناک قتل پر لوگوں نے مٹھائی کھا کر اپنی خوشی کا اظہار کیا، تحقیقاتی نیش زنی، ذہنی بے راہ روی اور قلمی کجروی کی بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں، ہندوستان ہی میں ایسے اہل قلم اور محقق پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ رام چندر جی کی کہانی فرضی ہے، یہ کسی مصری داستان سے ماخوذ ہے، کربلا کے واقعات پیش ہی نہیں آئے، امام حسینؓ نے قسطنطنیہ میں وفات پائی، قطب مینار، لال قلعہ

Marfat.com

اورتاج محل مسلمانوں کی بنائی ہوئی عمارتیں نہیں ہیں، بلکہ ہندوؤں کی تعمیر کردہ ہیں، اور ابھی حال ہی میں محمود عباسی نے یزید بن معاویہ لکھ کر ہندوستان و پاکستان کے مذہبی اور علمی حلقہ میں ایک ہلچل مچادی، لیکن محمود عباسی اوران ہی کے جیسے محقق اور ہمارے مصنف میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر کا فعل ذاتی اور اضطراری ہے، لیکن ہمارے مصنف کی تحقیق ایئق آگرہ یونیورسٹی نے شائع کی ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ مصنف کی سازش میں یونیورسٹی بھی شریک ہے، تعجب اس کا ہے کہ یونیورسٹی جیسے بلند مقام سے کیچڑ اچھالنے کا کام لیا جائے۔

مصنف نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلاف جو کچھ لکھا ہے، اس کا جواب دینا بیکار ہے، کیونکہ حضرت مجددؒ کی حمایت میں حقائق و واقعات کا ڈھیر لگانے پہ بھی مصنف یہی کہیں گے کہ یہ مشکل سے قرین عقل (Hardly tenable) ہے (ص ۲۰۷) یہ ناقابل یقین Unconvincing ہے (ص ۲۰۸) یہ خطیبانہ طرز بیان Rhetorical) (floureshes ہے (ص ۲۲۸) یہ برف کے تودے کو مشکل سے کاٹتا ہے (ص ۲۹۹) اس میں مناظرانہ رنگ (Polemics) ہے (ص ۲۴۳) یہ محض فرقہ وارانہ جنون ہے، یہ مجددوں کے معذرت خواہوں کے بیانات ہیں (ص ۲۱۷) اس لیے اس کی تردید ایک فعل عبث ہے، لیکن مصنف کے مقالہ کے ممتحنوں سے یہ پوچھنا ہے کہ کیا ایسے الفاظ کسی سنجیدہ مقالہ نگار یا مورخ کے ہو سکتے ہیں، یا کسی سیاسی پلیٹ فارم کے عوامی مقرر یا ادنی درجہ کے صحافی یا ایک جھوٹے مقدمہ کے وکیل کے ہیں، جو اس قسم کے الفاظ اور فقروں کے سہارے اپنے دعوی کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس لیے مصنف کے بیانات کو تو ہم نظر انداز کرتے ہیں، مگر تعجب پروفیسر محمد حبیب جیسے محقق پر ہے جو مصنف کی تحقیقات سے متاثر ہو کر حضرت مجددؒ کو اتنا ہی برا سمجھنے پر آمادہ ہو گئے ہیں، جتنا مصنف سمجھتے ہیں، ان کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ وہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے متعلق تو ضرور اچھی رائے رکھتے ہوں گے، انہوں

Marfat.com

نے شیخ احمد سرہندیؒ کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے اُس کا غور سے مطالعہ کریں، وہ لکھتے ہیں:

''سرہند میں شیخ احمد نام کا ایک آدمی بڑے علم والا ہے، چند دن فقیر کی مجلس میں رہا، فقیر نے اس کے روزگار اور اوقات سے بہت عجیب عجیب باتیں مشاہدہ کیں، امید ہے کہ وہ ایسا چراغ روشن ہوگا جس سے تمام جہان روشن ہو جائے گا، اس کے احوال کاملہ یقینی ہیں، اس کے کامل احوال دیکھ کر میرا پختہ یقین ہے کہ وہ ایسا ہی ہوگا، الحمدللہ شیخ مذکور کے جتنے بھائی اور قریبی رشتہ دار ہیں سب کے سب نیک اور عالم آدمی ہیں، اس دعا گو نے بعض سے ملاقات کی ہے، سب بیش قیمتی موتی ہیں اور عجیب استعداد رکھتے ہیں۔''

(مکتوبات خواجہ باقی باللہ رقعہ نمبر ۶۱)

پروفیسر صاحب موصوف صوفیائے کرام کے بیشتر تحریروں کو جعلی قرار دینے کے عادی ہو گئے ہیں، لیکن یہ رقعہ جعلی اس لیے قرار نہیں دیا جا سکتا کہ اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق محدثؒ دہلوی نے بھی اس کو نقل کیا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ ''حضرت خواجہ باقی باللہؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ شیخ احمد آفتاب ہیں، جس کے سایہ میں ہم جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں''۔ (اخبار الاخیار ص ۳۰۲)

پروفیسر محمد حبیب اخبار الاخیار کو بہت ہی مستند تذکرہ سمجھتے ہیں، اس کے مصنف کے ناقدانہ فہم اور شہادتوں کی چھان بین کرنے کی صلاحیت کی تعریف کرتے ہوئے ان کو محفوظ ترین رہنما قرار دیتے ہیں، ان کے اشارات کو مفصل تحقیقات کے لیے انتہائی مفید بھی بتاتے ہیں اور یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ وہ جو کچھ لکھتے ہیں، اس میں بڑی حزم و احتیاط ہوتی ہے۔ (مڈیول انڈیا کوارٹرلی اکتوبر ۱۹۵۰ء ص ۱۱)

Marfat.com

پروفیسر صاحب کی نظر سے حضرت مجدد الف ثانی کے متعلق شیخ عبدالحق کے خیالات اخبار الاخیار میں شاید نہیں گذرے، شیخ عبدالحق حضرت مجدد کو زبدۃ المقربین، قطب الاقطاب، فضیلت مآب، مظہر تجلیات الٰہی، مصدر برکات نامتناہی لکھ کر ان کو امام ربانی اور مجدد الف ثانی کے خطاب سے یاد کرتے ہیں، اور ان کا ذکر کرتے ہوئے کیا لکھتے ہیں:

> چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں آپ کی شہرت ہر طرف پھیل گئی، اور آپ کے آستانہ پر صاحبان کمال سب ہی جمع رہنے لگے، علماء دور اور نزدیک سے آئے، اور ترکستان، تاجیک کے امرا، آپ سے ملاقات کے لیے حاضری دیتے، مشائخ وقت آپ کی ارادت میں داخل ہوئے اور اکابر زمانہ آپ سے تواضع سے ملتے تھے، آپ کی وجہ سے تانبا سونا بنا اور ذرے آفتاب کہلائے آپ کی بابرکت ذات اللہ تعالیٰ کی نشانی اور اس کی خاص نعمت تھی، بڑے بڑے صوفیہ اور علماء کے درمیان ایک ہزار سال سے جو نزاع تھی وہ آپ نے صاف کرائی اور احادیث کے موافق ان دونوں کو ملا دیا، جیسا کہ مشہور کتاب حضرات القدس میں ہے کہ علامہ سیوطی نے اپنی کتاب میں یہ حدیث نقل کی ہے، رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے، میری امت میں ایک ایسا شخص ہوگا جسے لوگ صلۃ کہیں گے اور اس کی سفارش سے اتنے اتنے اشخاص جنت میں جائیں گے اور یہ آپ ہی کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ آپ ہی نے علماء وصوفیہ کا درمیانی تنازعہ ختم کر دیا اور آپ نے مسئلہ وحدت الوجود کی جانب دونوں کو ایک راہ لگائی، چنانچہ اس تحریر کے بعد آپ نے خود تحریر کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ

Marfat.com

شکر ہے کہ اس کے بحرین کے درمیان مجھے صلہ بنایا۔

آگے چل کر شیخ عبدالحق تحریر فرماتے ہیں:

''آپ وہ آفتاب تھے جن سے منکروں کی آنکھیں خیرہ اور حاسدوں کے دل تیرہ ہو جاتی ہیں، یہ معارف وحقایق، ہدایات و ارشادات جو سنے اور دیکھے جا رہے ہیں، یہ اُس ذات والا صفات کے ہیں، جو علی علی کہتے تھے، آپ مجدد ہیں، سو سال کے بعد کے مجدد نہیں، بلکہ حضرت علیؓ کے ہزار سال کے بعد والے مجدد ہیں، اور یہ کوئی معمولی فرق نہیں، بلکہ بہت بڑا فرق ہے، کاش تم لوگ اس سے واقفیت حاصل کرو۔

آپ کے مکارم اخلاق اور حسن سیرت کی بابت کیا کہا جائے، صبر و تحمل، رضا وتسلیم اور ہر شخص کی تعظیم مخلوق الٰہی پر شفقت، ان کے ساتھ صلۂ رحم مستحقین کی امداد، السلام علیکم کرنے میں سبقت، آہستہ و نرم گفتگو، آپ کی سیرت وخصلت تھی، آپ کا مسلک کتاب وسنت کے مطابق تھا، آپ کی یہ فضیلت دوسری تمام فضیلتوں سے سبقت لے گئی ہے۔''

شیخ عبدالحق کو جو فیوض حضرت مجددؒ سے پہنچے اُن کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''مجھ فقیر عبدالحق کو حضرت شیخ احمد سرہندیؒ نے جو صفائے باطن عنایت فرمائی ہے، وہ بے حد وشمار ہے، حضرت شیخ نے ہمارے درمیان کوئی پردہ، بشریت وحجاب باقی نہیں رکھا، آپ نے طریقت،

Marfat.com

انصاف اور عقل جو بزرگوں کا خاصہ ہے، اس دنیا کے اندر میرے باطن میں بطریقہ ذوق ووجدان وغلبہ کے پوری طرح جاگزیں کر دیا، جس کے اظہار سے زبان عاجز ہے، تمام تعریفیں اور پاکیزگی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، جو دلوں کو بدلتا اور حالات کو درست کرتا ہے، بعض لوگ شاید اس کو دور کی بات سمجھیں، لیکن میں نہیں جانتا کہ اب میری کیا حالت اور کیا طریقہ ہے۔''

(اخبار الاخیار ص ۳۰۵۔۳۰۳، نیز دیکھو اردو ترجمہ ۳۲۔۵۳۰)

ان تحریروں کے بعد پروفیسر حبیب صاحب فیصلہ فرمائیں کہ حضرت شیخ عبدالحق جیسے محفوظ ترین رہنما اور حزم واحتیاط سے لکھنے والے مصنف کے ان بیانات کی روشنی میں کسی اور کی تحقیق کا چراغ روشن ہوسکتا ہے، یہ اور بات ہے کہ اس پورے اقتباس کو پروفیسر صاحب اور ان کے مقلدین جعلی اور الحاقی قرار دیں، اگر محض قیاسات کی بنا پر اس قسم کے مانندوں کو جعلی اور الحاقی قرار دینے کا سلسلہ جاری رہا تو پھر کوئی بھی ماخذ مستند اور اصلی قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، مڈیول انڈیا کواٹرلی میں اخبار الاخیار کی تعریف لکھتے ہوئے پروفیسر صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ اس کے کچھ حصے الحاقی ہیں، اب یہ اور بات ہے کہ جب مذکورۂ بالا اقتباسات ان کی رائے کے خلاف ہوں تو وہ ان کو الحاقی کہہ کر رد کردیں۔

شیخ عبدالحق کو حضرت مجدد الف ثانیؒ سے کچھ دنوں اختلاف ضرور رہا، لیکن اُن کے تعلقات کا جس طرح خاتمہ بالخیر ہوا، اور وہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے فضائل وکمالات کے جس طرح قائل ومعترف ہوئے، اُس کا اندازہ اخبار الاخیار کے مذکورۂ بالا اقتباسات سے ہوگا، جس کی تصدیق اور ذرائع سے بھی ہوسکتی ہے، کیا پروفیسر صاحب اور مصنف یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ شیخ عبدالحق اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے تعلقات بعد میں خوشگوار نہیں

Marfat.com

ہوئے؟ ہمارے مصنف نے شیخ عبدالحق کے اس خط کے اقتباسات کو بہت شوق سے توڑ مروڑ کے پیش کیا ہے (ص ۲۷۰۔۲۶۸) جس سے شیخ عبدالحق اور حضرت مجددؒ کے اختلافات ظاہر ہوتے ہیں، لیکن جب یہ اختلافات دور ہوگئے اور شیخ عبدالحق نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی عظمت ماننے کے بعد جن خیالات کا اظہاران کے بارے میں کیا ہے، اُس کو مصنف نے بالکل نظر انداز کر دیا، اگر وہ بھی حضرت عبدالحق کی اس تحریر کو الحاقی سمجھتے ہیں تو پھر کیا ضرورت ہے کہ حضرت عبدالحق کے اس مکتوب کو اصلی سمجھا جائے، جس کو سامنے رکھ کر مصنف نے اپنے غصہ اور اشتعال کا اظہار کیا ہے، اگر ان کو اس مکتوب کو اصلی سمجھنے کا حق ہے، جو حضرت عبدالحق کی کسی تصنیف میں نہیں بلکہ کسی دوسری تصنیف سے لیا گیا ہے، تو پھر اخبار الاخیار کی مذکورہ تحریر کو اصلی سمجھنے کے حق سے کسی کو کیوں محروم کیا جائے، خصوصاً جب اس کے انداز نگارش میں اور اخبار الاخیار کی اور تحریروں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا محض الحاقی کہہ دینے سے یہ الحاقی نہیں ہوسکتی، شیخ عبدالحق کو جب حضرت مجددؒ کی مجددیت کا یقین کامل ہوگیا تو اخبار الاخیار کی تتمہ میں اس کا ذکر کر کے اپنی طبیعت کی بلندی کا ثبوت دیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی جو قدر و قیمت بعد کے بزرگان دین کے دلوں میں رہی، اسی کی ترجمانی کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ نے حضرت احمد سرہندیؒ کو شریعت وطریقت پر ثابت قدم، معرفت وحقیقت کا ایک بلند پہاڑ، ناصر سنت، قامع بدعت، خدا کا روشن چراغ، دشمنان خدا اور بدعتیوں کے لیے اللہ کی ننگی تلوار، امام عارف اور روشن دماغ عالم کہا ہے، شاہ ولی اللہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت مجددؒ کے بہت سے احسانات اہل ہند کی گردنوں پر ہیں جن کا شکریہ ضروری ہے، اور جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہ کرے گا، اللہ تعالیٰ کا ذکر گزار نہ ہوگا، (ماخوذ از تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی مرتبہ محمد منظور نعمانی ص ۳۰۳۔۳۰۴)

حضرت خواجہ باقی باللہ، شیخ عبدالحق اور شاہ ولی اللہ اپنے دلوں میں حضرت مجدد

Marfat.com

الف ثانیؒ کی جو عظمت رکھتے تھے وہ مصنف کی اس سطحی بات کی تردید کرنے کے لیے کافی ہے کہ مجدد کے معاصر اور بعد کے صوفیہ ان کے دعاوی سے کبھی متفق نہ ہوسکے۔(ص ۲۶۰)

اب یہ پروفیسر محمد حبیب کی صواب دید پر ہے کہ وہ حضرت باقی باللہؒ، شیخ عبدالحق دہلویؒ اور شاہ ولی اللہؒ جیسے بزرگان دین کے بیانات کو ناقابل التفات سمجھیں یا ڈاکٹر اطہر عباس اف، آر، اے، اس مصنف مغل کالین بھارت کی تحقیقات کو طویل مواعظ، عوامی خطیبانہ طرز ادا، نزاعی انداز بیان اور چمڑے سے بندھا ہوا تعصب قرار دیں۔

پروفیسر حبیب نے مصنف سے اتفاق کیا ہے کہ موجودہ دور کے فضلاء نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو ایک خرافاتی شخصیت بنادیا ہے (ص ۱۲۱۵x) یہ کہنا صحیح نہیں، کیونکہ مصنف حقیقی کو خرافاتی، اور خرافاتی کو حقیقی بنانے کے عادی ہیں، اور اگر مصنف کی خاطر اس کو صحیح بھی سمجھ لیا جائے، تو جب کسی کی ذات سے غیر معمولی عقیدت پیدا ہو جاتی ہے تو اس میں افسانوی اور خرافاتی رنگ کا پیدا ہو جانا کوئی تعجب خیز بات بھی نہیں، ہر مذہب اور ہر قوم کے ہیروؤں اور مذہبی پیشواؤں میں یہ افسانوی اور خرافاتی رنگ ملے گا مثلاً ہندوؤں میں بھیم، ارجن، یدھشٹر، ابھے منو، پرہلاد، پھر رانا پرتاب سیواجی، اور سوامی وویکانند، اور اسلامی تاریخ میں حضرت علیؓ، امام حسینؓ، واقعات کربلا اور ائمہ اثنا عشر سے متعلق جو افسانوں کا رنگ پیدا ہو گیا ہے، کیا مصنف ان کی تردید کر سکتے ہیں، ان میں سے بعض کی جانب بہت سی محیر العقول باتیں منسوب ہیں، مستند کتابوں میں ان کو کون و مکان کا ایسا مالک بنادیا گیا ہے کہ ان کے اور خدا کے اختیارات میں کوئی فرق نظر نہیں آتا، کیا مصنف اس سے انکار کر سکتے ہیں؟

حضرت مجدد الف ثانیؒ پر مصنف کے ساتھ پروفیسر حبیب نے یہ بھی الزام رکھا ہے کہ انہوں نے فرقہ واریت کے جذبہ میں ہندو مسلمان اور شیعہ سنی میں منافرت پیدا کی، (پیش لفظ ص ۱۰) ہندوستان کی تاریخ میں شروع سے لیکر اب تک ہندو مسلمان اور شیعہ سنی

Marfat.com

میں جو تنازعے رہے ہیں ان کو دہرا کر مفید اثرات پیدا نہیں کیے جا سکتے، خواہ تحقیقات کی کتنی ہی بلند چوٹیوں سے کیوں نہ دہرائے جائیں، اس میں مثبت نہیں تو منفی فرقہ واریت کا اظہار ہو جائے گا، فرقہ واریت منفی ہی قسم کی سہی، پھر بھی وہ فرقہ واریت ہے، گذرے ہوئے واقعات کو مصنف نے جس رنگ میں پیش کیا ہے اور اس میں جو تلخی پیدا ہو گئی ہے اس کو خود تو محسوس نہیں کر سکتے لیکن عام ناظرین سے اس کے متعلق فیصلہ کرنے کا حق بھی نہیں چھین سکتے، اس سے قطع نظر کسی قوم یا فرقہ کے ہیرو کے خلاف خصوصاً جس سے مذہبی عقیدت وابستہ ہو، نازیبا کلمات کا استعمال تعصب، تنگ نظری اور فرقہ واریت کی بدترین مثال ہے، ہندوستان کے مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کو اپنا مذہبی ہیرو مانتا ہے، تو ان کے خلاف جذبات کو بھڑکانا مصنف ہی کے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ محض منافرت، بے اعتمادی اور نا اتفاقی (ص ۱۷۵) پھیلانا ہے، جو فرقہ واریت سے زیادہ قابل نفرت ہے، اس سے نہ مصنف بلند قسم کے تاریخی اور اخلاقی اقدار (ص ۳۱۲) پیدا کر سکے ہیں، نہ ہندوستانیوں اور مسلمانوں کو اس جگہ سے بڑھا سکے ہیں جہاں وہ تھے، (۲۵۱) بلکہ ملک کے جسم میں فرقہ وارانہ زہر کا انجکشن دینے میں ضرور کامیاب ہو گئے ہیں (۱۷۵)

اس میں شک نہیں کہ مجدد الف ثانیؒ نے ہندوؤں اور شیعوں کے لیے سخت الفاظ استعمال کیے، لیکن اسی زمانہ میں اکبر جیسے صلح کل کے علمبردار نے افغانوں کو کچلنے، رانا پرتاب کو اپنے تخت و تاج کے سامنے جھکانے، مسلمانوں کو صراط مستقیم سے ہٹا کر، دین الٰہی کی پگڈنڈی پر چلانے اور فرقہ، روشنیہ کی بیخ و بنیاد اکھاڑنے میں جو جنگی اور تشدد آمیز وسائل اختیار کیے، ان کے مقابلہ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سخت الفاظ کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی، پھر بیسویں صدی کے ترقی یافتہ اور روشن خیال دور میں جمہوریت اور اجتماعیت کے علمبردار اپنی اپنی تحریکوں کو کامیاب بنانے کے سلسلہ میں جو خونریزی کر رہے ہیں، یا خود

Marfat.com

ہندوستان میں سیکولرازم کی جڑ کو مضبوط کرنے کے لیے مذہبی روایتوں اور معاشرتی قدروں کو جن جن طریقوں سے بدلنے کی کوشش کی جارہی ہے، اُن کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ کسی نظری وفکری دعوت کو عمل میں لانے کے لیے قول وفعل میں شدت ناگزیر ہے، اور تعمیر کے ساتھ تخریب خودبخود پیدا ہو جاتی ہے، حضرت مجدد الف ثانیؒ کو بھی اپنی تحریک کے سلسلہ میں وہی کرنا پڑا ہے جو تاریخی، عمرانی اور نفسیاتی عوامل وعواقب کا تقاضا ہوتا ہے، انہوں نے تنہا ہندوؤں اور شیعوں کے خلاف سخت الفاظ استعمال نہیں کیے ہیں بلکہ جو سنی علماء اور بدعتی صوفیہ ان کی راہ کے روڑے بنے ہوئے تھے، ان کے لیے بھی کم سخت الفاظ نہیں استعمال کیے ہیں، سنی علمائے سوء کو تو وہ شیطان اور ابلیس کہتے رہے، جیسا کہ خود مصنف کو بھی اعتراف ہے وہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''بہترین علماء بہترین عالم ہیں، اور بدترین علماء بدترین خلایق، ہدایت وگمراہی دونوں ان پر موقوف ہے، ایک شخص نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ وہ بیکار بیٹھا ہے، تو اس کا سبب پوچھا، اس نے جواب دیا کہ اس زمانہ میں علماء میرا کام انجام دے رہے ہیں، اور وہ دنیا کو گمراہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔'' (دیکھو مکتوب نمبر ۵۳ دفتر اول)

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

''علمائے سوء دین کے چور ہیں، اور ان کا مطمح نظر صرف حب جاہ، ریاست اور لوگوں کے نزدیک ذی عزت ہونا ہے، خدا ان کے فتنہ سے محفوظ رکھے''۔ (مکتوب نمبر ۱۹۴ دفتر اول)

بدعتیوں کے متعلق لکھتے ہیں:

''حق سبحانہ تعالیٰ علمائے وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کے حسنہ

Marfat.com

ہونے کے متعلق زبان نہ کھولیں، اور کسی بدعت کے کرنے کا فتویٰ نہ دیں، اگر چہ وہ بدعت ان کی نظر میں فلق صبح کی طرح روشن ہو، کیونکہ شیطانی حکومت کے ماسوا میں سلطان عظیم بن جاتا ہے......جس کا جی چاہے، بدعت کی تاریکیوں کو بڑھائے اور جس کی سمجھ میں آئے انوار سنت میں اضافہ کرے، جس کا جی چاہے شیطان کے لشکر کو بڑھائے اور جو چاہے خدا کی فوج کو ترقی دے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ شیطانی لشکر والے خسارے میں ہیں اور خدائی جماعت کامیاب ہونے والی ہے۔ (مکتوب نمبر ۲۳ دفتر دوم)

بعض گمراہ صوفیوں کے خیالات کو بیہودہ (مکتوب نمبر ۲۷۲) اور بعض کو اندھا، کافر اور زندیق کہا ہے (مکتوب نمبر ۲۹۴ دفتر اول) اگر یہی الفاظ وہ دوسرے فرقہ والوں کے لیے استعمال کرتے تو فرقہ واریت کا اور بھی سخت الزام ان پر آجاتا۔

مصنف نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات کے متن کو توڑ مروڑ کر پیش کر کے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ وہ خود ساختہ مجدد اور قیوم تھے، اس کا تردیدی جواب دینا فضول ہے، لیکن ان سے یہ عرض کرنا ہے کہ ان کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ سید محمد جونپوری نے خود ہی مہدی ہونے کا اعلان کیا تھا مجددیت اور قیومیت تو پیغمبری سے کمتر درجہ کی چیزیں ہیں لیکن مصنف کی تحریر مہدویت کے دعویٰ پر نا خوش گوار ہونے کے بجائے خوش گوار ہوگئی ہے اور ان کی کتاب پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی تحریروں کے پھولوں کی بارش مہدویت پر برسا رہے ہیں، لیکن مجددیت اور قیومیت کے دعوے پر وہ کف در دہن ہو گئے ہیں، ان کا قلم غصہ اور اشتعال میں شعلہ بار ہو گیا ہے، حالانکہ سید محمد جونپوری کو جمہور مسلمان مہدی ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، لیکن حضرت مجدد الف ثانیؒ

Marfat.com

نے اگر بالفرض مجددیت اور قیومیت کا دعوی بھی کیا، تو جمہور امت جن میں بڑے بڑے علماء واکابر ہیں، آج بھی ان کو مجدد الف ثانیؒ تسلیم کرتا ہے، پھر مصنف نے مجدد الف ثانیؒ کو اپنی شعلہ باری کا نشانہ کیوں بنایا ہے؟

مصنف نے ان امراء پر بھی سب وشتم کی بارش ہے جو مجدد الف ثانیؒ کے عقیدت منداور اُن سے وابستہ تھے، مثلاً شیخ فرید بخاری کو مصنف نے غصہ میں مجدد الف ثانی کو قفقتھ کالمسٹ (ص ۲۱۶) شرابی (ص ۲۲۷) ظالم اور انتقام پسند اور نالایق (ص ۲۲۸) کہا ہے، اور یہ مغلیہ دربار کے ایک ایسے امیر کی تصویر ہے جس کے قائل صرف حضرت مجدد الف ثانیؒ ہی نہیں بلکہ حضرت باقی باللہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی تھے مآثر الامراء کے مصنف نے تیموری دور کے امراء میں کسی کی اتنی تعریف نہیں کی ہے جتنی شیخ فرید مرتضٰی خاں بخاری کی کی ہے، وہ اس کی کاردانی، فراست، مردانگی اور شجاعت کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے:

> ''شیخ کا ظاہر وباطن آراستہ تھا، شجاعت کو سخاوت کے ساتھ ملا کر رکھا تھا اس کی عام بخشش اور فیاضی کا دروازہ لوگوں کے لیے کھلا تھا، جو اس کے پاس پہنچ جاتا، اپنے آئینۂ خیال میں ناکامی کا چہرہ نہ دیکھتا، دربار جاتے وقت راستہ میں درویشوں کو قبا، کمبل، چادر اور پاافزار تقسیم کرتا جاتا، اپنے ہاتھ سے اشرفی کی ریزگی اور روپۓ دیتا، ایک روز ایک درویش نے شیخ سے سات بار کچھ پایا، آٹھویں بار دیتے وقت اس نے کہا کہ جو کچھ تم نے سات بار پایا ہے اس کو مخفی رکھنا، تاکہ درویش یہ تم سے لے نہ لیں، خانقاہ کے لوگوں، توکل پسندوں، محتاجوں اور بیواؤں کے لیے اس کے بیان سے یومیہ اور سالانہ رقمیں مقرر تھیں، اس کی موجودگی اور عدم موجودگی میں نئی سند اور پروانہ کی

Marfat.com

تجدید کے بغیر ملتی رہتی تھیں، اس کی زیادہ تر جاگیر مدد معاش کے لیے تھی، اس کے نوکر مر جاتے تو وہ ان کے لڑکوں کے لیے حسب حیثیت ماہانہ مقرر کر دیتا، اور یہ لڑکے اس کے بغل میں اس کے فرزندوں ہی کی طرح کھیلا کرتے اور معلم ان کی تربیت کرتے، گجرات میں سادات مردوں اور عورتوں کی ایک فہرست اپنے قلم سے تیار کی تھی، اوران کے فرزندوں کی عروسی کا سامان اپنی سرکار سے کیا کرتا اور کچھ روپئے لوگوں کے پاس امانت رکھ دیتا، اور جو اس کے بعد اولاد پیدا ہوتی اس کی عروسی اس زر امانت سے انجام پاتی۔

شراب فروشوں اور کلا دنتوں کو کچھ نہ دیتا، رباط اور سرائیں بہت سی بنوائیں۔ احمد آباد میں بخارا انام کا ایک محلّہ آباد کیا تھا شاہ وجیہ الدین کا روضہ اور مسجد اسی کی بنوائی ہوئی ہے دہلی میں فرید آباد کی عمارتیں اور تالاب اسی کی یادگاریں ہیں، لاہور میں بھی اس کا ایک محلّہ ہے وہاں چوک کا حمام کلاں اسی کا بنوایا ہوا ہے، شیخ تین بادشاہی ملازموں کو جو اس کے ساتھ رہتے خلعت دیتا اور کچھ لوگوں کو نقد بھی دیتا تھا...... اور اپنے نوکروں کو سال میں ایک خلعت، پیادوں کو ایک کمل اور حلال خور کو ایک پاافزار دیتا، اس معمول میں اس نے پوری زندگی میں فرق نہیں آنے دیا، اور اپنے جاگیر دار رفقا کو ایک لاکھ روپئے سالانہ دیا کرتا تھا......

اس کی مزید تعریف کرتے ہوئے آگے چل کر لکھتا ہے:

ایسے لوگوں سے اب ملک خالی ہو گیا ہے، شاید دوسرے ملکوں کے

Marfat.com

حصہ میں آ گئے ہیں۔" (مآثر الامراء جلد دوم ص ۶۴۰۔۶۳۳)

شاہ ولی اللہ نے شیخ فرید بخاری کے بارے میں انفاس العارفین میں لکھا ہے:۔

شیخ فرید بخاری کہ از اعاظم امرائے آں زماں بود جامع بود درمیان غایت واصلاح واعتقاد مشائخ صوفیہ۔"

مصنف کے پیش نظر مآثر الامراء اور انفاس العارفین دونوں تھیں، لیکن اپنی تحقیقات عالیہ میں شیخ فرید بخاری سے متعلق ان بیانات کی ہوا بھی ناظرین کو لگنے نہیں دی، اوران کو ظالم، انتقام پسند اور شرابی بنا کرناظرین کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے، کیا یہ ایک غیر جانبدار محقق کا وطیرہ ہوسکتا ہے جس کی تعریف ان کے ممتحنوں نے کی ہے۔

مصنف لالہ بیگ کابلی العروف بہ جہانگیر قلی خاں کے ذکر میں مآثر الامراء جلد اول کا تو حوالہ دیتے ہیں اوراس کے ظلم وسفا کی کا ذکر کرتے ہیں، لیکن مآثر الامراہی میں ہے:

"بہ دین داری وحق پرستی شہرہ تمام داشت وو دراحراز مثنویات بسیاری کوشید" (ج ا ص ۵۱۴)

مصنف نے اس کا ذکر کرنا تو پسند نہیں کیا، لیکن میران صدر جہاں کی شراب نوشی کا حال بہت ہی لطف ولذت کے ساتھ کیا ہے۔ (ص ۲۳)

خان اعظم مرزا کوکہ کے نام سے جو مکتوبات ہیں ان کو مصنف نے یہ کہہ کر مجروح کیا ہے کہ حضرت مجددؒ نے خان اعظم کی خود بینی کو گدگدانے میں کوئی موقع نہیں چھوڑا، (ص ۲۳۴) محمد قلیج خاں حاکم پنجاب سے خط وکتابت کے ذکر میں مصنف کا بیان ہے کہ اس کی وجہ سے پنجاب میں مذہبی اثرات ضرور پیدا ہوئے، لیکن لوگ محض اس کی خوشنودی کے لیے مذہبی اثرات قبول کرتے رہے (ص ۲۳۷) مصنف کو اعتراف ہے کہ حضرت مجدد نے خواجہ جہاں کو لمبے لمبے خطوط لکھے، لیکن ان کی اہمیت کو زائل کرنے کے لیے کچھ اور مواد نہیں

Marfat.com

ملا تو یہ لکھ کر کام چلتا کیا کہ خواجہ جہاں مثنوی مولانا روم پڑھا کرتا تھا، اس لیے اس میں فرقہ وارانہ زہر اثر نہیں کر سکتا تھا۔ (ص ۲۴۷)

اگر یہ دلیل صحیح ہے تو پھر ڈاکٹر اقبال نہ صرف مثنوی پڑھا کرتے تھے، بلکہ مولانا روم کو اپنا مرشد مانتے تھے۔

شعلۂ درگیرز و برخس وخاشاک من
مرشد رومی کہ گفت منزل ما کبریاست

اپنی مثنوی اسرار خودی میں فرماتے ہیں:

باز بر خوانم زفیض پیر روم
موجم و دربحر او منزل کنم
دفتر سر بستہ اسرار علوم
تادر تابندۂ حاصل کنم

بال جبرئیل میں فرماتے ہیں:

صحبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سربکف
نے مہرہ باقی ہے نے مہرہ بازی
جیتا ہے رومی ہارا ہے رازی

انہوں نے ''پیر و مرید'' کے عنوان سے ایک طویل نظم لکھی ہے جس میں اپنے کو مرید ہندی کہا ہے اور وہ پیر رومی کو مخاطب کر کے امام عاشقانِ دردمند، اور ان کی نگہ کو اپنے دل کی کشاد کہا ہے، اور پھر ان سے یہ سوال کیا ہے۔

Marfat.com

کارو بار ضروری یا راہبی
کیا ہے آخر غایت دین نبی

اس کا جواب پیر رومی اپنے شعر میں یہ دیتے ہیں

مصلحت در دین ماجنگ و شکوہ
مصلحت در دین عیسیٰ غار وکوہ

کیا مصنف پیر رومی کے اس خیال سے اتفاق کرتے ہیں، لیکن وہ اتفاق کریں یا نہ کریں، ان کو ایسے لوگوں کی پرزور تردید کرنی ہوگی جو ڈاکٹر اقبال پر فرق پروری کا الزام لگاتے ہیں، کیونکہ وہ پیر رومی کے مرید ہندی تھے، اور مصنف کی جیسی شخصیت کا تردیدی اعلان بہت ہی اہم ہوگا، کیونکہ وہ نہ صرف البیرونی، بوعلی سینا، ابن عربی اور شیخ نظام الدین اولیاؒ کی صف میں بیٹھنے کے لایق ہیں بلکہ موجودہ زمانہ میں ان سب سے عظیم ترین ہیں۔ (پیش لفظ ص ۴)

مصنف نے مولانا جلال الدین رومی کی انسانیت نوازی اور صلح کل کی حمایت کی بڑی تعریف کی ہے (ج ۵ ص ۳۴۰)، اس میں شک نہیں کہ ان کی مثنوی میں یہ چیز بہت نمایاں طور پر ملے گی، لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ کفر وایمان کے قائل نہ تھے، ان کی مثنوی میں کافر ومومن کا تو ایک باب ہی قائم ہے (ج ۵ ص ۴۳۰ ایران اڈیشن) کافروں کی مذمت میں تو ان کے یہاں بکثرت اشعار ملیں گے، حسب ذیل اشعار کے متعلق مصنف کی قیمتی رائے کیا ہے؟

کافراں ہم جنس شیطاں آمدہ
جانشاں شاگرد شیطاناں شدہ

Marfat.com

کافر و مومن خدا گویند لیک
درمیان ہر دو فرقی ہست نیک
آں گدا گوید خدا از بہرناں
متقی گوید خدا ازعین جاں
کافراں گویند در وقت عذاب
ہر یکے ''یالیتنی کنت تراب''
انبیا درکار دنیا جبر بند
کافراں در کار عقبیٰ جبر بند
انبیاء راکار عقبیٰ اختیار
کافراں را کار دنیا اختیار

حضرت مجددؒ نے خان جہاں کو جو خطوط لکھے، ان کے بارہ میں مصنف کا یہ فیصلہ ہے کہ ان سے کوئی برف نہیں کٹ سکی (ص ۲۲۷) مگر مصنف نے بادل ناخواستہ اعتراف کیا ہے کہ خان خانان عبدالرحیم خاں مجدد کے خلیفہ میر محمد نعمانی کی سرپرستی کرتا رہا، اس لیے مجدد کے نظریات کو ہمدردانہ اور غیر جذباتی طریقہ پر مطالعہ کرنے کی کوشش کی، لیکن اس کی سرپرستی، ہمدردی وغیرہ کا اثر یہ لکھ کر زائل کیا ہے کہ اگرچہ وہ شیعہ تھا لیکن اپنے سنی ہونے کا اعلان کرتا تھا، اور لوگوں کا عام خیال تھا کہ وہ تقیہ کرتا تھا۔ (ص ۲۴۰)، یہ لکھتے وقت مصنف کو یہ سوچنا چاہے تھا، کہ کہیں ان پر بھی یہ الزام نہ عائد ہو جائے، اگر یہ کہا جائے کہ خاص خاص بزرگان دین اور خصوصاً سید محمد جونپوری اور مہدویت تحریک کی مدح سرائی میں انہوں نے بھی تقیہ سے کام لیا ہے تو کیا وہ تسلیم کریں گے؟

جن دوسرے امراء سے حضرت مجددؒ نے خط وکتابت کی ہے ان کو مصنف نے

Marfat.com

غیر اہم امراء اور برہم حکام کہہ کر مجروح کیا ہے (۲۴۳) اور جہاں اس قسم کی جراحت نہ لگا سکے ہیں، وہاں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خیالات اور نظریات کو نزاعی انداز بیان (ص ۴۴-۲۴۳) فرقہ وارانہ زہر (ص ۲۴۷-۲۳۷) بے بنیاد خطرات اور توہمات، طویل مواعظ (ص ۲۳۹) وغیرہ کہہ کر اپنے دل کو مطمئن کر لیا ہے۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا یہی طرز بیان اور انداز تحریر دوسرے مورخوں نے ہندوستان کی اور تاریخوں کے لکھنے میں اختیار کیا ہے؟ یہ تاریخی تحقیقات کا عجیب وغریب نمونہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وصال کو کئی سو سال گزرے، لیکن آج بھی علماء، صلحاء اور صوفیہ کے سامنے جب ان کا نام آتا ہے، تو وہ سر عقیدت خم کر دیتے ہیں، ان پر مضامین اور کتابیں نکل رہی ہیں، ہندوستان و پاکستان کے مختلف گوشوں میں مجددیہ سلسلہ کی خانقاہوں میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری ہے، اور بقول ڈاکٹر اقبال

ع جس کے نفس گرم سے ہے گرمئ احرار

خود مصنف کو اعتراف ہے کہ ان کی حیثیت ایک ہیرو کی ہو گئی ہے (ص ۱۶-۲۱۵) پھر بھی تحقیقات کے نام پر یہ بتایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے علاقہ کے لوگوں پر کوئی اثر نہیں چھوڑا ہے (۴۲۴) اور مجددیوں کی قوت اورنگ زیب کی حکومت کے شروع ہوتے ہوئے ختم ہو چکی تھی، شیخ محمد معصوم کی وفات کے بعد مجدد کی رہی سہی عزت بھی ختم ہو گئی، مجدد کے پوتے تو انتشار اور اخلاقی بدحالی کے پلیگ میں مبتلا رہے (ص ۴۳۶) یہ تحقیقات ہیں یا تحقیقات کے نام پر آنکھوں میں دھول جھونکنا ہے۔

مصنف حضرت مجدد الف ثانیؒ پر جتنی چاہیں کیچڑ اچھالیں، لیکن اس کا جواب شیخ عبدالحق کے الفاظ میں یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ

''آفتابیست کہ چشم منکراں ازاں خیرہ و روز حاسداں ازاں تیرہ۔''

Marfat.com

اس کا ترجمہ اخبار الاخیار کے اردو مترجم نے یہ کہا ہے:

''آپ وہ آفتاب تھے جن سے منکروں کی آنکھیں چوندھیاتی ہیں اور حاسدوں کے دل اندھے ہو جاتے ہیں''۔ (دل اندھے ہونے کے بجائے دن اندھیرے ہو جاتے ہیں تو زیادہ بہتر ہوتا)

مصنف کی کتاب پر تبصرہ طویل ہوتا جا رہا ہے، اور ابھی ان کی بہت سی غلط بیانیوں اور گمراہ کن تحقیقات کی حقیقت ظاہر کرنا باقی رہ گیا ہے، ان کی نشان دہی انشاء اللہ آیندہ اشاعت میں کی جائے گی، لیکن اس قسط کے ختم ہونے سے پہلے مصنف سے تو نہیں، ان کے ممتحنوں سے یہ پوچھنا ہے کہ کیا مسلمانوں کی تاریخ خصوصاً ان کی مذہبی تحریکات کے نظری اور فکری پہلوؤں کو مسخ کر کے پیش کرنے اور ان کے بزرگان دین میں کسی کو بداخلاق (ص۱۲) کسی کو بد پرہیز گار (ص۱۲) کسی کو زنا کا مجرم (ص۲۳) کسی کو بداخلاقی کے پلیگ کا مریض (ص ۴۲۶) کسی کو متعصب اور فرقہ پرور بنانے اور ان کی تاریخ کے بُروں کو اچھا اور اچھوں کو برا ثابت کرنے ہی میں ساری تحقیق کی غیر جانبداری اور وسیع النظری سمٹ کر رہ گئی ہے، اور اگر یہ کتاب اس لیے شائع کی گئی ہے کہ اس سے قومی اتحاد اور جذباتی ہم آہنگی کی تحریک کو فروغ ہوگا، تو پھر اس تحریک کے علمبرداروں سے یہ کہنا ہے کہ وہ اپنے اصلی و نقلی، نادان و دانا، اور مفاد پرست اور بے غرض دوستوں کو نہیں پہچانتے۔

Marfat.com

مقالات سولہویں سترہویں صدی میں شمالی ہندوستان کے اندر مسلم احیائی تحریکیں

از: جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری ایم اے ایل ایل بی،
رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی اتر پردیش

مذکورہ بالا عنوان سے ڈاکٹر اطہر عباس صاحب رضوی کی کتاب حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ جس کے ایک باب پر تبصرہ مارچ ۱۹۶۶ء کے معارف میں آچکا ہے، مصنف اس سے پیشتر مغل اور قبل مغل ہندوستان کی متعدد تاریخیں لکھ چکے ہیں، مگر یہ ان کے لیے بالکل ہی نیا میدان تحقیق ہے، ابتک انہوں نے سیاسی تاریخیں لکھی تھیں، جن میں ''افراد'' کے کارناموں کا تذکرہ تھا، اس کتاب کے موضوع کا تعلق فکری تاریخ سے ہے، جس میں ''افکار'' کے آغاز و ارتقاء، تاثیر و تاثر اور ان عوامل و دواعی کی تحقیق و نشاندہی کا جائزہ لیا جانا چاہیے، جنہوں نے مختلف فکری تحریکوں کی پیدائش، ان کے اسراع و ابطاء، اور ان کے اضمحلال اور احیاء و تجدید میں حصہ لیا ہے، ان دونوں کوششوں میں جو تفاوت ہے، وہ ظاہر ہے، لہٰذا دونوں کی ذمہ دارانہ انجام دہی کے لیے جن معتقدات و استعدادات کی ضرورت ہے ان میں بنیادی فرق ہے۔

مصنف کا کہنا ہے کہ انہوں نے اس کتاب کو بڑے وسیع مطالعہ کے بعد مرتب کیا ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے مآخذ و مصادر کی ایک طویل فہرست ۵۴ صفحات میں دی ہے، ان میں سیاسی تاریخیں بھی ہیں، علماء و مشائخ کے تذکرے بھی ہیں، صوفیائے کرام کے

Marfat.com

ملفوظات بھی ہیں اور تصوف وسلوک کی کتابوں کے متون کے علاوہ عرفانی فلسفہ کے کتب ورسائل بھی ہیں، ان میں ''کیمیائے سعادت'' اور عوارف المعارف'' جیسے فقہ وتصوف کے شاہکار بھی ہیں، اور ''مفاتیح الاعجاز شرح گلشن راز''، ''تسویہ'' و''شرح تسویہ'' وغیرہ فلسفیانہ تصوف کی کتابیں بھی ہیں، بلکہ ''جواہر خمسہ'' حتی کہ ''حسنات العارفین'' بھی مشمول ہیں، اتنی کثیر التعداد کتابوں کے مندرجات کا (جو اکثر حالات میں باہم گردست وگریباں ہیں) سیاق وسباق کی روشنی میں مطالعہ کرنے کے بعد ایک متوازن رائے قائم کرنا، جو مختلف ماخذوں سے اخذ کیے ہوئے حوالوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو، ایک کڑی کمان ہے، جس کا رد کرنا اتنا آسان نہیں ہے، خصوصاً مصنف کے لیے تو بہت مشکل کام تھا، اس لیے ان کی پیش کش میں کھانچے اور ان کے استدلال میں جھول ہی جھول ہیں۔

مصنف نے اپنے مآخذ ومصادر کی فہرست میں یہ بھی بتایا ہے کہ انہوں نے تفسیر میں ''بحر مواج''، ''تفسیر حسینی''، ''تفسیر شاہ''، حدیث میں ''سفر السعادۃ'' و''شرح سفر السعادۃ'' اور ''اشعۃ اللمعات''، فقہ میں ''فقہ فیروز شاہی'' اور عقائد وکلام میں ''تکمیل الایمان'' کو بھی اس کتاب کی ترتیب وتدوین کے سلسلہ میں پیش نظر رکھا ہے، مگر ان کے مطالعہ کا (وہ معاندانہ ہی کیوں نہ ہوتا) ان کے افادات میں ادنیٰ اشارہ بھی نہیں ملتا۔ اس کے ساتھ جو کتابیں سولہویں سترہویں صدی کے مدارس میں داخل نصاب تھیں اور مختلف اکابر فضلائے عہد میں متداول اور ان کے علمی مباحث میں حکم اور معتمد علیہ سمجھی جاتی تھیں، جیسے تفسیر میں ''کشاف'' اور ''بیضاوی''[1] فقہ میں ''ہدایہ''[2] اصول فقہ میں ''توضیح تلویح''[3] اور ''عضدی''[4] (شرح مختصر ابن حاجب از قاضی عضد الدین ایجی) عقائد میں شرح عقائد نسفی''،[5] کلام میں ''شرح المواقف''[6] کلامی فلسفہ میں ''شرح عقائد جلالی''[7] ''شرح تجرید''، ''حاشیہ قدیمہ''، ''حاشیہ جدیدہ''[8] منطق وفلسفہ میں شرح شمسیہ''[9] ''شرح

Marfat.com

مطالع‘‘ ۱۰ ’’شرح ہدایۃ الحکمہ‘‘ ۱۱ اور ’’شرح حکمۃ العین‘‘ ۱۲ ان کے ذکر سے اعراض و بے اعتنائی بڑی معنی خیز ہے۔ ان کتابوں نے نہ صرف اس عہد کے مفکرین کی تفکیری سرگرمیوں کے لیے بنیادی مواد فراہم کیا تھا، بلکہ ان کے توسط سے ملک کی رائے عامہ کی مذہبی، فلسفیانہ اور عرفانی جہات کو بھی متعین کیا تھا، کیونکہ عوام الناس اپنے دینی ولادینی رجحانات کے لیے ان ہی مفکرین عہد کے مواعظ و مناظرات، مکتوبات وملفوظات اور کتب و رسائل کے رہین منت رہے، اتنی اہم اور ناگزیر تحقیقی ضرورت سے بے اعتنائی ناقابل فہم ہے، اگر مصنف کی نظر اتنی اہم بات تک نہیں پہنچ سکتی تھی تو اس موضوع کا انتخاب نہ کرنا چاہیے تھا۔ اس موضوع پر لکھنے کے لیے جس وقت نظر اور علمی و تحقیقی بصیرت کی ضرورت تھی وہ مصنف کی کتاب سے مطلق ظاہر نہیں ہوتی۔

مصنف نے اپنے ذمہ جو کام لیا تھا وہ بڑا دلچسپ، مفید اور اہم ہے، اگر وہ زیر نظر عہد کی تجدیدی و ’’احیائی‘‘ تحریکوں کے تذکرے اور ان فکری و سیاسی اور معاشرتی عوامل کے تجزیہ پر جن کی نتیجے میں یہ تحریکیں ظہور پذیر ہوئی تھیں، اپنی تحقیقی مساعی کو منحصر رکھتے تو یہ واقعی ایک بڑی مفید علمی خدمت ہوتی، مگر اس جائزہ کی ترتیب میں انہوں نے حقیقت پسندی پر ذاتی پسند و ناپسند کو ترجیح دی ہے، اور اس جذبے کی شدت نے بسا اوقات انہیں تاریخ کے واقعی حقائق سے آنکھیں بند کر لینے پر مجبور کر دیا ہے۔ اپنے ’’موقف‘‘ کی تبلیغ کے لیے انہوں نے بڑی طویل تمہیدیں لکھی ہیں، پھر پہلے سے طے کیے ہوئے نتائج اخذ کرنے کے لیے انہوں نے ان تمہیدی مقدمات کی حقیقت پسندانہ توضیح کے بجائے ’’اختراعی توجیہ‘‘ کی کوشش کی ہے، اور اس کوشش میں وہ تمہید کو دراز سے دراز تر بناتے گئے ہیں۔

کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے جن میں صرف چار باب (چھٹا، ساتواں، آٹھواں اور نواں) اصل موضوع کی وضاحت سے متعلق ہیں، ان میں چوتھے باب کا بھی

Marfat.com

اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ اس کے اندر جن ''احیائی'' سرگرمیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، وہ مذہبی احیاء سے زیادہ ''تعلیمی احیاء'' کہلانے کی مستحق ہیں۔ باقی پانچ ابواب میں سے پہلے تین اور پانچویں باب میں موضوع کتاب کی تمہید اور پس منظر بیان کرنے کی کوشش کی ہے، آخری باب جس کا عنوان ''نگاہ بازگشت اور نتیجہ'' ہے، ایک طرح کا ''خلاصہ مقال'' ہے، یہ باب تحقیقی کی بجائے تبلیغی (Propagandist-like) ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے یہ ضخیم کتاب احقاق حق کے مخلصانہ جذبہ کے بجائے جو علمی و تحقیقی سرگرمیوں کی شرط اولین ہے، ایک خاص مکتب خیال کے پروپیگنڈے کے لیے لکھی ہے۔

اصولی طور پر اس کتاب کو ''سولہویں سترہویں صدی میں شمالی ہندوستان کے اندر مسلم احیائی تحریکوں'' کے جائزے پر مشتمل ہونا چاہئے تھا کہ یہی اس کا اصل اور حقیقی موضوع ہے، اس کی تمہید کے لیے اگر ضرورت تھی تو ہندوستان میں اس مذہب کے آغاز وارتقاء کے مجمل یا مفصل تذکرے کی تھی۔[۱۳] جس کی تجدید و اصلاح کی کوشش سولہویں سترہویں صدی کے مصلحین نے جنہیں مصنف نے ''احیائیت پسندوں'' کے نام سے یاد فرمایا ہے کی تھی، اس کے ساتھ دوسری ضرورت ان عوامل کے تجزیہ کی تھی، جنہوں نے اس مذہب کو متاثر کر کے ان مزعومہ ''احیائیت پسندوں'' کی تجدید و اصلاح کی کوشش کو ناگزیر بنا دیا تھا۔[۱۴]

مگر ان طویل تمہیدی ابواب میں ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک کا بھی نام کے لیے ذکر نہیں ہے ظاہر ہے اس کوتاہی کی تلافی ان لوگوں پر جنہوں نے اس تجدید و احیائے دین کے کام پر اپنی کمر ہمت باندھ رکھی تھی۔ تعصب و تنگ نظری، فرقہ واریت اور رجعت پسندی و معقولیت بیزاری کے الزامات لگا کر نہیں کی جا سکتی۔

اس کے برخلاف کتاب کی ابتدا (پہلا باب) ''تیرہویں صدی سے سولہویں

Marfat.com

صدی تک ہندوستان میں تصوف'' کے جائزے سے ہوتی ہے، یہ جائزہ ۷۶ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، دوسرا تیسرا باب مہدویت کی سرگرمیوں کے جائزے پر مشتمل ہے، پانچواں باب نقشبندی سلسلے کے مشائخ کے تذکرے پر ہے، لیکن (۱) نہ تو ''اسلام'' محض تصوف، مہدویت یا نقشبندی سلسلے کے مترادف ہے، جن کا تذکرہ سولہویں سترہویں صدی کی تجدیدی و احیائی تحریکوں کے سمجھنے میں مفید ہو سکے، اور (۲) نہ سولہویں صدی کے ان مزعومہ ''احیائیت پسندوں'' کی سرگرمیاں محض تصوف کی تجدید یا ''احیاء'' تک محدود تھیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مصنف نے ان مزعومہ ''احیائیت پسندوں'' کو اس بنا پر ہدف سہام تنقید نہیں بنایا کہ وہ تصوف کے اندر تجدید و اصلاح کر رہے تھے، بلکہ ان کی شریعت پسندی اور احیاءِ سنت کی کوششوں کی بنا پر ان کی نکتہ چینی فرمائی ہے اور کہا ہے کہ ان کی یہ کوششیں ناکام رہیں۔ حالانکہ ناکامی ایک بڑی حد تک انہیں تصوف کی تجدید و اصلاح بالخصوص نظریہ وحدت الوجود کے مقابلے میں وحدت الشہود کی تبلیغ و اشاعت کے باب میں ہوئی۔ ۱۵ باایںہمہ جن لوگوں کے ہاتھوں انہیں ''تصوف کی تجدید و اصلاح'' اور وحدت الشہود کے مقبول بتانے میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، وہ بھی احیائے شریعت اور تجدید دین کے بارے میں سولہویں سترہویں صدی کے ان مزعومہ ''احیائیت پسندوں'' سے کم سرگرم کار نہیں تھے، شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان بالخصوص مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے جس طرح اپنی زندگی احیائے سنت اور استیصال بدعت کی کوشش میں صرف کی، وہ ہمارے سامنے ہے، اور اسی طرح موخر الذکر حضرات کی تجدیدی و اصلاحی مساعی سولہویں سترہویں صدی کے ان مزعومہ ''احیائیت پسندوں کی کوشش سے کم نہیں ہیں، شاہ ولی اللہ اور ان کے جانشین کب کے اللہ کو پیارے ہو چکے، مگر آج بھی ان کے سلسلے کے منتسبین پورے برصغیر کے اندر اتباع سنت اور رد بدعات کی کوششوں میں مصروف ہیں۔

Marfat.com

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کندایں عاشقان پاک طینت را

اس لیے یہ طویل تمہید نہ صرف غیر ضروری ہے بلکہ گمراہ کن غلط فہمیوں کی مورث بھی ہے۔ شاید مصنف کے ذہن میں ''مذہب اسلام'' کا کوئی واضح تصور نہیں تھا، اور اس لیے انہوں نے اسے تصوف کا مترادف سمجھ لیا، اپنی مصلحت پسندی کی بنا پر انہوں نے اسلام کے واضح اور صحیح تصور سے دانستہ اغماض و چشم پوشی برتی ہے۔

انہوں نے اس ''تمہید'' (تیرہویں صدی سے سولہویں صدی تک ہندوستان میں تصوف) کی ایک مزید تمہید لکھی ہے، یعنی ''اسلام میں تصوف کا آغاز وارتقاء'' لیکن اس تمہید در تمہید کا نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے اس کے کہ اسلامیات یا قرون وسطیٰ کے ہندوستان کی تاریخ کا طالب علم ان کی اس تصنیف سے کوئی انجلاء حاصل کرے، یہ ''توضیح'' مزید علمی وفکری الجھنوں میں الجھ کر رہ گئی ہے۔

ہندوستان میں تصوف کے آغاز وارتقاء کی بحث کے اندر بہت سے کھانچے رہ گئے ہیں، مثلاً

(۱) اگر ہندوستان میں تصوف کا آغاز مخدوم شیخ علی ہجوریؒ سے ہوا، جن کا سال وفات عموماً گیارہویں صدی مسیحی کے وسط (۴۶۵ھ) میں بتایا جاتا ہے، تو ان تین صدیوں کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو محمد بن قاسم کی فتح سندھ (۹۳ھ) سے لیکر محمود غزنوی کی فتح ملتان (۴۰۱ھ) تک گذری تھیں، کیا اس زمانہ کے اسلامی ہند میں تصوف نہیں تھا، حالانکہ مسلمان اس زمانہ میں برصغیر کے اندر باقاعدہ آباد ہو چکے تھے، اور مصنف کے انداز فکر سے کچھ ایسا مترشح ہوتا ہے کہ تصوف اور اسلام مترادف ہیں۔

(۲) جب تک یہ طے نہ ہو جائے کہ مخدوم شیخ علی ہجویریؒ سے قبل یا ان کے زمانہ میں

Marfat.com

برصغیر کے اندر صوفیائے کرام آ چکے تھے، ان کے ویدانت اندازفکر سے متاثر ہونے کا سوال اٹھانا بالکل بے سود ہے۔ ۱۶؎ بعد کے تمہیدی ابواب میں جو کھانچے ہیں ان کی تفصیل موجب تطویل ہوگی۔

نفس موضوع کی توضیح کے سلسلے میں سب سے پہلے چوتھے باب کا عنوان ہی محل نظر ہے، جو فاضل مصنف کے لفظوں میں حسب ذیل ہے:

"Theological Studies Revived"

سوال یہ ہے کہ کیا شیخ علی متقیؒ (۸۸۵ھ-۹۷۵ھ) سے پہلے Theological Studies کا رواج ختم ہو گیا تھا جو ان کے ساتھ ان علوم کے تعلیم و تعلم کا از سر نو رواج ہوا، اگر مصنف کا ایسا خیال ہے تو یہ اسلامی ہند کی علمی تاریخ سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔

"Theology" سے مراد عام طور پر مذہبی علوم بالخصوص فقہ سے ہوتی ہے، اور اسلامی ہند کی علمی تاریخ میں ان علوم بالخصوص فقہ کا پہلے دن سے جب سے محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا، آج کے دن تک رواج رہا ہے، اور نویں صدی کے خاتمہ تک تو نصاب میں مذہبی علوم ہی چھائے ہوئے تھے، علوم عقلیہ کا زیادہ چرچا نہ تھا، اس لیے یہ کہنا کہ شیخ علی متقیؒ کے زمانہ سے مذہبی علوم کے تعلیم و تعلم کا از سر نو رواج (Revival) ہوا، قطعاً غلط ہے۔

"Theology" کا دوسرا مفہوم علم کلام ہے جس کا آج بھی "Scholostic Theology" کے نام سے ترجمہ کیا جاتا ہے، مگر (الف) نہ تو اسلامی ہند کی علمی تاریخ کے اندر کبھی اس سے پہلے علم کلام کا خاص چرچا رہا تھا، جو نویں دسویں صدی میں اس کے احیاء کا سوال پیدا ہوتا (ب) نہ ان علمائے اربعہ نے جن کے تذکرے پر یہ باب مشتمل ہے اور جن کی تعلیمی سرگرمیوں کو "Theological studies" کے "Revival" سے تعبیر کیا گیا ہے، علم کلام کے ساتھ کوئی خاص اعتناء کیا، اور (ج) جن لوگوں نے دسویں صدی اور

Marfat.com

اس کے بعد علم کلام کے ساتھ غیر معمولی اعتناء کیا، وہ ان علمائے اربعہ کے علاوہ اور فضلاء تھے۔اس لیے ان علماء اربعہ کی تعلیمی سرگرمیوں کو "Theological studies" کے "Revioval" سے تعبیر کرنا نہ صرف غلط بلکہ گمراہ کن ہے۔

بے شک ان علمائے اربعہ کے نفس گرم کی تاثیر سے ہندوستان میں علم حدیث کی تعلیم کو خصوصی فروغ نصیب ہوا، مگر (الف) نہ تو "Theological studies" صرف حدیث کی تعلیم پر منحصر ہیں، کیونکہ ان علوم میں حدیث کے علاوہ تفسیر، فقہ، اصول فقہ اور دیگر علوم بھی شامل ہیں، اصطلاحی طور پر علم الحدیث کا ترجمہ "Science of Tradition" کیا جاتا ہے اور (ب) نہ سندھ کی عرب حکومت کے زمانہ کے علاوہ امام صاغانی کی علمی مساعی کو مستثنٰی کر کے اسلامی ہند میں کبھی حدیث کی تعلیم و تعلم کا کوئی خاص رواج رہا تھا، جو اس کے اضمحلال اور احیاء کا سوال پیدا ہوتا۔

غرض یہ باب (چوتھا باب) خلط مبحث کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، جس سے مصنف کی اسلامی ہند کی علمی تاریخ سے بالکل ناواقفیت کا اظہار ہوتا ہے۔

کتاب کے مطالعہ کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ اس کا مقصد حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تنقیص و مذمت ہے، اسی کے لیے یہ غیر ضروری اور گمراہ کن تمہیدیں بڑھائی گئی ہیں، مصنف کے چھپے ہوئے عزائم چھٹے باب میں بے نقاب ہو جاتے ہیں، انبیاء کرام کی ذوات مقدسہ کے علاوہ اور کس کی شخصیت تنقید سے بالاتر ہو سکتی ہے، مگر تنقید کو تنقید کی حد تک رکھنا چاہیے، اسے تبرا نہیں بنا دینا چاہیے، یہ صحیح ہے کہ مجدد صاحب نے ''رد روافض'' نام کا رسالہ بھی لکھا تھا، مگر جن حالات میں یہ رسالہ لکھا گیا وہ بالکلیہ بدل چکے ہیں، اس عہد کے سیاسی اور معاشرتی حالات اس کے مقتضی تھے، کشمیر میں اکبر کی مداخلت اسی مذہبی نزاع کا نتیجہ تھی، لیکن آج اس کی تبلیغ ملک کے دو طبقوں کے مابین کشیدگی پیدا کرنے کے مترادف ہوگی، اسی

Marfat.com

طرح ''روروافض'' کی یادتازہ کرنا اور ملک کے دوطبقوں میں ناخوشگوار جذبات کا احیاء کوئی پسندیدہ بات نہیں ہے۔

یہ بھی صحیح ہے کہ مجدد صاحب نے استیصال بدعات اور غیر اسلامی رسوم سے احتراز واجتناب پر زور دیا اور مجدد صاحب کی یہ کوشش مفاد پرست طبقہ کو کبھی ایک آنکھ نہیں بھائی، بااینہمہ یہی ''وہابیت'' بنی نوع انسان کی ذہنی ومعاشی حریت کی ضامن ہے، اس لیے ان حضرات کو جو اس مفاد پرست طبقہ کے ترجمان ہیں، اس ''وہابیت'' سے فطرۃً عقیدت نہ ہوگی، مگر اس ناپسندیدگی سے انہیں اپنے ناپسندیدہ مسلک حیات کے علمبرداروں کو مطعون کرنے اور ان کے خلاف بے بنیاد الزام تراشنے کا حق تو نہیں مل جاتا۔

مصنف اس چھٹے باب میں اپنے جذبات کو تحقیقی ذمہ داریوں کے تابع نہیں رکھ سکے اور انہوں نے معمولی معمولی واقعات سے مجدد صاحب کی تنقیص کے لیے سامان استدلال بہم پہنچانے کی کوشش فرمائی ہے، مثلاً (۱) مصنف کا خیال ہے کہ مجدد صاحب کے مزاج میں بچپن ہی سے رجعت پسندی اور فرقہ واریت راسخ ہوگئی تھی، اور یہ ان کے وطنی اثرات کا نتیجہ تھی جہاں کے ''مخادیم'' (وجوہ وداعیان) کو غیر مسلموں کی مذہبی آزادی ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی، اور اسی وجہ سے وہ اکبر کی اس ''صلح کل'' کی روش سے ناراض تھے، فرماتے ہیں:

> That xeachtion had its genesis in his very birth Sixhind, which is situated not very far from Than eswax, Kuruk Shetra and kangra, all of Them prominent centres of Hindu pligrimage,

Marfat.com

which enjoyed complete refigious freedom During the reign f Akbar...... In These civcums Tances it should be not wonder, if the Makhadim of Sirhind in paticular did not see eye to eye with Akbar's "policy of peace with all"...... it was This environment in which shaikh Ahma was born and brought up". (p.212-214)

[اس ردعمل کی ابتدا تو ان کے وطن مالوف سرہند ہی میں ہو چکی تھی، جو تھانیسر کرکشیتر اور کانگڑہ سے زیادہ دور نہیں ہے، یہ سب مقامات ہندوؤں کے تیرتھ استھان ہیں جنہیں اکبر کے عہد میں مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی......ان حالات میں کوئی تعجب نہیں ہے اگر سرہند کے مخدوم زادگان خصوصیت کے ساتھ اکبر کی روش ''صلح کل'' سے بیزار ہوں...... یہ ماحول تھا جس کے اندر شیخ احمد پیدا ہوئے اور جس میں انہوں نے نشو ونما پائی]

(۲) مجدد صاحب کی فرقہ واریت میں آگرہ پہنچ کر اور شدت پیدا ہوگئی، جہاں کے فضلاء کی رواداری اور فراخ مشربی نے ان کی قدیم فرقہ واریت کی تعدیل کے بجائے اسے اور شدید بنا دیا۔ فرماتے ہیں:

The swing Towards eclecticcism in

Marfat.com

Agra had undoubtedly hardened Shaikh Ahmad Sir hindi all the more in his reactionary idealogy" (p.212)

[آگرہ میں انتخابیت پسندی اور تمتع زہر گوشہ یافتم کے اول کی جانب جو رجحان انہیں ملا اس نے شیخ احمد سرہندی کو اپنے رجعت پسندانہ نظریات میں اور بھی متشدد بنا دیا]

وہ مجدد صاحبؒ کی مزعومہ "فرقہ وارانہ تنگ نظری" کو آگرہ اور دربار اکبری کی فراخ مشربی، رواداری اور روش "صلح کل" کا ردعمل بتاتے ہیں:

"He also visited Agra when about twenty years in age, but the company of philosophers and scientists could not broaden his autlook. Rather the catholicity and eclecticism of the scholars associated with the Imperial court seemste have affected his mind adversely" (P.206)

[وہ آگرہ بھی گئے جبکہ ان کا سن بیس سال کا تھا، لیکن حکماء وفلاسفہ کی مجالست بھی ان کے خیالات میں فراخ مشربی پیدا نہ کر سکی۔ اس کے برعکس ان علماء کی رواداری اور انتخابیت پسندی نے جو بادشاہی دربار سے وابستہ تھے، ان کے ذہن کو معاندانہ طور پر متاثر کیا]

Marfat.com

(۳) مصنف کا یہ بھی خیال ہے کہ اکبر کی روش "صلح کل" اور درباری علماء کی فراخ مشربی وانتخابیت پسندی کے علاوہ جس چیز کے ردعمل نے ان کی فرقہ وارانہ تنگ نظری کو شدید سے شدید تر بنا دیا، وہ فلسفہ و معقولات تھے، جو عہد اکبری میں نہ صرف نصاب تعلیم ہی پر چھائے ہوئے تھے، بلکہ طبائع پر بھی انہوں نے غلبہ حاصل کرلیا تھا، اگرچہ خود مصنف کو اس بات کا اعتراف ہے کہ مجدد صاحب کو فلسفہ وحکمت میں دستگاہ عالی حاصل تھی، فرماتے ہیں:

> Though he had acquited knowledge of Maqulat also, it appears that he had not taste fox it and laid undue emp hasis on Manqulat (Tradition eto) beginning" (p.206)
>
> [اگرچہ انہوں نے معقولات میں بھی دستگاہ عالی حاصل کرلی تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس کا کوئی ذوق نہ تھا، اور وہ منقولات (مثلاً حدیث وغیرہ) پر غیر ضروری زور دیتے تھے، اس چیز نے شروع ہی سے انہیں محکمیت پسند بنا دیا تھا]

(۴) مصنف نے مجدد صاحب کی اصلاحی وتجدیدی مساعی کی بھی تنقیص کی کوشش کی ہے اور اس ضمن میں یہ ثابت کرنے کی سعی پیہم فرمائی ہے کہ مجدد صاحب نے کسی طرح بھی جہانگیر کی پالیسی کو متاثر نہیں کیا، مجدد صاحب نے متعدد امرا کو خطوط لکھے تھے، ان کا جائزہ لیکر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان کی تجدیدی واصلاحی مساعی ناکام رہیں۔ فرماتے ہیں:

> This gives an impression To Those who have not examined the

Marfat.com

contempouary sources objectiuely that Mujaddid ex ercised a greate influence on lahangir's policies. Itis there fore very essential that the activities of the nobles and grandees, whom Mujaoldid wrote letters to onlist their support, should be examined ...... so that the xtent to which they influenced the course of events, of any, many be property estimated" (216p)

[اس سے ان لوگوں پر جنہوں نے (زیرنظر عہد) ہمعصر مآ خذ و مصادر کا ذاتیات سے بلند ہو کر مطالعہ نہیں کیا، کچھ ایسا اثر مترتب ہوتا ہے کہ مجدد صاحب نے ...... عہد جہانگیری کی پالیسیوں کو بڑی شدت سے متاثر کیا تھا، لہٰذا ضروری ہے کہ ان امرا اور اعیان مملکت کی سرگرمیوں کا باقاعدہ مطالعہ کیا جائے جن کی (اخلاقی) اعانت حاصل کرنے کے لیے مجدد صاحب نے خطوط لکھے تھے...... تا کہ یہ صحیح طور پر متعین ہو سکے کہ ان امرا نے حالات کے رخ کو کہاں تک متاثر کیا]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے زیر نظر عہد کی سطحی اور زیر سطحی تحریکوں کا یا تو امعان نظر سے مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی یا پھر دیدہ و دانستہ انہیں سیاق و سباق سے

Marfat.com

معری کر کے سرسری مطالعہ کے بعد ان سے حسب دلخواہ نتائج نکالنے کی کوشش کی ہے، مثلاً

(۱) سرہند کے مخادیم اور وجوہ و اعیان کی مزعومہ ''مذہبی تنگ نظری'' جو مصنف کی رائے میں مجدد صاحب کے ''فرقہ وارانہ رجحانات'' کا سبب اولین تھی، ان کے خیال میں ان مخدوم زادگان اور اکابر شہر کے حسد اور تعصب مذہبی کا نتیجہ تھی، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ دوسرے فرقوں کی رجعت پسندی اور احیائی سرگرمیوں کا فطری ردعمل تھی، جو مسلم حکمرانوں کی خانہ جنگیوں سے قوی دل ہو کر اس ملک میں اسلام کے خاتمہ کا خواب دیکھ رہے تھے، اس خطرہ کی اہمیت کو نہ یہ مخادیم نظرانداز کر سکتے تھے، اور نہ مجدد صاحب اور دیگر اہل الرائے۔

مقامی راجاؤں کی توقعات بابر کے حملے کے بعد خصوصیت سے بڑھ گئی تھی، ان کا خیال تھا کہ بابر بھی تیمور کی طرح پٹھانوں کو کچل کر اور ملک کو لوٹ کر واپس چلا جائے گا، اور جب وہ نہیں گیا تو انہوں نے بقیۃ السیف پٹھانوں کو قومی اتحاد کے نام پر اپنے ساتھ ملا لیا، مگر بہت جلد اس قومی اتحاد کا خوشنما طلسم چاک ہو گیا، اور مقامی احیائیت پسندوں کے عزائم بے نقاب ہو گئے۔ پٹھان امرا بھی بہت جلد متنبہ ہو گئے اور اگرچہ وہ مغلوں سے بے زار تھے، مگر انہوں نے مغل بالادستی کے اندر ہندوستان میں اسلام کی بقا کو اپنی آزادی واستقلال پر ترجیح دی اور اس طرح پٹھانوں اور مغلوں کی متحدہ مقاومت سے وقتی طور پر مقامی احیائیت پسندی کا خطرہ مٹ گیا۔

مگر بابر کی وفات کے بعد ہمایوں اور اس کے بھائیوں کی برادرانہ خانہ جنگی نے نیز مغل اور پٹھانوں کی آویزشوں نے احیائیت پسندوں کی توقعات کو پھر سے زندہ کر دیا، اس مرتبہ مغل کو اقتدار کا میدان چھوڑ کر (ہمایوں کے ہمراہ) بھاگنا پڑا اور کچھ دن شیر شاہ کے زیر قیادت پٹھان اقتدار قائم رہا، مگر اسلام شاہ کے مرنے پر اس کے جانشینوں میں جو برادرانہ خانہ جنگی پھیلی۔ اس نے پٹھان اقتدار کی ہیبت کو ختم کر دیا اور عدلی کے بعد تو مقامی

Marfat.com

احیائیت پسندی اپنے عزائم میں تقریباً کامیاب ہوگئی، ہیموں کا اقتدار راجہ بکرماجیت کا تخت دہلی پر بازاحیا سمجھا گیا۔ اس کے بعد مغل ہوں یا پٹھان، سادات ہوں یا شیوخ جملہ بیرونی لوگوں کے استیصال واخراج کے لیے ایک تحریک شروع ہوئی، جس کا اثر ان شہروں میں تو نمایاں نہ تھا، جہاں مسلمان امرا کے ہمراہ کافی مسلمان آبادی تھی، لیکن ان شہروں میں یہ تحریک بڑے زوروں پر تھی جو دشوار گزار علاقوں میں واقع تھے یا جو ہندوؤں کے تیرتھ استھان تھے، ان شہروں میں بیرونی لوگوں کے استیصال و اخراج کے لیے منظّم جارحانہ سرگرمیاں جاری تھیں۔

ہمایوں کی واپسی اور اکبر کی تخت نشینی کے بعد بظاہر مقامی احیائیت پسندوں کی توقعات کو کچھ صدمہ پہنچا مگر جب اکبر نے راجپوتوں کے یہاں رشتہ داریاں قائم کرلیں تو پھر مقامی احیائیت پسندوں کی جارحانہ سرگرمی بڑھ گئی، متھرا کا واقعہ تاریخ کا کوئی منتشر واقعہ نہ تھا، جیسا کہ مصنف نے سرسری نظر ڈال کر اس کو نظر انداز فرمانے کی کوشش کی ہے کہ

"These isolated encidents shoulc be examined in their particular contexts".

یہ منتشر واقعات نہیں تھے، بلکہ استیصال اسلام کی ایک منظّم سازش کے وہ مظاہر تھے، جو تاریخ کے حافظے میں محفوظ رہ گئے ہیں، انہیں اس طرح سرسری طور پر نظر انداز کر دینا کوئی تاریخی دیانتداری تو نہیں ہے، مگر اس سلسلے میں اکبر کے ''بے اصولے پن'' کی ایک مثال نظر انداز نہیں کی جاسکتی، جب مخدوم عبدالنبی کی تائید میں شفائے قاضی عیاض کی روایت اکبر کے سامنے نقل کی گئی تو بعض جی حضوریوں نے کہا:

''قاضی عیاض مالکی است۔ سخن او در دیار حنفی سند نیست۔''

اس پر بادشاہ نے بدایونی سے پوچھا، بولو اس کا جواب کیا ہے، بدایونی نے کہا:

Marfat.com

''اگرچہ او مالکی است، مفتی محققے اگر بجہت سیاست عمل برفتوی او کند
شرعاً جائز است''

بادشاہ سلامت کو اس پر اتنا غصہ آیا کہ مونچھ کے بال غضب کے مارے کھڑے ہو گئے اور کہا یہ بالکل بیہودہ بات ہے:

''موے سبلت شاہنشاہی را در آنوقت مردم می دیدند کہ چوں موئے
شیر برخاستہ بود...... فرمودند ایں نامعقول است کہ می گوئی''۔

لیکن یہی ''نامعقول'' بات جب اسی بدایونی نے جواز متعہ کے سلسلے میں کی تھی تو بادشاہ بہت خوش ہوئے تھے، بدایونی نے کہا تھا:

''متعہ نزدیک امام مالک رحمہ اللہ و شیعہ باتفاق مباح و نزدیک امام
شافعی و امام اعظم رحمۃ اللہ علیہما حرام مگر آنکہ قاضی مالکی مذہب حکم
بامضاء آں بکند، آنزماں بمذہب امام اعظم باتفاق مباح می شود''

اور بادشاہ کا تاثر اس ''نامعقول'' بات کو سن کر یہ ہوا تھا:

''ایں سخن بسیار مستحسن افتاد''

بات دونوں جگہ ایک ہی تھی یعنی ''مالکی فقہ کی روایت حنفی آبادی میں'' مگر جب اس سے ہوا پرستی کی تائید ہوئی تو ''مستحسن'' قرار پائی اور جب جذبہ رجولیت مجروح ہوا تو یہی بات ''نامعقول'' ٹھہری یہ تھی اکبر اعظم کی اصول پرستی و انصاف پژوہی۔

(۲) رہی اکبر کی مبینہ ''صلح کل کی پالیسی'' اور درباری علماء کی ''فراخ مشربی'' اور ''انتخابیت پسندی'' (eolecticism) تو یہ "Insult of Terinjury" کی مصداق اور جمہور اہل اسلام کے زخموں پر نمک پاشی کے مترادف ہے، اکبر نے دوسرے مذاہب کے ساتھ جو رواداری برتی، وہ کسی ایجابی انصاف پروری کا نتیجہ نہ تھی، بلکہ

Marfat.com

غیر مذاہب کی جو کچھ جنبہ داری کی، وہ سراسر اسلام کی ضد میں تھی۔

عشق کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف
عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا

اور اس ڈھونگ کو نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو امرا بھی اچھی طرح سمجھتے تھے، چنانچہ جب اس نے راجہ مان سنگھ سے اس ''روش صلح کل'' کی داد چاہی (اس سے دین الٰہی قبول کر لینے کی خواہش کی) تو راجہ نے برجستہ جواب دیا کہ اگر رائے عالی تبدیلی مذہب ہی کی مقتضی ہے تو میں مسلمان ہو سکتا ہوں مگر اس ڈھونگ میں شریک ہو کر خود فریبی کا شکار نہیں ہونا چاہتا۔

''ودر محرم ۹۹۶ سنہ ست وتسعین وتسع مآتہ مان سنگھ بحکومت ولایت بہار و حاجی پور پٹنہ نامزد شدہ در شب عاشورہ اور ادر خلوت با خانخانان جام دوستکامی دادہ حرف و حکایت ارادہ درمیان آوردہ، وہ در مقام امتحان شدند۔ او بے تکلفانہ بغرض رسانید کہ اگر مریدے عبارت از جانسپاری است آں خود در کف دست نہادہ ایم چہ احتیاج بامتحان دیگر و اگر غیر این است وسخن در دین دارید ہندو خود ہستم داگر بفرمائید مسلمان می شوم وراہ دیگر خود نمید انم کہ کدام است''۔ (ص ۲۶۲)

حقیقت یہ ہے کہ اکبر کا دین الٰہی نہ ''قومی یکجہتی'' کی جانب پہلا قدم تھا، نہ ہندو مسلم اختلاط و امتزاج کی کوشش تھی، بلکہ یہ اس کی جارحانہ اسلام بیزاری کا نقطۂ عروج تھا، اسے نہ صرف مسلمان علماء سے نفرت تھی بلکہ دین اسلام سے بھی دشمنی تھی اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ اسے پیغمبر اسلام ﷺ سے شدید عداوت تھی، کیونکہ آپ ہی کی شان میں دریدہ دہنی و گستاخی کی بنا پر متھرا کے اس برہمن کو سزا دی گئی تھی جس کی سفارش میں ہندو رانیوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا، اور جب ناکامی ہوئی تو اکبر کے جذبہ مردانگی کو طعنے دے

Marfat.com

دے کر پھوکے لگائے تھے

''واہل حرم از درون وسائر مقربان ہندو واز بروں گفتند کہ ایں ملایان راشمانوازش فرمودید وکار ایشاں حالا بجائے رسیدہ کہ ملاحظہ خاطر شما ہم نمی کنند''

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین اسلام سے نفرت اور ضد کے ساتھ پیغمبر اسلام ﷺ سے بھی دشمنی بڑھ گئی، اکبر انتہائی حقارت کے ساتھ معراج کی نقل کیا کرتا تھا۔

''شبے بحضور وے (شاہ فتح اللہ) بایہر برخطاب کردومی گفتند کہ ایں معنی راعقل چگونہ قبول کند کہ شخصے در یک لحظہ باآں گرانی جسم ازخوابگاہ بآسمان رودوخود ہزار سخن گوئے ومگوے باخدائے بکند وبسترش ہنوز گرم باشدتاباز بیاید''۔

بہر حال اکبر کی یہ ''صلح کل'' اس کی جارحانہ اسلام دشمنی کا نام تھی، ہر مذہب کو نہ صرف اجازت تھی کہ وہ اسلام پر جاوبیجا نکتہ چینی کرے بلکہ اس کے لیے اس کی ہمت افزائی کی جاتی تھی۔

''برغم اسلام ہر حکمے کہ ارباب ادیان دیگر بیان کردند، نص قاطع شمردند۔''

اس کے برخلاف اسلام کی ہر بات پر نامعقولیت کا طعنہ تھا۔

''بخلاف ایں ملت کہ ہمہ احکام آں نامعقول وحادث وواضع آں فقرا،عرباں جملہ مفسد وقطاع الطریق واہل اسلام مطعون قراریافتند''

یہ بدایوانی کی تصریحات ہیں، ممکن ہے اسے مبالغہ طرازی پر محمول کیا جائے، مگر خارجی قرائن شاہد ہیں کہ جو کچھ بدایونی نے اکبر کی اسلام دشمنی کے بارے میں لکھا ہے، حرفاً حرفاً صحیح ہے۔

Marfat.com

صاحب دبستان المذاہب نے لکھا ہے کہ ایک دن ایک حکیم دربار میں آیا اور اس نے آکر ''نبوت'' پر اعتراضات کرنا شروع کیے۔ مگر کسی نے جواب نہیں دیا، خوش قسمتی سے یہ اعتراضات من وعن ''دبستان المذاہب'' میں منقول ہیں، ان اعتراضات میں کوئی اشکال نہیں ہے، اور تقریباً سب کے سب علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہیں، اور ہر ایک کا شافی ووافی جواب بھی ان میں مذکور ہے، سوال یہ ہے کہ کیا اکبر کے دربار میں کوئی عالم ایسا نہ تھا جو ان کتابوں کو پڑھے ہوئے ہو اور ان اعتراضات کا جواب دے سکے، یہ چیز یوں ناقابل تسلیم ہے کہ دربار اکبری میں نیز اس عہد کے ہندوستان میں ایک سے ایک فاضل عالم پڑھا ہوا تھا، انہیں سے بہت سے نو علم کلام کی کتابوں کے مصنف، شارح اور محشی تھے، بہت سے علم کلام کی معیاری کتابوں کی تدریس میں امتیازی شان رکھتے تھے، جیسے مولانا عبدالسمیع اندجانی جو شرح مواقف اور شرح مطالع کے پڑھانے کے لیے بقول امین احمد رازی صاحب ہفت اقلیم شہرۂ روزگار تھے۔

> ''قاضی عبدالسمیع از شاگردان مولانا احمد خود است...... شرح مواقف وحاشیہ مطالع نیک می داند''

کیا یہ علماء جو شرح مواقف، شرح عقائد نسفی، خیالی وغیرہ کی تقریر میں ید طولیٰ رکھتے تھے، ان اعتراضات کا جواب نہیں دے سکتے تھے، ضرور دے سکتے تھے اور اگر انہوں نے جواب نہیں دیا تو صرف اس لیے کہ ان پر بحکم سرکار زبان بندی عائد کر دی گئی تھی، ہمارے سامنے بدایوانی کی ''نجات الرشید'' موجود ہے، اس کا مصنف فقہ اور کلام میں غیر معمولی بصیرت کا مالک معلوم ہوتا ہے، کیا بدایونی ان طفلانہ اعترضات کا جواب نہیں دے سکتے تھے، ضرور دے سکتے تھے۔ مگر شاہی حکم سے مجبور تھے، ان پر جو ڈانٹ پڑی تھی، اس کا ذکر اوپر مذکور ہو چکا ہے، ایسے باسطوت بادشاہ کی ڈانٹ کھانے کے بعد اس کا زہرہ تھا

Marfat.com

کہ پھر اظہار حق کی جرأت کرتا، خود فرماتے ہیں:

''(بادشاہ) بیکبارگی اعراضی شدہ فومودند: ایں نامعقول است کہ می گوئی، درحال تسلیم کردہ دباز پس آمدہ درجرگہ ایستادم وازاں روز باز ترک دلیری و مجلس مباحثہ نمودہ و گوشہ انزوا گزیدہ گاہ گاہے از دور کورنش می کردم''۔

اس کے بعد دربار اکبری کے اس معاملہ کو بادشاہ کی ''روش صلح کل'' اور علمائے دربار کی ''فراخ مشربی'' سے تعبیر کرنا، ان لوگوں کے زخموں پر نمک پاشی کے مترادف ہے، جو اکبر کی اس جارحانہ اسلام دشمنی و اسلام بیزاری کے زخم خوردہ تھے۔

(۳) مجدد صاحب (اور اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ) کی فلسفہ بیزاری ایک تاریخی مسلمہ ہے، مگر مصنف نے اسے بھی ان کی مذہبی تنگ نظری، فرقہ واریت اور ادعائیت کی علت قرار دیا ہے، اور اس طرح انہیں اس تفلسف دشمنی کی بنا پر جدید تعلیمیافتہ طبقے میں لال بجھکڑ اور کٹر ملا بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اس سعی لاحاصل پر مفصل تبصرہ تو اپنے مقام پر آئے گا، مگر یہاں اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ اسلامی عہد میں فلسفہ کی وہ نوعیت نہیں تھی جو آج یورپ میں ہے فلسفہ کا نام آتے ہی ہمارے ذہن کے سامنے کانٹ جیسے سنجیدہ اور متین علمبرداران امن کی تصویر آ جاتی ہے، اس لیے جدید تعلیمیافتہ طبقے کے لیے فطری ہے کہ وہ ''فلسفہ بیزار ملاؤں'' کو معقولیت پسندی اور انسان دوستی کا دشمن سمجھیں۔

لیکن اسلامی تاریخ میں فلسفہ اعدامیت (Nihilism) کا شعار تھا۔ احقاق حق کی مقدس خواہش کبھی بھی ان ''فلاسفہ'' کے پیش نظر نہیں رہی، فلسفہ کی سرگرمیوں نے خود کو صرف مذہب دشمنی یا اسلام بیزاری ہی تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اس کے منظم معاشرہ کی تخریب کے لیے شورش پسندی اور انقلابی سرگرمیوں کی ہمیشہ ہمت افزائی کی، اسلامی فلسفہ کا

Marfat.com

ممثل اعظم شیخ بوعلی سینا کو بتایا جاتا ہے لیکن اس کی انقلابی سرگرمیوں کے مقابلے میں بیکونن (Bakunin) اور کروپوٹکین (Krapotkin) جیسے مشہور عالم انارکسٹوں کی تخریبی مساعی بھی ماند ہیں۔

اور جہاں تک مذہب بالخصوص دین اسلام سے فلسفہ کے ٹکراؤ اور تصادم کا سوال ہے تاریخ شاہد ہے کہ سنجیدہ افہام وتفہیم کے معاملے میں یہ مذہب نہیں تھا بلکہ فلسفہ تھا جس نے ہمیشہ ہٹ دھرمی سے کام لیا۔

(۴) مجدد صاحب کی تجدیدی واصلاحی سرگرمیوں کا جائزہ لینے میں بھی مصنف نے انتہائی تنگ نظری سے کام لیا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ مجدد صاحب کو بادشاہ وقت کے یہاں کوئی تقرب یا جاہ وثروت حاصل نہیں ہوئی، اس کے برعکس اس کے یہاں انہیں قید وبند کی صعوبتیں جھیلنا پڑیں، لیکن داعیان خیر کی مساعی مشکورہ کا اندازہ ان کی فوری کامیابی اور ناکامی سے نہیں لگایا جاتا، اگر ایسا ہو تو دنیا کی عبث ترین کوشش ''شہید کربلا'' کی قربانی ٹھہرےگی کہ اس قیامت خیز واقعہ کے بعد بھی یزید اسی طرح اپنی عیش کوشیوں میں منہمک رہا، بلکہ یزید اور اس کے اعوان وانصار کے مظالم کے بعد تو کچھ دن تک ایسا محسوس ہوتا رہا کہ باطل کے خلاف اب شاید قیام قیامت تک کسی کو لب کشائی کی جرأت نہ ہو سکے گی، لیکن تاریخ شاہد ہے کہ آج تک جب بھی اسلام کی تاریخ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے کوئی تحریک ظہور میں آئی، یہ اسی مقدس خون کی برکت تھی۔

خدا بخشے مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ کو کیا خوب فرمایا تھا۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

Marfat.com

بے شک جاہ وثروت کی شکل میں مجدد صاحب کو اپنی سعی مشکور کا کوئی صلہ نہیں ملا، لیکن وہ خود کسی دنیوی صلے کے متمنی نہ تھے، ان کے مکاتیب موجود ہیں، ان کے عقید تمندوں کے علاوہ ان کے نکتہ چینوں کی یادداشتیں موجود ہیں، مگر یہ کہیں نہیں ملتا کہ وہ صدارت کے طلبگار تھے، یا شیخ الاسلامی کا خواب دیکھ رہے تھے، ہاں وہ جس مقصد کو لے کر اٹھے تھے اس میں انہیں کامیابی ضرور ہوئی۔

جہانگیر ذاتی طور پر ان کا مخالف اور نکتہ چیں رہا، لیکن اگر امعان نظر سے تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تخت نشینی کے بعد سے لیکر کم از کم ۶ھ جلوس تک اس نے نفاذ احکام شرعیہ میں اسی طور پر کمر بستگی دکھائی، جس کا ایک اجمالی خاکہ مجدد صاحب کے مکاتیب میں ملتا ہے، مثلاً وہ غیر مسلم فضلاء کی صحبت اور ہم نشینی کے خلاف تھے، اور جہانگیر بھی اپنے ۵ھ جلوس تک اس پر کاربند نظر آتا ہے، اس نے خود تزک میں لکھا ہے:

دریں روزہا ظاہر شد کہ کوکب پسر قمر خاں بہ سنیاسی آشنائی پیدا کردہ ورفتہ رفتہ سخنان او کہ تمام کفروزندقہ است در مذاق آں جاہل جا کردہ ...... تادیب وتنبیہ آں را لازم دانستہ کوکب وشریف را بعد از شلاق مقید ومحبوس ساختم ...... ایں تنبیہ خاص بجہت حفظ شریعت بودہ۔"
(ص ۸۲)

البتہ ۶ھ کے بعد اس کی غفلت وبے اعتنائی بڑھنے لگی اور اگر Method of Concammitant variation کی کوئی حقیقت ہے تو اس بے اعتنائی کو نور جہاں کے مزاج جہانگیری میں دخیل کار ہونے کے نتیجہ کے علاوہ اور کچھ قرار نہیں دیا جا سکتا اس کا ادنی کرشمہ یہ تھا کہ

"تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا"

Marfat.com

اس کی تفصیل کسی اور موقع پر بیان کی جائے گی۔

آٹھویں باب کا عنوان ہے ''سترہویں صدی میں توحید وجودی اور ثقافتی امتزاج''۔اس عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں فاضل مصنف وحدت الوجود کی تاریخ کے علاوہ سترہویں صدی کے اندر ہندوستان کے مختلف مذاہب کے پیرووں کے باہمی اختلاط وامتزاج کی تفصیل بھی بیان فرمائیں گے کہ کس طرح مختلف مذاہب تدریجا ایک دوسرے کے قریب آرہے تھے بالخصوص پیروان اسلام کس طرح اسلام کی بنیادی تعلیمات کو چھوڑ کر مقامی مذاہب کے شعائر کو آہستہ آہستہ اختیار کرتے جارہے تھے، نیز جن الفاظ میں اس باب کا افتتاح ہوا ہے۔اس سے بھی ان کے اس ارادہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

> سولہویں اور سترہویں صدی کے ہندوستان کا اسلامی مزاج مختلف (معاشرتی وفکری) ڈھانچوں پر مشتمل ہے جن میں مختلف (فکری) دھارے ایک دوسرے کو قطع کرتے ہوئے بہہ رہے تھے، اگر ایک جانب ایک قلیل جماعت نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ان کے پیشرووں کی مساعی کو لبیک کہا تھا جو علوم اسلامیہ کے تعلیم وتعلم کو ازسرنو زندہ کرنا چاہتا تھا، اور اس طرح اسے تشدد پسند مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے راسخ العقیدگی کی مذہبی زندگی کی طرف واپسی کا ایک ناگزیر وسیلہ بنائے ہوئے تھے، اور اس کے ساتھ سائنسی اور فلسفیانہ تحقیقات کو ایک معمولی اہمیت دیتے تھے اور اس طرح مجدد صاحب اور ان کے متبعین کی تعلیمات کے لیے راستہ ہموار کر رہے تھے، تو دوسری جانب مسلم آبادی کا بڑا حصہ اس پر امن بقائے باہمی کی

Marfat.com

تحریک کے لیے نئے راستے تلاش کرنے میں مشغول تھا۔ جس کی ضرورت کا ایک سے زیادہ طریقوں سے احساس ہو رہا تھا۔''

اس کے بارے میں مفصل معروض بعد میں پیش کی جائے گی، یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ

(۱) اس باب کے اندر جو ۴۶ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، وحدت الوجود کے علمبرداروں کا تذکرہ تو ضرور ہے مگر اس موعودہ ''ثقافتی اختلاط و امتزاج'' کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ (۲) پھر جن الفاظ میں انہوں نے ''احیائیت پسندوں'' اور ''فراخ مشرب انتخابیت پسندوں'' کی اضافی قلت و کثرت کا ذکر کیا ہے کہ اول الذکر کے لیے "A small section" اور ثانی الذکر کے لیے Vite a Large Number اور great Bulk کا استعمال کیا ہے، اس میں بیان حقیقت سے زیادہ ادعائیت و تحکمیت کا اظہار ہے کیونکہ فوراً سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس زمانہ میں احیائیت پسندوں اور فراخ مشربوں کی با قاعدہ مردم شماری ہوئی تھی، یا اس مسئلہ پر رائے شماری ہوئی تھی، جس کے نتیجے میں دونوں موقفوں کے پیردوں کی قلت و کثرت کا تعین کیا گیا۔

حالانکہ اورنگ زیب اور داراشکوہ کی برادرانہ خانہ جنگی کا جس نہج سے فاضل مصنف نے تذکرہ کیا ہے، اس سے باب میں کوئی شک نہیں رہتا کہ رائے عامہ اتباع سنت اور احیائے دین متین ہی کی خواہاں تھی، اور اسی رائے عامہ کی تائید کی بنا پر اورنگ زیب کو داراشکوہ کے مقابلے میں کامیابی نصیب ہوئی۔

پھر جن صوفیائے کرام کا اس باب میں تذکرہ کیا گیا ہے، وہ سب کے سب وحدت الوجود کے قائل تھے، باایںہمہ سوائے بابا لال بیراگی کے جو مسلمان نہیں تھے، یہ سب صوفیاء اتباع شریعت میں اتنے ہی مستعد و سرگرم تھے، جتنے متقشف ''علمائے ظاہر'' بلکہ شاید

Marfat.com

ان سے بھی زیادہ، مثلاً معاشرہ میں زندگی بسر کرنے والوں کے لیے نماز باجماعت کی ادائیگی دشوار نہیں ہے، جتنی ان بزرگوں کے لیے جو بیابانوں اور جنگلوں میں تنہائی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور اپنا بیشتر وقت ذکر وفکر اور مراقبہ ومجاہدہ میں صرف کرتے ہیں، اس کے باوجود مستحب اور افضل اوقات میں جمع ہوکر نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔

مصنف کی اس ناقص کتاب کے مطالعہ کے بعد فوری طور پر جو باتیں ذہن میں آئیں وہ اس مضمون میں درج کی گئی ہیں، مزید تفصیلات کسی اور موقع پر پیش کی جائیں گی۔ وباللہ التوفیق۔

حواشی وحوالہ جات

۱ے کشاف زمخشری المتوفی ۵۳۸ھ کی تصنیف ہے، اپنے اعتزال کے باوجود یہ قدیم زمانہ سے درس ومطالعہ میں متداول ہے ہندوستان میں بھی اس کا رواج شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے زمانہ سے پہلے ملتا ہے۔ قاضی ناصر الدین بیضاوی نے اس کو اعتزال سے پاک کر کے اپنی تفسیر انوار التنزیل لکھی جو تفسیر بیضاوی کے نام سے مشہور ہے، بیضاوی بھی ہندوستان میں عرصہ سے مروج ہے شیخ علی متقیؒ (۸۸۵-۹۷۵ھ) نے اسے شیخ حسام الدین متقی سے پڑھی تھی، اگلی صدی میں شیخ وجیہ الدین گجراتی نے اس پر حاشیہ لکھا، سترہویں صدی میں فحول علماء میں امیر فتح اللہ، ملا عبدالسلام لاہوری، مفتی عبدالسلام دیوی، ملا عبدالحکیم سیالکوٹی وغیرہ نے حواشی لکھے۔

۲ے ہدایہ برہان الدین مرغینانی کی تصنیف ہے، یہ فقہ کی مستند کتاب ہے جو آج بھی درس میں داخل ہے سولہویں صدی میں مولانا الہ داد جونپوری اور شیخ وجیہ الدین گجراتی نے اس پر حواشی لکھے۔

Marfat.com

۳۔ توضیح، صدر الشریعہ کی شرح ہے اپنے ہی متن تنقیح الاصول پر، بعد میں توضیح پر علامہ تفتازانی نے تلویح کے نام سے حاشیہ لکھا اور اس طرح یہ کتاب توضیح تلویح کے نام سے روم اور ہندوستان کے مدارس میں متداول ہوئی، سولھویں صدی میں شیخ یعقوب صرفی کشمیری اور شیخ وجیہ الدین گجراتی نے اور اگلی صدی میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی اور ان کے صاحبزادے مولانا عبداللہ لبیب نے اس پر حواشی لکھے۔

۴۔ عضدی یا شرح مختصر ابن حاجب از قاضی عضد اصول فقہ کے اعلیٰ نصاب میں شامل تھے، امام الدین ریاضی نے لکھا ہے کہ انہیں اس کتاب کے پڑھنے کی آرزو تھی، اور یہ آرزو خواجہ ابوالمعالی کے درس میں پوری ہوئی جہاں تقریباً پچاس طلبہ علم عضدی کو میر سید شریف کے حاشیہ کے ساتھ ان سے پڑھتے تھے۔

۵۔ عقائد نسفی امام نجم الدین عمر المتوفی ۵۳۷ھ کی تصنیف ہے، اس پر علامہ تفتازانی نے شرح لکھی جو بہت جلد درس میں داخل ہوگئی، ہندوستان میں بھی اس کا رواج دسویں صدی میں عام ملتا ہے، مولانا علاء الدین لاری نے اس کا حاشیہ لکھ کر میاں حاتم سنبھلی کے تبصرہ کے لیے پیش کیا تھا۔ (ان کے علاوہ علمائے ماوراء النہر میں سے عصام الدین اسفرائنی اور ملا احمد جند کے حاشیہ کے علاوہ قاضی خاں بدخشی کا حاشیہ بھی مشہور تھا، ہندوستان میں سولھویں صدی کے اندر شیخ وجیہ الدین گجراتی کا اور سترہویں صدی میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کا حاشیہ بہت زیادہ مشہور ہوا مؤخر الذکر نے شرح عقائد نسفی کے حاشیہ خیالی پر بھی حاشیہ لکھا جو اس صدی میں بھی متداول تھا۔

۶۔ شرح مواقف علم کلام کی آخری کتاب ہے ہندوستان میں اس کا رواج پندرہویں صدی سے ملتا ہے جبکہ مولانا یونس سمرقندی سے حسین شاہ سندی نے اسے پڑھا، عہد اکبری میں مولانا عبدالسمیع اندجانی کو اس کی تدریس میں خاص ملکہ حاصل تھا،

Marfat.com

سترہویں صدی میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے شرح مواقف پر حاشیہ لکھا۔

۷۔ عقائد عضدی قاضی عضد الدین ایجی کا عقائد و کلام میں متن ہے، جس پر محقق دوانی نے شرح لکھی تھی، اس شرح پر مولانا یوسف کوسج اور مولانا خلخالی نے حواشی لکھے۔ ہندوستان میں بھی اس کا رواج تھا، سترہویں صدی میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے اس پر حاشیہ لکھا۔

۸۔ تجرید شیعی علم کلام میں محقق طوسی کا متن ہے، متعدد لوگوں نے اس کی شروح لکھیں، ان میں مولانا قوشجی کی شرح زیادہ مشہور ہوئی اور آج تک درس میں داخل ہے۔ قوشجی کی شرح تجرید پر جو حواشی لکھے گئے ان میں محقق دوانی کے دو حاشیے زیادہ مشہور ہوئے، حاشیہ قدیمہ اور حاشیہ جدیدہ، یہ دونوں حاشیے ہندوستان کے اندر درس میں داخل تھے۔ سولہویں صدی میں شیخ وجیہ الدین گجراتی کے حاشیہ قدیمہ پر حاشیہ لکھا۔

۹۔ شرح شمسیہ قطبی کے نام سے آج تک داخل درس ہے۔ فیروز تغلق کے زمانہ سے سکندر لودھی تک کے زمانہ تک منطق کے نصاب میں آخری کتاب سمجھی جاتی تھی۔

۱۰۔ شرح مطالع کو قاضی عبدالسمیع اندجانی عہد اکبری میں خاص طور سے پڑھایا کرتے تھے۔

۱۱۔ شرح ہدایۃ الحکمہ میبذی کا آج کے دن تک ہمارے یہاں رواج ہے،

۱۲۔ شرح حکمۃ العین بھی اسی صدی تک درس میں داخل تھی۔

۱۳۔ مثلاً یہ مذہب (اسلام) ہندوستان میں کب داخل ہوا، اور کس طرح اس کی اشاعت ہوئی، بزور شمشیر پھیلا یا مقامی آبادی نے بطوع و رغبت قبول کیا، اگر بزور شمشیر پھیلا تو محکوم لوگوں نے اپنے حاکموں کی سیاسی کمزوری کے بعد اسے کیوں نہیں چھوڑا لیکن اگر بطوع و رغبت قبول کیا تو وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر انہوں نے اپنا آبائی مذہب ترک کیا اور بیرونی ملک اور اجنبی قوم کے مذہب کو اختیار کیا۔

۱۴۔ مثلاً ان عوامل میں سے کون سیاسی عوامل تھے اور کون معاشی و معاشرتی، کن عوامل نے

Marfat.com

بیرونی ملک سے آ کر یہاں کے اسلام کو ماؤف یا متاثر کیا تھا، اور کون عوامل مقامی تھے، نیز خود اس ملک کی دیرینہ روایت نے جس کے زیر اثر باہر سے آنے والے تمام مذاہب اور ثقافتیں مقامی مذہب وثقافت میں مدغم ہو کر اپنی انفرادیت کھو بیٹھیں، اس نئے مذہب اور اس کے ساتھ آنے والی ثقافت کو کہاں تک متاثر کیا اور اسے اپنے اندر پورے طور پر جذب کر لینے میں مقامی مذہب کو کیوں ناکامی ہوئی۔

۱۵ شاہ ولی اللہؒ نے فیصلہ وحدت الوجود و وحدت الشہود لکھ کر دونوں نظریوں میں تطبیق کی کوشش کی اگرچہ خود ان کا رجحان وحدت الوجود کی جانب ہے، متاخر شہودیوں میں دو بزرگ خاص طور سے قابل ذکر ہیں، خواجہ میر ناصر (مصنف نالہ عندلیب) اور خواجہ میر درد (مصنف واردات در دو علم الکتاب) مرزا مظہر جانجاناں بھی وحدت الشہود کے قائل تھے، ان ہی کے ایماء سے مولوی غلام یحییٰ بہاری نے کلمۃ الحق لکھی، جس میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ''فیصلہ وحدت الوجود و وحدت الشہود'' کا رد کیا تھا، مولوی غلام یحییٰ کے کلمۃ الحق کی تردید میں مولانا شاہ رفیع الدین صاحب نے ''دمغ الباطل'' کے نام سے ایک مبسوط کتاب لکھی، متاخر منطقیوں میں خاص طور پر مولانا فضل حق خیر آبادی کا بھی رجحان وحدت الوجود ہی کی جانب تھا، انہوں نے اس کی تصویب کے لیے ''الروض المجود فی حقیقۃ الوجود'' کے عنوان سے ایک رسالہ لکھا تھا۔

لیکن وحدت الشہود کے مقابلے میں وحدت الوجود کو عوام میں مقبول بنانے کے اندر شعراء کا بڑا حصہ تھا مگر صوفیاء ہوں یا اہل منطق یا شعراء ان کی کوششوں کے باوجود وحدت الوجود میں جو اشکالات تھے، وہ برقرار رہے اور اہل نظر خود کو اس کے ساتھ راضی نہ کر سکے، خود شعرائے کرام بھی اس موقف کے ساتھ مطمئن نہیں تھے، غالب ہمہ اوست کے علمبردار تھے، اور بقول حالی ''توحید وجودی کو اسلام کا اصل الاصول اور

Marfat.com

رکن رکین جانتے تھے......توحید وجودی ان کی شاعری کا عنصر بن گئی تھی۔" باایں ہمہ اس میں جو اشکال مضمر تھے، ان سے بے خبر نہ تھے، چنانچہ کہتے تھے۔

کثرت آرائی وحدت ہے پرستاری وہم
کر دیا کافر، ان اصنام خیالی نے مجھے

اس سلسلے میں وہ نکلسن کی تقلید میں بڑی دور کی کوڑی لائے ہیں، فرماتے ہیں شیخ بایزید بسطامیؒ نے اپنا فنا کا مخصوص تصور اپنے شیخ ابو علی سندی سے اخذ کیا ہوگا جو "سندی" ہونے کے ناتے ہندی الاصل تھے، اور اس لیے ان کے تصورات ویدانت سے ماخوذ تھے"۔ اسی لیے بایزید بسطامیؒ فنا کا مفہوم فرد کے وجود کے بالکلیہ محو ہو جانے میں سمجھتے تھے۔" ۱۶

یہ تکلف بارد ہے۔ جس کا شیخ علی ہجویریؒ پر قطعاً اثر نہیں ہوا، وہ فنا کے اسلامی تصوف کے تصور ہی کے قائل تھے، بہر حال اگر فاضل مصنف نے کشف المحجوب کا بنفس نفیس مطالعہ فرمانے کی زحمت گوارا فرمائی ہوتی (حالانکہ کتابیات میں وہ اس کے مدعی ہیں) تو ان پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ جب شیخ ہجویری ہندوستان تشریف لائے تو یہاں بہت سے فقرا کو فنا کے ہندو تصور کا قائل پایا، چنانچہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں:

"واندر ہندوستان مردے دیدم کہ مدعی بود بتفسیر و تذکیر و علم، با من اندریں معنی مناظرہ کرد، چوں نگاہ کردم وے خود فنا را می شناخت و نہ بقارا، قدیم را از محدث فرقے نتوانست کرد" (کشف المحجوب ص ۱۹۵)

دوسری جگہ ہندو تصور فنا سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "گروھی را اندریں معنی غلطی افتادہ است و پندارند کہ ایں فنا بمعنی فقد ذات است و نیست گشتن شخصے و بقا آنکہ بقائے حق بہ بندہ بپیوندد، و ایں ہر دو محال است"

Marfat.com

حضرت مجددّ دِالفِ ثانیؒ اور احیائے سنت

ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن

حضرت مجددؒ کا نام نامی احمد، لقب بدر الدین اور کنیت ابوالبرکات تھی۔ والد کا نام عبدالاحد تھا۔ آپ حنفی المذہب اور نقشبندی سلسلۂ طریقت وتصوف کے امام تھے، جو تمام سلاسلِ تصوف کا جامع ہے۔ آپؒ کا سلسلۂ نسب ستائیس واسطوں سے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ سے جاملتا ہے۔ آپ کی ولادت شبِ جمعہ ۱۴ رشوال المکرم ۹۷۱ھ مطابق ۲۶ جون ۱۵۶۴ء کو سرہند میں ہوئی۔ سنۂ ولادت لفظِ خاشع سے برآمد ہوتا ہے۔

آپ نے بچپن میں تھوڑے ہی عرصے میں قرآن کریم حفظ کرلیا، بعدازاں اپنے والد ماجد سے تحصیلِ علوم میں مشغول ہوگئے۔ ان کی توجہ سے آپ کو علوم متداولہ پر اس قدر عبور حاصل ہوا کہ بڑے بڑے دقیق مسائل اور ادق عبارتوں کو بہ سہولت حل فرمادیا کرتے تھے۔ علومِ متداولہ میں والد ماجد کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں مولانا کمال الدین کشمیری، شیخ یعقوب کشمیری، قاضی بہلول بدخشانی جیسے علوم وفنون کے آفتاب وماہتاب شامل ہیں۔ سترہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ مسند تدریس پر متمکن ہوئے۔ مختلف ممالک سے سیکڑوں طلبا کا آپ کی جانب رجوع ہونے لگا۔ رات دن درس وتدریس کا حلق سجتا اور حدیث وتفسیر کا مشغلہ جاری رہتا تھا۔ اس دوران آپ کی درس گاہِ تعلیم وتربیت سے کثیر تعداد نے استفادہ کیا۔

اسی دوران آپ کو اکبر آباد کے علماء وفضلاء کی شہرت کا علم ہوا۔ آپ وہاں تشریف لے گئے۔ چند ہی روز میں وہاں آپ کی ایسی شہرت ہوئی کہ بڑے بڑے علماء

Marfat.com

حدیث وتفسیر کی سند آپ سے حاصل کرنے میں اپنی سعادت سمجھنے اور آپ سے شرف تلمذ کو باعثِ فخر جاننے لگے۔ اس دوران آپ کی خدمت میں بہت سے علماء وفضلاء حاضر ہوئے اور اکتسابِ فیض کیا۔ آپ کی شہرت سن کر اور آپ کے علم وفضل سے متاثر ہو کر ابوالفضل اور فیضی بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حد درجہ اخلاص کا اظہار کیا۔

اسی زمانے میں فیضی نے اپنی مشہور عالم بے نقط تفسیر 'سواطع الالہام' لکھنی شروع کی تھی۔ ایک مقام پر پہنچ کر وہ عاجز ہو گیا۔ بہت سے علماء سے مشورہ کیا، مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ مجبور ہو کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ سے درخواست کی۔ آپ کو اگرچہ اس سے قبل اس طرز کی عبارت لکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا، مگر اس کی درخواست پر اس مقام کے مناسب ایک صفحہ نہایت فصیح وبلیغ بے نقطہ عبارت میں تحریر فرمایا۔

۱۰۰۱ھ کے لگ بھگ ایران میں شاہ عباس صفوی حکم راں تھا۔ اس نے لوگوں کو جبراً شیعہ بنانے کی مہم شروع کی تھی۔ عبدالمومن خاں ازبک والئ توران سے، جو نہایت نیک اور صحیح العقیدہ مسلم حکم راں تھا، اس کی اسی بنا پر جنگ ہوئی اور شاہ عباس صفوی کو شکست اٹھانی پڑی۔ ان حالات میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ایک رسالہ 'ردِ روافض' تحریر کیا۔ اندازہ ہے کہ یہ ۱۰۰۲ھ میں تحریر ہوا تھا۔ اس رسالے کا نام اکثر کتابوں میں ''رد مذہب شیعہ' یا 'ردِ روافض' آتا ہے۔ اس کا تاریخی نام 'کوائفِ شیعہ' ہے۔ اس سے قبل غالباً ۹۹۴ھ میں آپ ایک رسالہ 'اثبات النبوۃ' کے نام سے تحریر فرما چکے تھے۔ پھر ۱۰۰۸ھ میں آپ نے رسالہ تہلیلیہ تحریر فرمایا۔ کچھ عرصہ آپ کا قیام اکبرآباد میں رہا، پھر آپ کے والد آپ کو اپنے ساتھ واپس سرہند لے گئے۔ اسی اثناء میں جب آپ کا گزر شہر تھانیسر سے ہوا تو وہاں کے رئیس سلطان نے آپ کو نہایت اعزاز واکرام سے اپنا مہمان بنا لیا اور اپنی نیک فطرت صاحب زادی کا عقد آپ سے فرما دی۔ اندازہ ہے کہ یہ تقریب ۹۹۸ھ میں انجام پائی۔

Marfat.com

اکبرآباد سے واپسی اور شادی کے بعد حضرت مجدد اپنے والد ماجد کی خدمت اور ان سے اکتسابِ فیض میں مشغول ہوگئے۔ جب ان کی رحلت کا وقت آیا تو انہوں نے حضرت مجدد کو سلسلۂ سہروردیہ و چشتیہ وقادریہ میں خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور اپنا جانشین نامزد کردیا۔

۱۰۰۷ھ میں آپ کے تیسرے صاحب زادے اور جانشین خواجہ محمد معصوم کی ولادت ہوئی۔ اسی دوران آپ کی مولانا حسن کشمیری سے ملاقات ہوئی، جو آپ کے پرانے احباب میں سے اور حضرت باقی باللہؒ کے مخلصین میں شامل تھے۔ انہوں نے خواجہ صاحب کے مناقب بیان کیے اور کہا کہ اس وقت سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں آپ جیسا کوئی اور بزرگ صوفی نظر نہیں آتا۔ آپ نے ان کے ہم راہ خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضری دینے کا فیصلہ کیا۔ حاضری کے وقت خواجہ باقی باللہ آپ کے ساتھ نہایت مہربانی اور شفقت سے پیش آئے اور آپ کی بلند استعداد اور اعلیٰ قابلیت ملاحظہ فرما کر آپ کو اپنے پاس ٹھہرنے کی پیش کش کی۔ آپ نے وہاں قیام کا ارادہ فرمالیا۔ یہ قیام ڈھائی ماہ تک رہا۔ اس دوران آپ حضرت خواجہ سے بیعت ہوئے اور توجہاتِ عالیہ سے مشرف ہوکر تھوڑے ہی عرصے میں تمام مقاماتِ بلند سے سرفراز فرمادیے گئے۔ آپ کو حضرت خواجہ باقی باللہؒ کا اس قدر اعتماد حاصل ہوا کہ انہوں نے اپنے ایک مکتوب میں، جسے ایک دوست کے نام تحریر فرمایا تھا، اپنے اس مریدِ خاص کی بابت یہ بلند مرتبہ رائے ظاہر فرمائی:

> ''اہلِ سرہند سے ایک بزرگ شیخ احمد بڑے عالم فاضل ہیں، جو کہ قوت عمل سے متصف ہیں فقیر نے چند روز ان کی صحبت میں نشست و برخاست کر کے بہت سے عجائب روزگار کا مشاہدہ کیا۔ وہ ایک چراغ ہیں جو بہت عالم کو منور کریں گے۔''

Marfat.com

خواجہ باقی باللہؒ نے جب حضرت مجددؒ کو ہر اعتبار سے کامل پایا تو نسبت خاصہ عطا کر کے آپ کو خلافت و اجازتِ کاملہ سے سرفراز فرمایا اور ماہِ رجب ۱۰۰۸ء میں آپ کو واپس سرہند جانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ آپ واپس تشریف لا کر طالبین کی تربیت اور سالکین کی ہدایت میں مشغول ہو گئے اور قلیل مدت میں ہزاروں طالبان حق اس چشمۂ فیوض سے سیراب ہوئے۔

حضرت مجددؒ کے کارِ تجدید کا آغاز اصحابِ علم کی تصریحات کے مطابق ۱۰۱۱ھ سے ہوا۔ اس کے دوسرے سال خواجہ باقی باللہؒ کا دہلی میں وصال ہو گیا۔ اس سانحے نے آپ کو رنجیدۂ خاطر کر دیا۔ آپ دہلی جانے کے لیے عازم سفر ہوئے۔ وہاں پہنچ کر مزار کی زیارت کی، مخدوم زادوں اور متعلقین سے تعزیت اور انہیں صبر کی تلقین کی، پھر چند روز دہلی میں قیام فرما کر واپس سرہند تشریف لے آئے۔ اس کے بعد آپ نے ۲۳ سال تک احیائے سنت، ازالۂ بدعت اور مسلمانوں کے رشد و ہدایت کے فرائض انجام دیے۔ بالآخر یہ آفتاب ہدایت، جس کی ضیا پاش کرنوں سے ہزاروں افراد نے براہ راست اکتساب فیض کیا اور لاکھوں کروڑوں افراد آج تک بالواسطہ مستفیض ہو رہے ہیں، بروز منگل، ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء بوقتِ چاشت غروب ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مکتوبات

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا معرکہ آرا کارنامہ آپ کے مکتوبات ہیں۔ ان کی مجموعی تعداد پانچ سو چھتیس ہے۔ آپ نے اصلاح و تربیت کا جو حیرت انگیز انقلاب برپا کیا اور تجدید دین کا جو فریضہ انجام دیا، اس میں آپ کی دو خصوصیات کا اہم کردار ہے۔ ایک آپ کی بے مثال قوتِ عمل ہے، دوسرے آپ کے مکتوبات ہیں۔ یہ مکتوبات نہ صرف تصوف بلکہ علوم و معارف اور نکات و اسرار کے عالم گیر ذخیرے میں خاص امتیاز رکھتے ہیں اور اپنی

Marfat.com

تاثیر، ادب وقوتِ انشا، زورِ عبارت وسلاستِ بیان، برجستگی وروانیٔ عبارت کے اعتبار سے فارسی ادب میں بھی نہایت بلند پایہ اور انفرادی شان کے حامل ہیں۔ ان کے مطالعے سے جہاں مختلف موضوعات پر حضرت مجددؒ کے خیالاتِ عالیہ سامنے آتے ہیں وہیں اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ عقائدِ حقہ، شریعت وطریقت، اخلاق ومعرفت، سنت وبدعت اور سیاست ومعاشرت پر آپ کی کس قدر گہری نظر تھی اور آپ نے اسلامی علوم ومعارف کا کس قدر دقتِ نظر سے مطالعہ کیا تھا۔

یہ مکاتیب تین دفتروں (حصوں) پر مشتمل ہیں۔ پہلے حصے میں تین سو تیرہ مکاتیب ہیں۔ اسے آپ کے خلیفہ مولانا یار محمد بدخشی طالقانیؒ نے ترتیب دیا ہے۔ اس کی تاریخ اختتام 'درالمعرفت' ہے۔ دوسرا حصہ ننانوے مکاتیب پر مشتمل ہے۔ اسے آپؒ کے خلیفہ مولانا عبدالحئی حصاری شادمانیؒ نے مرتب فرمایا۔ اس کا تاریخی نام ''نورالخلائق' تجویز ہوا۔ تیسرا حصہ ایک سو چودہ مکاتیب پر مشتمل اور آپؒ کے خلیفہ مولانا محمد ہاشم کشمیؒ کا ترتیب کردہ ہے۔ اس کا تاریخی نام 'معرفت الخلائق' ہے۔ بعد میں اس میں مزید دس مکاتیب کا اضافہ کردیا گیا۔ اس طرح اب یہ حصہ ایک سو چوبیس مکاتیب پر مشتمل ہے۔[1]

عہدِ مجدّدی کے مذہبی حالات

اس میں شک نہیں کہ سنت کا احیاء کرنے اور مخلوقِ خدا کو شریعت پر گام زن کرنے کے لیے، نیز اس راستے میں وقتاً فوقتاً در آنے والی خامیوں اور کمزوریوں کو دور کرنے کے لیے مسلمان مفکرین، علماء اور مشائخ کی مساعی اپنے اپنے عہد کے تقاضوں کے مطابق ہر دور میں جاری رہی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اسلام بحمداللہ آج اپنی اسی شکل میں باقی اور موجود ہے، جس شکل میں نبی عربی ﷺ لے کر تشریف لائے تھے۔ مگر حضرت مجدد الف ثانیؒ کا کارنامہ محض نفاذ شریعت اور احیائے سنت نہیں، بلکہ اس سے کہیں بڑا ہے۔ اس کا صحیح

Marfat.com

ادراک کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سنت اور شریعت کے حوالے سے اس عہد کے حالات کا جائزہ لیا جائے۔ چونکہ ہمارا اصل موضوع حضرت مجددؒ کی تحریک کے ایک خاص پہلو احیائے سنت اور ردِ بدعت کا جائزہ لینا ہے، اس بنا پر ہم اس عہد کے حالات کی طرف محض اشارے کریں گے، تاکہ آج کا طالب علم اس عہد میں ان کی مساعی کو صحیح تناظر میں دیکھ سکے اور ان کی وقیع خدمات کا صحیح معنیٰ میں ادراک کر سکے۔

اس مقصد کے لیے ہم یہاں چند حوالے آئینِ اکبری سے پیش کریں گے۔ یاد رہے کہ اس عہد کے احوال و آثار پر سب سے اہم دستاویز اس عہد کے ایک عینی شاہد اور اس دور کے حالات و واقعات کے ایک اہم کردار ملا عبدالقادر بدایونی کی 'منتخب التواریخ' ہے، مگر چوں کہ ملا عبدالقادر بدایوانی اکبر اور اس کی لادینیت کے سخت ناقد ہیں، اس لیے آج کے بعض مؤرخین اور ان کی تحریروں سے متاثر بعض صحیح الفکر اہل قلم منتخب التواریخ کے بعض بیانات کی ثقاہت پر حرف گیری کرتے ہیں۔ یہ ایک علیحدہ موضوع ہے کہ ان کے یہ 'تحفظات' کس قدر درست ہیں، مگر ہمارے یہ اہل قلم اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ خود حضرت مجددؒ کے مکاتیب بھی منتخب التواریخ کے بیانات کی شہادت دیتے ہیں۔ ان دونوں کے بیانات کو سردست ہم زیر بحث لائے بغیر محض چند اشارے آئین اکبری سے کرتے ہیں، جس کی حیثیت 'اعتراف' کی سی ہے کہ وہ ابوالفضل کی تالیف ہے، جسے اکبر کے عقلِ کل اور نفس ناطقہ کی حیثیت حاصل تھی:

"فرماتے ہیں کہ ظاہری مراسم جن کو نو آئین الٰہی کہتے ہیں، یہ غافل افراد کی بیداری کے لیے ہے، وگرنہ خداوند کریم کی ثنا و عبادت دل سے ادا ہو سکتی ہے نہ کہ جسم سے۔[2]

فرماتے ہیں کہ پیروی میں درد دل کی شناخت کرنا اور لوگوں کی

Marfat.com

حاجت روائی کرنا ہے نہ کہ صرف داڑھی کا بڑھالینا اور خرقہ کپڑے کے ٹکڑوں سے تیار کرنا اور واعظانہ ہیئت میں نمودار ہو کر ہنگامہ آرائی کرنا۔[3]

فرماتے ہیں کہ کاش علوم رسمی کے ماہرین کے اس قدر اختلافات گوش زدنہ ہوتے اور ان کے اختلافات وتغیرات سے تفاسیر و احادیث اس قدر مقام تعجب نہ بن جاتے۔[4]

فرماتے ہیں کہ جو شخص خلوص اور قلبی صفائی کے ساتھ میرے قوانین کو قبول کر لے تو وہ بالیقین ظاہری و باطنی مقاصد کے حصول میں کامیاب ہوگا۔[5]

فرماتے ہیں کہ آفتاب کی سلاطین کے حال پر ایک خاص عنایت ہے۔ اسی وجہ سے اس کی عبادت خدا کی عبادت خیال کی جاتی ہے، لیکن کوتاہ بین شخص بدگمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔[6]

عوام کس لیے سیہ دل دولت مندوں کی اپنے نفع کی غرض سے عزت کرتے ہیں اور اپنی نابینائی کی وجہ سے اس چشمۂ نور کے احترام میں کوتاہی کرتے ہیں اور عبادت گزار پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ اگر خود ان کی عقل پر آفت نہ آ گئی ہے تو سورۃ والشّمس کیوں فراموش کردی گئی۔[7]

فرمایا کہ احمد کیش میں دختر کو میراث میں کم حصہ دیا جاتا ہے۔ باوجود اس کے کہ دختر بوجہ اپنی کم قوتی کے زیادہ کی سزاوار ہے اور یہ امر محض اس وجہ سے ہے کہ وہ شوہر کے گھر میں جاتی ہے اور میراث بے گانہ

Marfat.com

افراد کے گھر میں پہنچ جاتی ہے۔ ۸

فرماتے ہیں کہ مجھے اس امر کا سخت تعجب ہے کہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں قرآن کی تفسیر رائج نہ ہوئی۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن کے مفہوم و مطالب میں اختلاف نہ پیدا ہوتا۔ ۹

فرماتے ہیں کہ قدماء کا قول ہے کہ سخت ترین بلیات پیمبروں پر نازل ہوئیں اور اس کے بعد اولیاء پر اور اسی صورت سے درجہ بہ درجہ جملہ صالحین پر۔ مجھے اس امر کا یقین نہیں ہوتا کہ ان مقبولانِ بارگاہِ ایزدی پر کیوں اس قدر بلیات نازل کی گئیں۔ علمائے ظاہر کی ایک جماعت نے عرض کیا کہ یہ محض خدا کی آزمائش تھی۔ جہاں پناہ اس سے بے حد متعجب ہوئے اور فرمایا کہ آزمائش دانائے پوشیدہ و آشکارا کے لیے کیوں کر مناسب خیال کی جا سکتی ہے۔ ۱۰

فرماتے ہیں کہ لوگ اپنے فرزندوں کے نام صالحین کے نام پر رکھ دیتے ہیں۔ اگر چہ یہ امر حصول برکت کی غرض سے ظہور میں آتا ہے، مگر دراصل ادب سے دور ہے۔ تعجب خیز امر یہ ہے کہ جو لوگ تناسخ کے قائل نہیں ہیں وہ اس امر کے زیادہ ترکوشاں ہیں اور اہل ہند جو تناسخ کے قائل ہیں وہ اس سے پرہیز کرتے ہیں۔ ۱۱

فرماتے ہیں کہ اگر سور کی حرمت کا باعث اس کی بے عزتی ہے تو لازم ہے کہ شیر یا مثل اس کے دوسرے جانور حلال ہوں۔ ۱۲

فرماتے ہیں کہ مجھے انسان کے اس فعل پر سخت تعجب ہوتا ہے کہ خردسال لڑکوں سے، جو فرائض کے بارے میں سبک دوش ہیں، ختنہ

Marfat.com

کی سنت کو لازمی جانتے ہیں۔ ۱۳؎

فرماتے ہیں کہ قدیم کتب سماویہ میں مرقوم ہے کہ گناہ گارانِ سلف کی صورتیں بندر اور سور کی شکلوں میں تبدیل ہوگئی ہیں۔ یہ بھی ایک نادر الوجود اور تعجب خیز امر ہے۔ ۱۴؎

فرماتے ہیں کہ انسان اپنے معدے کو جانوروں کا قبرستان بنائے، یہ فعل نامناسب ہے۔ ۱۵؎

فرماتے ہیں کہ جب کہ باز کی خوراک بہ جز جانوروں کے گوشت کے دوسری نہیں ہے یہی سبب ہے کہ اس کی کم عمری اس کی گوشت خوری کی مکافات ہے۔ انسان جو اپنی بے شمار خورش کی موجودگی کے باوجود گوشت کے کھانے سے پرہیز نہیں کرتا، آخر کار اس کا کیا حال ہوگا۔ ۱۶؎

فرماتے ہیں کہ ہر انسان پر لازم ہے کہ ہر سال ماہِ ولادت میں گوشت نہ کھائے، تاکہ خدا کی عبادت ادا ہو اور سال عمدگی سے گزر جائے۔ ۱۷؎

فرماتے ہیں کہ قصاب اور ماہی گیر اور مثل ان کے دیگر اشخاص، جن کا پیشہ جاں شکنی ہے، ان کی جماعت کو عام آبادی سے علیحدہ کر دیا جائے اور ان سے ملنے والوں سے تاوان وصول کیا جائے۔ ۱۸؎

فرماتے ہیں کہ سلاطین کے دیدار کو لوگ خدا کی پرستش جانتے ہیں اور اس کو تمامی مخلوق ظل اللہ جانتی ہے۔ ان وجوہ سے بالیقین اس کا دیدار خدا کی عبادت کا سرمایہ ہے اور سائے کو اس کے مالک سے جدا

Marfat.com

نہ خیال کرنا چاہیے۔19

میرا خیال ہے کہ یہ چند اشارے اس عہد کی تصویر کشی کے لیے کافی ہیں۔ غور کیا جائے تو 'دینِ الٰہی' کی وہ تمام تفاصیل، جو ملا عبدالقادر بدایونی نے بیان کی ہیں، آئین اکبری میں بھی موجود ہیں۔

اختصار کی غرض سے یہاں صرف 'می فرمودند' سے چند اقتباسات درج کیے گئے ہیں۔ مزید مطالعے کے لیے آئین اکبری کے دوسرے اہم ترین باب 'آئین راہ نمونی' سے رجوع کرنا مناسب ہوگا۔

حضرت مجددؒ کی فکر مندی

ان حالات کا حضرت مجددؒ کو کس شدت سے احساس تھا، اس کی چند جھلکیاں دکھانا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، تاکہ ہم ان کی خدمات کی اہمیت اور حالات کی سنگینی کا احساس کر سکیں۔ ایک مکتوب میں اپنے عہد کے حالات کا تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''اسلام کی غربت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ کافر کھلم کھلا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں، بے خوف و خطر ہر کوچہ و بازار میں کفر کے احکام جاری اور اہلِ کفر کی تعریف کرتے ہیں اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے روک دیے گئے ہیں، اور شریعت کے احکام بجالانے کی صورت میں ان کی مذمت اور ان پر طعنہ زنی کی جاتی ہے۔ بیت:
>
> پری نہفتہ رُخ و دیو در کرشمہ و ناز
> بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

Marfat.com

پری تو رُخ کو چھپائے ہے دیو ناز کرے
یہ حال دیکھ کے حیرت سے ہوش جاتے رہے

سبحان اللہ وبحمدہ (اللہ تعالیٰ پاک ہے اور اس کی تعریف ہے) عقل مندوں نے کہا ہے کہ الشرع تحت السیف (شریعت تلوار کے نیچے ہے) اور شرع شریف کی رونق بادشاہوں کے ساتھ وابستہ ہے (اور اب) قضیہ برعکس ہو گیا ہے اور معاملہ بدل گیا ہے۔ ہائے افسوس صد اافسوس!!'' [۲۰]

اور اس کے بعد کے زمانے میں لکھے گئے ایک مکتوب میں حضرت مجددؒ فرماتے ہیں:

''آپ جانتے ہیں کہ

گزشتہ صدی میں اہل اسلام کے سر پر کیا کیا (مصیبتیں) گذری ہیں گزشتہ صدیوں (یعنی ابتدائے اسلام) میں نہایت قلت وغربت کے باوجود اہلِ اسلام کی خرابی اور تباہی بھی اس سے زیادہ نہیں ہوئی تھی کہ مسلمان اپنے دین پر اور کفار اپنے طریقے پر قائم تھے آیت کریمہ لکم دینکم ولی دین (الکفرون:٦) (تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین) میں اسی حقیقت کا بیان ہے اور گذشتہ صدی میں کفار غلبہ پا کر دارِ اسلام میں کھلم کھلا کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان اسلامی احکام کے جاری کرنے سے عاجز تھے اور اگر وہ (ایسا) کرتے تھے تو قتل کر دیے جاتے تھے۔ ہائے ہلاکت، ہائے مصیبت، ہائے افسوس اور غم! حق تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنے والے تو ذلیل

Marfat.com

وخوار تھے اور آپ کے منکر لوگ عزت والے اور معتبر تھے۔ مسلمان زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی ماتم پرسی کرتے تھے اور مخالف دشمن ہنسی مذاق کے ساتھ اُن کے زخموں پر نمک چھڑکتے تھے۔ ہدایت کا آفتاب گم راہی کے پردہ میں چھپا ہوا تھا اور حقانیت کا نور باطل کے پردوں میں گوشہ گیر ہو گیا تھا۔'' ۲۱

بدعات کا رد

بدعات کا ذکر کرتے ہوئے ایک مکتوب میں مخدوم زادہ خواجہ محمد عبداللہ کو اپنے عہد میں بدعات کی فراوانی اور اس صورت حال پر اپنے اضطراب کا ذکر یوں کرتے ہیں:

''اسلام اس زمانے میں غریب (یعنی بے یار و مددگار) ہو گیا ہے اور مسلمان بھی بے یار و مددگار ہوتے جا رہے ہیں اور جوں جوں زمانہ گزرتا جائے گا اور بھی زیادہ غریب و بے کس ہوتے جائیں گے، حتیٰ کہ زمین پر اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہ رہے گا و تقوم الساعة علی شرار الناس (اور قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہو جائے گی) سعادت مند وہ شخص ہے جو اس غربت کے زمانے میں ترک شدہ سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کرے اور مروجہ و معمولہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کو ختم کر دے۔ یہ وہ وقت ہے کہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کو ہزار سال گزر چکے ہیں اور قیامت کی علامتوں نے پرتو ڈالا ہوا ہے۔ (یعنی علاماتِ قیامت ظاہر ہونا شروع ہو گئی ہیں) اور عہد نبوت سے دور ہونے کے باعث سنت پوشیدہ ہو گئی ہے اور کذب و جھوٹ پھیل جانے کی وجہ سے بدعت جلوہ گر ہو رہی ہے۔

Marfat.com

اب ایک ایسے شاہ باز جواں مرد کی ضرورت ہے جو سنت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے بدعت کا جاری کرنا دین کی بربادی کا موجب ہے اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو مٹانے کا باعث ہے۔ (آں حضرت ﷺ کا یہ فرمان) آپ نے سنا ہوگا مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ الْبِدْعَةِ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی هَدْمِ الْاِسْلَامِ (جس نے کسی بدعتی کی تعلیم کے اس نے اسلام کو منہدم کرنے میں مدد کی) لہٰذا پورے ارادے اور کامل ہمت سے اس طرف متوجہ ہونا چاہیے کہ سنتوں میں سے کوئی سنت جاری ہو جائے اور بدعتوں میں سے کوئی بدعت دور ہو جائے۔ ہر زمانے میں اور خصوصاً اس ضعفِ اسلام کے زمانے میں احکام اسلام کو قائم کرنا سنت کو رواج دینے اور بدعت کی تخریب کرنے پر وابستہ ہے۔ گذشتہ زمانے کے لوگوں نے شاید کسی بدعت میں کوئی حسن دیکھا ہوگا جس کی وجہ سے بعض افراد بدعت کو انہوں نے مستحسن قرار دیا ہے۔ لیکن یہ فقیر اس مسئلے میں ان کے ساتھ موافقت نہیں رکھتا اور بدعت کے کسی فرد کو حسنہ نہیں جانتا۔ بلکہ سوائے ظلمت و کدورت کے اس میں کچھ محسوس نہیں کرتا۔ آں حضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کل بدعة ضلالة (ہر بدعت گم راہی ہے) اسلام کے اس غربت وضعف کے زمانے میں جب کہ سلامتی سنت کے بجالانے پر موقوف ہے اور خرابی بدعت کے ارتکاب میں ہے، خواہ کوئی بھی بدعت ہو، ہر بدعت کو پھاوڑے کی طرح جانتا ہے جو بنیادِ اسلام کو گراتی ہے۔ اور سنت کو اس

Marfat.com

روشن ستارے کی طرح دیکھتا ہے جو گم راہی کی تاریک رات میں ہدایت کا باعث بنتا ہے۔ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ علمائے وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حسن کہنے کی جرأت نہ کریں اور کسی بدعت پر عمل کرنے کا فتویٰ نہ دیں، اگر چہ وہ بدعت ان کی نظروں میں صبح کی سفیدی کی طرح ہی روشن ہو، کیوں کہ سنت کے ماسوا میں شیطان کے مکر و فریب کو بڑا غلبہ و دخل ہوتا ہے۔ گزشتہ زمانے میں جب کہ اسلام قوی تھا اس لیے بدعت کی ظلمات کو برداشت کر سکتا تھا۔ اس وقت شاید نورا اسلام کی روشنی میں بعض بدعتوں کی ظلمات بعض اشخاص کو نورانی معلوم ہوتی ہوں، جس کی وجہ سے ان پر حسنہ کا حکم لگایا ہے، اگر چہ درحقیقت ان میں کسی قسم کا حسن اور نورانیت نہیں تھی۔ مگر اس وقت، جب کہ اسلام ضعیف ہے، بدعتوں کی ظلمتوں کو برداشت کرنے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ اس وقت متقدمین اور متاخرین کا فتویٰ جاری نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ ہر وقت کے احکام علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ اس وقت پورا عالم ظہور بدعت کی کثرت کی وجہ سے بحر ظلمات کی طرح نظر آ رہا ہے اور سنت کا نور اپنی غربت وقلت کے باعث اس بحر ظلمات میں کرم ہائے شب افروز (جگنوؤں کی طرح) محسوس ہو رہا ہے اور بدعت کا عمل اس ظلمت میں اور اضافہ کر رہا ہے اور سنت کے نور کو کم کرتا جاتا ہے۔ سنت پر عمل کرنا ظلمت کو کم کرنے اور نورانیت کو زیادہ کرنے کا باعث ہے"۔ ۲۲

حقیقت یہی ہے کہ بدعات کا معاملہ واقعتاً بڑا سنگین اور ہماری توجہ کا مستحق ہے۔

Marfat.com

درحقیقت ایک بدعت کا آغاز ایک سنت کا اختتام ہے اور ایک بدعت کی ترویج ایک روایت سنت کا انہدام ہے، جب کہ سنت نورِ نبوت ہے، جس سے جہان شریعت روشن اور منور ہے، اس کے برعکس بدعت وہ فکری و عملی گم راہی ہے جس سے ظلمتوں کے سوا کسی اور چیز کا کشید کرنا ممکن نہیں۔ حضرت مجددؒ نے ان حقائق کی جانب جابجا متوجہ فرمایا ہے، اور اس سلسلے میں اپنے مکتوبات میں بے شمار مقامات پر پوری جرأت سے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ ایک مکتوب میں بدعت کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ہماری نصیحت بس یہی ہے کہ احکام دین بجالائیں اور حضرت سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اختیار کریں۔ سنت سنیہ کو بجالائیں اور بدعتِ نامرضیہ سے پرہیز کریں۔ اگرچہ بدعت صبح کی سفیدی کے مانند روشن ہو، لیکن حقیقت میں اس میں کوئی روشنی اور نور نہیں اور نہ ہی کسی بیمار کے لیے اس میں شفا ہے اور نہ ہی کسی مرض کی اس میں دوا ہے۔ اور یہ بات اس میں کیسے ہوسکتی ہے جب کہ بدعت دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا تو وہ سنت کو دور کرنے والی ہوگی یا رفع سنت سے ساکت ہوگی۔ ساکت ہونے کی صورت میں وہ بالضرور سنت پر ایک زائد چیز ہوگی، جو درحقیقت اس (سنت) کو منسوخ کرنے والی ہوگی، کیوں کہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو، سنت کو دور کرنے والی اور اس کی نقیض ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کا خیر اور کوئی حسن نہیں ہے۔ کاش مجھے معلوم ہوجاتا کہ انہوں نے دین کامل اور اسلام پسندیدہ میں، جب کہ نعمت مکمل ہوچکی، بدعت محدثہ کے حسن

Marfat.com

ہونے کا حکم کس طرح دیا؟ یہ نہیں جانتے کہ کمالِ دین اور اتمام رضا کے حاصل ہونے کے بعد دین میں بدعت (کوئی نیا کام) پیدا کرنا حسن سے کوسوں دور ہے۔ فماذا بعد الحق الا الضلال (یونس:۳۲) (حق کے بعد گم راہی کے سوا کیا ہے)۔ اگر یہ لوگ (اہل بدعت) جانتے کہ دین کامل میں امور محدثہ (نئے کام) کو حسن کہنا دین کے کامل نہ ہونے کو لازم آتا ہے اور نعمت کے ناتمام ہونے پر دلالت کرتا ہے تو ہرگز اس قسم کی باتوں کی جرأت نہ کرتے''۔[۲۳]

بدعت کے ضمن میں ایک مغالطہ یہ عام ہے کہ بدعات کی دو قسمیں ہیں: بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ۔ یہ تقسیم بہ جائے خود ایک ایسی گم راہی ہے جو مزید گم راہیوں کے جنم لینے کا باعث بنتی ہے۔ حضرت مجددؒ بدعت کی اس تقسیم سے اتفاق نہیں کرتے، بلکہ بالکلیہ اسے سختی کے ساتھ رد کرتے ہیں، جیسا کہ سطور بالا میں مذکور طویل اقتباس میں تفصیل کے ساتھ یہ بحث مذکور ہے۔

ایک اور مکتوب میں واضح طور پر فرماتے ہیں کہ ہر بدعت سیئہ ہے۔ فرماتے ہیں:

''بعض علماء کہتے ہیں کہ بدعت دو قسم کی ہے: حسنہ اور سیئہ (یعنی نیک اور بد)۔ بدعتِ حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو کہ آں حضور اور آپ کے خلفائے راشدین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ اتمہا ومن التحیات اکملہا کے بعد ظاہر ہوا ہو اور رافعِ سنت نہ ہو (یعنی سنت کو دور کرنے والی نہ ہو)۔ اور بدعتِ سیئہ وہ ہے جو رافعِ سنت ہو (یعنی سنت کو دور کرنے والی ہو) مگر یہ فقیر ان بدعتوں میں

Marfat.com

سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیت کا مشاہدہ نہیں کرتا، اور سوائے ظلمت و کدورت کے کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ اگر بالفرض کوئی نیا عمل (بدعت) آج اپنی ضعفِ بصارت کی وجہ سے تازہ اور خوش نما معلوم ہوتا ہے تو کل (یعنی روزِ قیامت) جب نظر تیز ہو جائے گی تو سوائے نقصان اور ندامت کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔''

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ باکہ باختۂ عشق در شبِ دیجور
صبحِ محشر، روز روشن کی طرح
رات تیری سب عیاں ہو جائے گی

حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات فرماتے ہیں:
من أحدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھو رد (جس نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی نئی چیز نکالی جو اس میں نہیں ہے تو وہ قابلِ رد ہے)۔ بھلا جو چیز کہ مردود ہو اُس میں حسن (بھلائی) کہاں سے آئے گا۔ اور آں حضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:
اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ و خیر الھدی ھدی محمد ﷺ وشر الأمور محدثاتھا و کل بدعة ضلالة (اس کے بعد واضح ہو کہ بہترین کلام، کلام اللہ ہے، اور بہترین طریقہ وسیرت حضرت محمد ﷺ کا طریقہ وسیرت ہے، اور بدترین چیز دین میں نئی باتیں (بدعتیں) ہیں، اور ہر بدعت گمراہی ہے)۔
نیز آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: أوصیکم بتقوی اللہ

Marfat.com

والسمع والطاعة وإن كان عبداً حبشياً فانه من يعش منكم بعدی فسيری اختلافاً کثيراً فعليکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسکوا بها وعضوا عليها بالنواجذ واياکم ومحدثات الامورِ فان کل محدثةٍ بدعة وکل بدعة ضلالة (میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور (اپنے حاکم کی بات سنو اور اس کی تابع داری کرو، اگرچہ تمہارا حاکم حبشی غلام ہی کیوں نہ ہوں، کیوں کہ جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ عن قریب بہت اختلافات دیکھے گا، پس تم میری اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑو اور اس کو (ہاتھوں سے) بہت مضبوط تھامو، اور دانتوں سے پکڑو، اور نئے پیدا شدہ امور سے بچو کیوں کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی وضلالت ہے۔) لہٰذا جب دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی وضلالت ہے تو پھر بدعت میں حسن (بھلائی) تلاش کرنے کے کیا معنی؟! نیز احادیث شریفہ سے جو کچھ مفہوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر بدعت سنت کی رافع ہے، بعض کی کوئی تخصیص نہیں (یعنی یہ بدعتِ حسنہ ہے اور یہ سیئہ) لہٰذا ہر بدعت سیئہ ہے۔ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ماأحدث قوم بدعة الارفع مثلها من السنة فتمسک بسنة خير من احداث بدعة (جب کوئی قوم بدعت جاری کرتی ہے تو اس سے اس جیسی ایک سنت اٹھالی جاتی ہے، پس سنت کو مضبوط پکڑنا بدعت کے جاری کرنے سے بہتر

Marfat.com

ہے)۔اور حضرت حسان (بن ثابتؓ) سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:"ما ابتدع قوم بدعة فی دینهم الا نزع الله من سنتهم مثلها ثم لا یعیدها الیهم الیٰ یوم القیامة "(کوئی قوم اپنے دین میں بدعت جاری نہیں کرتی، مگر اللہ تعالیٰ اس جیسے اس سنت ان میں سے اُٹھا لیتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس سنت کو قیامت تک ان کی طرف نہیں لوٹاتا۔۲۴

ایک مکتوب میں بدعت کو ظلمت و کدورت قرار دیتے ہوئے اسے 'حسنہ' سمجھنے والوں کو قرآن کریم کے مفہوم سے لاعلم قرار دیتے ہیں۔فرماتے ہیں:

"سنتِ سنیہ (روشن و بلند سنتیں) علی صاحبها الصلوٰة والسلام والتحیة کے نور کو بدعتوں کے اندھیروں نے پوشیدہ کر دیا ہے اور ملتِ مصطفویہ علی مصدرها الصلوٰة والسلام والتحیة کی رونق کو امور محدثہ (نت نئے کام) کی گندگیوں نے ضائع کر دیا ہے۔پھر اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ ان محدثات (دین میں نئی نئی باتیں) کو امور مستحسنہ (نیک کام) جانتے ہیں اور ان بدعتوں کو حسنہ خیال کرتے ہیں اور ان حسنات سے دین کی تکمیل اور ملت کی تتمیم (پورا ہونے) کو تلاش کرتے ہیں اور ان امور کے بجالانے کی ترغیبیں دیتے ہیں هداهم الله سبحانه الی سواء الصراط (اللہ سبحانہٗ ان کو سیدھے راستے کی ہدایت دے) کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ دین تو ان محدثات سے پہلے ہی کامل ہو چکا ہے اور نعمت خداوندی پوری ہو چکی ہے اور

Marfat.com

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی رضامندی اس سے حاصل ہو چکی ہے،
جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الإِسْلامَ دِيْناً (المائدۃ:۳) (آج میں نے دین کو تمہارے لیے کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا) پس ان محدثات (بدعات) سے دین کا کمال طلب کرنا حقیقت میں اس آیۂ کریمہ کے مفہوم سے انکار کرنا ہے۔[۲۵]"

محفل میلاد

آپ نے بدعات کے بارے میں اجمالی طور پر اظہار خیال کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ بہت سی بدعات کو علیحدہ علیحدہ وضاحت کے ساتھ متعین کر کے ان کو اختیار کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک مکتوب میں میلاد کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں:

''آپ نے 'مولود خوانی' کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ ''خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھنے اور نعت ومنقبت کے قصائد (خوش الحانی کے ساتھ) پڑھنے میں کیا مضائقہ ہے؟ ممنوع تو یہ ہے کہ قرآن مجید کے حروف کو تبدیل وتحریف کیا جائے اور نغمے کے مقامات کی غایت کو لازم جاننا اور الحان کے طریق پر آواز کو پھیرنا اور شعر کے مناسب تالیاں بجانا، جو شعر میں بھی غیر مباح ہیں۔ لیکن اگر اس طریقے پر پڑھا جائے کہ قرآنی کلمات میں کوئی تحریف واقع نہ ہو اور قصائد کے پڑھنے میں بھی مذکورہ شرائط محقق نہ ہوں اور اس کو صحیح مقصد

Marfat.com

کے لیے تجویز کیا جائے تو کیا ممانعت ہے؟''۔ میرے مخدوم! فقیر کے دل میں آتا ہے کہ جب تک اس دروازے کو مطلق طور پر بند نہ کریں گے اس وقت تک بوالہوس باز نہیں آئیں گے۔ اگر تھوڑا سا بھی جائز کریں گے تو بہت تک پہنچ جائے گا۔ مشہول مقولہ ہے قَلیلہ یفضی الٰی کثیرہٖ (تھوڑا زیادہ کی طرف لے جاتا ہے)

والسلام۔۲۶ے

نوافل کی باجماعت ادائیگی

نوافل کی جماعت کے بارے میں فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ اس زمانے میں اکثر خواص و عوام نوافل کے ادا کرنے میں تو بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور فرض نمازوں میں سستی کرتے ہیں اور ان (فرائض) میں سنن و مستحبات کی رعایت بھی بہت کم کرتے ہیں۔ نوافل کو عزیز جانتے ہیں اور فرائض کو ذلیل وخوار۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو فرائض کو مستحب وقتوں میں ادا کرتے ہوں، جماعت مسنون کی تکثیر (کثرت) میں بلکہ نفس جماعت کی بھی کوئی پابندی نہیں کرتے اور نفس فرائض کو غفلت وسستی کے ساتھ ادا کرنے کو غنیمت جانتے ہیں، لیکن عاشورا (دسویں محرم) کے دن اور شب برأت اور ماہِ رجب کی ستائیسویں شب اور ماہ مذکور (رجب) کے اول جمعہ کی شب کو، جس کا نام انہوں نے لیلۃ الرغائب (ماہِ رجب کی پہلی شبِ جمعہ) رکھا ہے، نہایت اہتمام کر کے نوافل کو بہت بڑی جمعیت کے ساتھ باجماعت ادا کرتے ہیں اور

Marfat.com

اس کو نیک و مستحسن خیال کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ یہ (نوافل کو اہتمام کے ساتھ با جماعت ادا کرنا) شیطان کا مکروفریب ہے، جو کہ سیئات کو حسنات کی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔...... پس اسلام کے والیوں، قاضیوں اور محتسبوں پر لازم ہے کہ اس طرح کے اجتماع سے (لوگوں کو) منع کریں اور اس بارے میں بہت ہی زجر و تنبیہ کریں، تا کہ یہ بدعت جس سے فتنہ برپا ہونے کا اندیشہ ہے، جڑ سے اکھڑ جائے۔ ۲۷

اخروی کامیابی کا مدار اتباع شریعت پر ہے

بدعات عام طور پر اسی وقت رواج پاتی ہیں جب شریعت کا علم اور اس کے تقاضوں پر عمل کم زور ہو جاتا ہے، خصوصاً اہل تصوف اگر علم دین سے کما حقہ بہرہ ور نہ ہوں تو اس خرابی کے درآنے کے زیادہ امکانات ہو جاتے ہیں۔ حضرت مجددؒ حکیم وقت تھے۔ وہ نفس کے ان چور راستوں سے بہ خوبی آگاہ تھے۔ چنانچہ آپ نے ان پر تنبیہ فرمائی ہے اور اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اصل جز شریعت ہے، اسی پر اخروی کامیابی کا مدار ہے جو اصل کامیابی اور مومن کا مقصود ہے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع کے بغیر نجاتِ اخروی ممکن نہیں۔ فرماتے ہیں:

> ''نجات کا طریقہ اور چھٹکارے کا راستہ اعتقاد و عمل میں صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہے۔ استاد اور پیر کو بھی اسی غرض سے پکڑتے ہیں، تا کہ وہ شریعت کی طرف رہ نمائی کریں اور ان کی برکت سے شریعت کے اعتقاد و عمل میں آسانی اور سہولت پیدا ہو، نہ کہ مرید جو چاہیں کریں اور جو کچھ چاہیں کھائیں پیران کے لیے

Marfat.com

سپر بن جائیں اور ان کو عذاب سے بچالیں۔ یہ محض ایک دھوکہ اور آرزو ہے، کیوں کہ ایسا خیال کرنا ایک نکمی اور بے کار آرزو ہے۔ وہاں (محشر میں) کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر شفاعت نہ کر سکے اور جب تک عمل پسندیدہ نہ ہوں گے کوئی اس کی شفاعت نہیں کرے گا اور عمل پسندیدہ اس وقت ہوں گے جب کہ شریعت کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ شریعت کی متابعت کے ہوتے ہوئے اگر کوئی لغزش اور قصور اس سے سرزد ہوگا تو اس کا تدارک شفاعت سے ہو سکے گا۔"[۲۸]

ایک اور مقام پر حضرت مجددؒ نے شریعت اور تصوف کے مابین تقابل کرتے ہوئے شریعت کی حقیقت کی طرف متوجہ فرمایا ہے اور تصوف سے وابستگان کے تصوف کے بارے میں غلو اور ان کی بعض غلط فہمیوں کا رد کرتے ہوئے متابعت انبیاء علیہم السلام کی جانب توجہ دلائی ہے، جو دراصل سنت پر عمل کی تاکید کے ہم معنی ہے۔ فرماتے ہیں:

"کل قیامت کے روز شریعت کی بابت پوچھیں گے، تصوف کے متعلق نہیں پوچھیں گے۔ جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت کے احکام بجالانے پر منحصر ہے۔ انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیہم نے، جو کہ تمام کائنات میں سب سے بہتر ہیں، (اپنی اپنی) شریعتوں کی طرف دعوت دی ہے، اور نجات کا انحصار اسی پر رہا ہے۔ اور ان بزرگوں کی پیدائش سے مقصود شریعتوں کی تبلیغ ہے۔ پس سب سے بڑی نیکی شریعت کے رواج دینے اور اس کے حکموں میں سے کسی حکم کے زندہ کرنے میں کوشش کرنا ہے،

Marfat.com

خصوصاً ایسے زمانے میں، جب کہ اسلامی شعائر (نشانات وارکان) بالکل مٹ گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ عزوجل کے راستے میں کروڑوں روپیہ خرچ کرنا بھی شرعی مسائل میں سے کسی ایک مسئلے کو رواج دینے کے برابر نہیں ہے۔ کیوں کہ اس فعل (شرعی مسائل کی ترویج) میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اقتدا ہے، جو کہ مخلوقات میں سب سے زیادہ بزرگ ہیں اور اس فعل میں ان بزرگوں کے ساتھ شریک ہونا ہے۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ سب سے کامل نیکیاں انہی بزرگوں کو عطا ہوئی ہیں اور کروڑوں روپیہ خرچ کرنا تو ان بزرگوں کے علاوہ دوسروں کو بھی میسر ہے۔" ۲۹

حضرت مجددؒ اور غیر مسلم مفکرین

احیائے سنت اور ردِّ بدعات کے سلسلے میں حضرت مجددؒ کی مساعی اور ان کی علمی اور عملی کاوشوں کا غیر مسلم مفکرین نے بھی اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر فری لینڈ ایبٹ (Dr Freeland Abbot) نے ان کے کارناموں پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ وہ ایک مقام پر لکھتا ہے:

"اس میں شک نہیں کہ شیخ احمد کے اثرات نہایت ہی شان دار تھے۔ آپ نے تبلیغ وارشاد سے، بحث ومباحثے سے اور رسل ورسائل کے ذریعے اہم امرائے مملکت کو یہ باور کرایا کہ ہندوستان میں اسلام کے اندر بہت سی بدعات داخل ہوگئی ہیں، ان کو ترک کردینا چاہیے اور اسلام کی طرف لوٹ جانا چاہیے" ۳۰

جب کہ ڈاکٹر پیٹر ہارڈی حضرت مجددؒ کے تجدیدی کارناموں اور اصلاحِ احوال

Marfat.com

کے میدان میں ان کی کامیابیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

"شیخ احمد سرہندی کی بڑی کامیابی یہی ہے کہ انہوں نے ہندوستان میں اسلام کو تصوف کے ذریعے متصوفانہ انتہا پسندی سے نجات دلائی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جس نظریے کی انہوں نے تردید کی اس کے منشا و مفہوم اور قدر و قیمت کا ذاتی طور پر ان کو عمیق ادراک تھا"۔ ۱۳۱

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے تجدیدی کارناموں میں سب سے اہم نکتہ احیائے دین و سنت اور ردِّ بدعت ہے۔ آں حضرت ﷺ کی بعثتِ مبارکہ کو ایک ہزار سال مکمل ہونے پر بعض کج فہم لوگوں نے نئے دین کا جو شوشہ چھوڑا تھا وہ اس قدر تیزی کے ساتھ بدعات کے فروغ اور سنت کے انہدام کا سبب بن رہا تھا کہ حضرت مجدد جیسے شخص کی مساعی اولین ضرورت سمجھی گئیں اور اسی مناسبت سے انہیں مجدد الف ثانی کے لقب سے یاد کیا گیا۔ ان کی دعوتی و اصلاحی مساعی اور حیائے سنت کے باب میں ان کی تحریریں بہ جائے خود ایک کتاب کا موضوع ہیں۔

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

۱؎ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ کیجیے: حضرت مجدد الف ثانی، مولانا سید زوار حسین شاہؒ، ادارہ مجددیہ، کراچی۔

۲؎ علامہ ابوالفضل، آئین اکبری، ترجمہ مولوی محمد فدا علی طالب، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۷ء، ج ۲، ۳۴۶، نمبر ۱۰

۳؎ حوالہ بالا، ج ۲، ۳۵۰، نمبر ۵۳

۴؎ حوالہ بالا، ج ۲، ۳۵۴، نمبر ۸۵

۵؎ حوالہ بالا، ج ۲، ۳۵۶، نمبر ۱۰۳

۶؎ حوالہ بالا، ج ۲، ۳۵۶، نمبر ۱۰۶

۷؎ حوالہ بالا، ج ۲، ۳۵۶، نمبر ۱۰۷

۸؎ حوالہ بالا، ج ۲، ۳۵۷، نمبر ۱۱۱

۹؎ حوالہ بالا، ج ۲، ۳۵۹، نمبر ۱۳۲

۱۰؎ حوالہ بالا، ج ۲، ۳۶۰، نمبر ۱۳۴

۱۱؎ حوالہ بالا، ج ۲، ۳۶۱، نمبر ۱۴۲

۱۲؎ حوالہ بالا، ج ۲، ۳۶۱، نمبر ۱۴۳

۱۳؎ حوالہ بالا، ج ۲، ۳۶۱، نمبر ۱۴۴

۱۴؎ حوالہ بالا، ج ۲، ۳۶۲، نمبر ۱۵۰

۱۵؎ حوالہ بالا، ج ۲، ۳۶۳، نمبر ۱۵۸

۱۶؎ حوالہ بالا، ج ۲، ۳۶۵، نمبر ۱۷۲

۱۷؎ حوالہ بالا، ج ۲، ۳۶۶، نمبر ۱۸۳

Marfat.com

۱۸۔ حوالہ بالا، ج ۲، ۳۶۶، نمبر ۱۸۴

۱۹۔ حوالہ بالا، ج ۲، ۳۷۰، نمبر ۲۰۴

۲۰۔ دفتر اول: مکتوب ۴۵، ص ۲۰۵، (دفتر اول، جلد اول) ترجمہ مولانا سید زار حسین شاہؒ، ادارۂ مجددیہ، کراچی، ۱۹۹۵ء۔ راقم کے اس مضمون میں مکتوبات حضرت مجددیہ کی تمام عبارتیں اسی نسخے سے ماخوذ ہیں۔

۲۱۔ حوالہ بالا، مکتوب ۴۷، ص ۱۷۲ (دفتر اول، جلد اول)

۲۲۔ دفتر دوم، مکتوب ۲۳، ص ۸۱

۲۳۔ حوالہ بالا، مکتوب ۱۹، ص ۷۰

۲۴۔ دفتر دوم، مکتوب ۱۸۶، ص ۴۰ (دفتر اول، جلد دوم)

۲۵۔ حوالہ بالا، مکتوب ۲۶۰، ص ۲۳۶، (دفتر اول، جلد دوم)

۲۶۔ دفتر دوم، مکتوب ۲۷، ص ۲۰۴

۲۷۔ دفتر اول، مکتوب ۲۸۸، ص ۳۹۳، ۳۹۶ (دفتر اول، جلد دوم)

۲۸۔ دفتر سوم، مکتوب ۴۱، ص ۱۳۷

۲۹۔ دفتر اول، مکتوب ۴۸، ص ۱۷۵ (دفتر اول، جلد دوم)

30. Dr. Freeland Abbot. "Islam in India Before Shah Waliullah" Studies In Islam. New Delhi, April, 1969.

31. Wm. Theodre do Bary: Sources of Indian Traditios, New Yourk, 1956, pp.449

Marfat.com

کیا وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود نزاع لفظی ہے؟

از: جناب مولانا غلام محمد صاحب، کراچی

گیارہویں صدی ہجری سے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کا مسئلہ اہل علم وعرفان کا مرکز توجہ بنا رہا ہے اور اس موضوع پر قابل قدر تصانیف معرض وجود میں آئی ہیں، ان تصانیف سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر دور میں اس مسئلہ سے متعلق دو رائیں چلی آ رہی ہیں، ایک یہ کہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود نا قابل تطبیق دو الگ الگ نظریات ہیں، دوسرے یہ کہ ان میں اختلاف حقیقی نوعیت کا نہیں بلکہ لفظی نزاع نے ان کو الگ الگ نظریات کی شکل دے دی ہے اور ان میں تطبیق پیدا کی جا سکتی ہے، یہاں انہی نقطہ ہائے نظر کا احتیاط سے جائزہ لیتے ہوئے صحیح صورت حال تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

نظریہ وحدۃ الوجود کی اصل، خواہ بقول شاہ رفیع الدین دہلویؒ قرن اوّل میں بھی ملتی ہو[1] مگر اس کو ایک مرتب نظریہ بنا کر علمی دلائل، کشفی یافت اور تائید و تاکید غیبی[2] کے ساتھ پیش کرنے کا سہرا الشیخ الاکبر محی الدین محمد بن علی بن محمد العربی الطائی الحاتمی (ف ۶۳۸ھ) قدس سرہٗ کے سر ہے جس کو انہوں نے اپنی معرکۃ الآراء دقیق تصنیف فصوص الحکم میں پیش فرمایا اور اس کی تشریحات اپنی دوسری ضخیم تصنیف فتوحات مکیہ میں بھی تحریر فرمائی ہیں۔

حضرت شیخ اکبر کا نظریہ فی الجملہ تصوف کے تمام سلاسل، بشمول نقشبندیہ[3]، میں

Marfat.com

مسلم رہا ہے، بلاشبہ شیخ علاء الدین سمنانی (ف ۷۳۶ھ) یا حضرت سید محمد گیسو دراز (ف ۸۲۵ھ) جیسے بعض مسلم شیوخ نے نظریۂ وحدۃ الوجود سے اختلاف فرمایا مگران بزرگوں کے اختلاف کی نوعیت شخصی رائے کی رہی، ان میں سے کسی نے بھی شیخ اکبرؒ کے مقابل کوئی نظریۂ تصوف پیش نہیں فرمایا۔ البتہ گیارہویں صدی کے اوائل یعنی ۱۰۱۰ھ میں جب امام ربانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ ''خلعت مجددیت'' سے سرفراز ہو کر اصلاح ملت کے منصب پر فائز ہوئے[4] اور حضرت ممدوح کو اپنے اطراف کے نام نہاد صوفیوں کا پیدا کردہ زندقہ کا وہ ماحول ملا جس میں شیخ اکبر قدس سرہ کے وجودی فلسفہ اور ان کی کئی اصطلاحات کی غلط تاویلات کے ذریعہ ویدانتی فلسفہ کی پورے زور و شور سے تلقین کی جارہی تھی اور بڑی بے باکی سے کاشانۂ شریعت کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی تھی تو ایسے ناقابل برداشت ماحول میں شریعت محمدیہ کی تجدید، عقائد حقہ کی ترویج اور صحیح دینی روح بحال کرنے کے لیے حضرت مجدد قدس سرہٗ نے شیخ اکبر قدس سرہٗ کے نظریہ وحدۃ الوجود کی تردید فرماتے ہوئے نظریہ وحدۃ الشہود اور شیخ کے فلسفہ اعیان ثابتہ کے مقابلہ میں اپنا فلسفہ ظلال وعکوس اور شیخ کی اختیار فرمودہ اصطلاحات کے متبادل اصطلاحات پیش فرمائیں۔ یوں گیارہویں صدی ہجری سے دو مستقل نظریے منظر عام پر آئے اور پھر ان کے ردوقبول یا ان میں باہمی تطبیق و مصالحت کی مساعی کا آغاز ہوا، اور چوٹی کے علمائے ربانی نے اس میں حصہ لیا ہے۔

تمہید بالا سے ظاہر ہے کہ موضوع بحث نازک اور دقیق ہے اور اس پر گفتگو علم، ذوق، نظر اور انشراحِ صدر کی طالب ہے اس لیے مجھ ہیچ میرز کی لب کشائی بے باکی اور مجھ محجوب کا اظہار خیال سوئے ادب سمجھا جا سکتا ہے مگر میری آنکھوں کا سرمہ چونکہ ان ہی بزرگوں کی گرد راہ ہے اس لئے میری معروضات اس پہلو سے اعتنا کی مستحق ہیں کہ

گاہ باشد کہ کودک ناداں
از غلط بر ہدف زند تیرے

Marfat.com

وجود و شہود کا تقابل صحیح نہیں

احقر نے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے نظریات میں علمی رائے سے جتنا غور کیا اور اپنے عالی نسبت، قوی التاثیر پیر و مرشد کے فیضان توجہ و تربیت سے نیز بعض اور مشائخ کے الطاف کریمانہ سے ان حقائق کو عملاً جس درجہ میں سمجھ سکا، تو یہ حقیقت انشراح صدر کے ساتھ سامنے آئی کہ فی نفسہٖ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کا تقابل نہ علمی پہلو سے صحیح ہے نہ درجہ حال کے اعتبار سے درست ہے، علمی اعتبار سے تو یوں صحیح نہیں کہ وحدۃ الوجود ربطِ خالق و مخلوق کی تعبیر ہے درآں حالیکہ وحدۃ الشہود کا اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں، وہ تو توحیدی غلبۂ حال میں سالک طریق کی ایک دید ہے، ایک مرحلہ ہے، ایک کیفیت ہے، لہٰذا دو مختلف الاصل حقیقتوں کا تقابل کیسے صحیح ہو سکتا ہے حضرت شیخ اکبرؒ کے نظریۂ وحدۃ الوجود کا تقابل اگر کرنا ہی ہو تو وہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نظریۂ ظلال و عکوس سے ہو سکتا ہے جو ربط خالق و مخلوق کی دوسری تعبیر ہے، مگر عام طور پر نظریۂ ظلال کی واقفیت خود مجددی سلسلہ کے شیوخ میں ناپید ہے۔

رہا یہ سوال کہ پھر عموماً وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کا تقابل کیسے ہوتا چلا آ رہا ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وحدۃ الوجود نہ صرف ربط خالق و خلق کی تعبیر عرفانی ہے بلکہ یہ سالک طریق کا حال بن کر بھی مشاہد ہوتا ہے۵ اور اس میں شاہد و مشہود کا امتیاز تک باقی نہیں رہتا جب کہ شہودی حال میں باقی رہتا ہے، اس وجودی حال اور شہودی حال میں تقابلی گفتگو ہو سکتی ہے چنانچہ مکتوبات امام ربانیؒ میں اس حیثیت کا تقابل اور موازنہ موجود ہے، مگر اس پہلو سے عجیب بات یہ مشاہدہ میں آتی ہے کہ بعد والوں نے گو اس کو اختلافی حیثیت دے کر ایک کی تردید اور دوسرے کا اثبات کیا ہو مگر خود حضرت مجددؒ کو یہاں شیخ اکبرؒ سے کوئی اختلاف نہیں بلکہ وہ وجودی حال کی تائید فرماتے ہوئے مزید مراتب ترقی کا ذکر فرماتے ہیں

Marfat.com

مکتوبات امام ربانی جلد دوم کا مکتوب نمبر (۴۲) جو دس صفحات پر پھیلا ہوا ہے، اس میں حضرت مجددؒ کا صاف وصریح ارشاد ہے:

خلاف ایں فقیر با ایشاناں دریں امور از راہ کشف وشہود است، علماء بہ قبح ایں امور قائل اند و ایں فقیر بہ حسن ایں امور بشرط عبور!

اس فقیر کا ان حضرات (وجودیہ) سے اختلاف کشف وشہود کی راہ سے ہے، علماء ان امور کی قباحت کے قائل ہیں اور یہ فقیر ان کے حسن (صحت) کا قائل ہے۔ بشرطیکہ اس سے عبور (ترقی) مانا جائے۔[٦]

چند جملوں بعد مزید پُر زور تصریح یوں فرمائی گئی ہے:

اینجا باطل چیست و بطلان کجا، دریں موطن استیلائے حق است و بطلان باطل!

یہاں باطل کیا ہے اور بطلان کی گنجائش کہاں، اس منزل میں ذاتِ حق کا غلبہ ہے اور اس کا بطلان (تردید) خود باطل ہے۔

حضرت مجدد قدس سرہٗ کی اس غیر مبہم تصریح وتنبیہہ کے بعد مسئلہ وجود وشہود میں شور اختلاف کی کیا اہمیت باقی رہ جاتی ہے اور تطبیق وعدم تطبیق کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

وجودی وظلالی تعبیر

دراصل شیخ اکبرؒ اور حضرت مجددؒ میں اختلاف، ربط خالق وخلق کی تعبیرات میں ملتا ہے اور ان ہی دو تعبیرات یا نظریات کے اختلاف کو دور کر کے تطبیق دینے کی کوشش حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور مولانا اسمٰعیل شہید دہلویؒ جیسے بزرگوں نے فرمائی ہے، اس کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ تعبیر وجودی اور تعبیر ظلالی کو اختصار کے ساتھ پیش کر دیا جائے۔

Marfat.com

تعبیر وجودی

''خوب سمجھ لو کہ تخلیق، اشیا کا عدم محض سے پیدا ہونا نہیں ہے کیونکہ عدم سے عدم ہی پیدا ہوتا ہے، نہ ہی عدم محض کا اشیاء کی صورت میں نمایاں ہونا ہے کیونکہ عدم محض تعریف ہی کی رو سے کوئی شئے نہیں کہ کسی ہستی کا مادہ بن سکے یا اس کو کسی ہستی کی صورت میں ڈھالا جا سکے۔ (العدم لایوجد) اور نہ ہی حق تعالیٰ کا خود صورتوں میں تقسیم ہو جانا ہے، کیونکہ وہ تجزی اور تبعیض سے منزہ ہے۔ تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیرا، تخلیق حق تعالیٰ کا مع بقائہ علی ماھو علیہ کان بصور معلومات بمصداق ھو الظاھر، تجلی فرمانا ہے اور یہ تجلی (یا تمثل) ان صور علمیہ (ذات اشیاء یا حقایق کونیہ) کے مطابق ہو رہی ہے، جو ذات حق میں مخفی اور علم میں مندرج ہیں۔ اسی تجلی و تمثل کا نتیجہ ہے کہ اشیاء کا نمود احکام و آثار خود بالتفصیل ان کی قابلیت ذاتی کے مطابق خارج میں، جو وجود ظاہر ہے، ہو رہا ہے۔ ہر صورت علمی جو ذات شئے یا ذات خلق ہے، اپنے اقتضائے ذاتی اور استعداد اصلی کے مطابق فیض یاب وجود اور بہر یاب صفات وجودی ہو رہی ہے۔

خوب سمجھ لو کہ خلق کا وجود حق تعالیٰ کے ظہور یا تجلی و تمثیل کے بغیر ناممکن ہے اور حق تعالیٰ کا اظہار یا تجلی و تمثل بغیر صور خلق (صور علمیہ) کے ممکن نہیں، یہ شیخ اکبرؒ کے الفاظ میں ایک دوسرے کے آئینے ہیں''۔ ۷

تعبیر ظلالی

''صفاتِ ثمانیہ (حیات، علم، ارادہ، قدرت، سماعت، بصارت، کلام، تکوین) ۸ خارج میں موجود ہیں، اس لیے ان کو ذات سے خارج میں متمیز ہونا چاہئے، ان صفات کی اثر آفرینیوں کی کیفیت یہ ہے کہ ہر ہر صفت کے مقابل ایک عدم ہے مثلاً علم کا مقابل جہل

Marfat.com

ہے اور قدرت کا مقابل عجز اور یہ تمام ''اعدام'' علم حق میں متمیز اور واضح ہیں اور تمیز ووضاحت کی اسی نوعیت سے ان کو اسماء وصفات کے لیے بمنزلہ آیتوں کے کر دیا ہے یا یوں کہیے کہ انوار حق کے نقطۂ نظر سے ان کی حیثیت مہبط انوار یا تجلی گاہ کی ہے۔ ان معنوں میں حقائق ممکنات کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اسماء وصفات کے ان عکوس وظلال سے تعبیر ہیں جو ان اعدام پر اثر انداز ہوئے ہیں گویا اعدام کو مادہ ٹھیرانا چاہئے اور یہ عکوس وظلال جو ان پر اثر انداز ہوتے ہیں، صورت ہے جو مادہ میں حلول پذیر ہے''۔ 9

گویا تعبیر وجودی کی رو سے وجود واحد ہے اور وہ وجود حق ہے۔ البتہ ذات دو ہیں ایک ذات حق اور دوسری ذات خلق۔ ذوات خلق کی حقیقت یا مادہ وہ صور علمیہ یا اعیان ثابتہ ہیں جو ذات حق میں مخفی اور علم حق میں مندرج ہیں۔ ان صور یا اعیان پر صفات کی تجلی پڑتی ہے تو اشیاء کا ظہور ہوتا ہے۔ شیخ اکبر قدس سرہٗ کے نزدیک عدم محض کوئی شئے نہیں کہ ہستی کا مادہ بن سکے یا خود ہستی کی صورت میں ڈھل سکے، اس کے بالمقابل تعبیر ظلالی کی رو سے وجود دو ہیں، ایک وجود حق دوسرا وجود خلق اور وجود خلق کا مادہ صفات حق کے متقابل اعدام (عدمات) ہیں، ان اعدام پر ان صفاتی تجلیات کی جو اعیان ثابتہ پر پڑتی ہیں، عکوس وظلال اثر انداز ہوتے ہیں تو وجود خلق کا ظہور ہوتا ہے اس طرح حضرت مجدد قدس سرہ کے نزدیک خلق کا مادہ وہ عدمات ہیں جو صفاتی تجلیات کی عکس اور پرتو کو قبول کریں۔

مذکورہ دونوں تعبیرات کی مفصل بحث سے جس کو دلچسپی ہو اسے ''جواہر الحقائق'' 10 مصنفہ حضرت سید شاہ عبداللطیف المعروف بہ سید شاہ محی الدین قادری دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ کرنا چاہئے، مجھے تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ مذکورہ تعبیرات میں جو واضح طور پر الگ الگ ہیں گیارہویں صدی ہجری کے بعد کے جن بعض بزرگوں نے تطبیق ظاہر فرمائی، ان میں حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت مولانا اسمٰعیل شہید اور حضرت شاہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہم اللہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

Marfat.com

تطبیقات

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے نظریہ وحدۃ الوجود اور نظریہ عکوس وظلال میں اس طرح تطبیق ظاہر فرمائی ہے کہ:

فحقائق الممكنات عند الشيخ ابن العربي تلك الاسماء والصفات متميزة في العلم وعندالشيخ المجدد انماهي عدمات انعكست فيها انوار الاسماء والصفات وتلك العدمات وذالك الانعكاس انما كانت في العلم ولكن الفاعل المختار جل مجده اذا شاء ان يوجد ماهية من الماهيات في الخارج جعلها متصفة بالوجود الظلي فيصير موجودات في الخارج.الخ

حقائق ممکنات کے بارے میں شیخ ابن عربی کے نزدیک یہ اسماء وصفات ہی کا دوسرا نام ہے جبکہ یہ مرتبہ علم میں تعین ووضوح کی کیفیتوں کے حامل ہوں اور شیخ المجدد کی رو سے یہ عدمات ہیں جن پر اسماء وصفات منعکس ہوتے ہیں البتہ (یہ صحیح ہے کہ) ان عدمات اور عکوس کا مل اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ جو فاعل ومختار ہے یہ چاہتا ہے کہ ماہیت معلومہ میں سے کوئی ماہیت حیز علم سے نکل کر وجود میں آئے تو وہ اسے وجود ظلی بخش دیتا ہے اور وہ (ہیئت) خارج میں موجود ہو جاتی ہے۔

اس طرح شاہ صاحب کے نزدیک دونوں تعبیرات میں معمولی سا فرق ہے اور آگے یہ توجیہ فرماتے ہوئے کہ حقائق ممکنہ کا اطلاق کئی معنی پر ہوتا ہے، خلاصہ بحث کے طور پر

Marfat.com

تحریر فرماتے ہیں:

وبالجملة فالقول بان حقائق الممکنات عکوس الاسماء المنطبعة فی الاعدام المقابلة لها لیس مخالفاً لکلام الشیخ ابن العربی واتباعهٖ ۱۲

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ کہنا کہ حقائق ممکنات دراصل عکوس وظلال ہیں جو اعدام متقابلہ میں مرتسم ہوتے ہیں، کسی طرح بھی شیخ ابن العربی اوران کے متبعین کی تصریحات کے خلاف نہیں۔

اسی طرح مولانا اسمٰعیل شہید نور اللہ مرقدہٗ اپنی تصنیف عبقات میں اس عنوان کے تحت کہ ''کیا اختلاف وجود وشہود نزاع لفظی ہے؟'' تائیداًیوں تحریر فرماتے ہیں:

''بہرحال عارف جامی اور شیخ صدر الدین قونوی کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ یہ لوگ شیخ محی الدین ابن عربی کے نظریۂ وحدۃ الوجود کے سب سے بڑے حامیوں میں ہیں لیکن وحدۃ الوجود کا جو واقعی مطلب ان حضرات نے خود بیان کیا ہے اس میں اور حضرت مجدد الف ثانی جو کچھ فرماتے ہیں اس میں انصاف سے بتاؤ کیا اختلاف ہے اور دونوں مسلکوں میں کیا فرق ہے؟''

بہرکیف فاطر ومفطور (خالق ومخلوق) میں قیومیت کے علاقہ کو مان لینے کے بعد دونوں دعوے درست ہو جاتے ہیں یعنی یہ بھی کہ (وجوداً) فاطر ومفطور میں اتحاد بھی ہے اور یہ بھی کہ موطن یا محل ومقام نیز ماہیت کے لحاظ سے دونوں میں جو مغایرت پائی جاتی ہے اس کی وجہ سے ایک دوسرے کا غیر بھی ہے۔ واقعہ یہی ہے جس کے

Marfat.com

دو پہلو ہیں اور ایک فریق ان دو پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کی طرف زیادہ جھک گیا ہے۔''۱۳۱

رہے ہمارے تیسرے بزرگ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ انہوں نے جس تطبیق کی سعی فرمائی ہے وہ تعبیری ظلالی کے ساتھ نہیں ہے بلکہ شہود کشفی کے ساتھ ہے جو سالک طریق کو مشاہد ہوتی ہے، اور اس پہلو سے وجود و شہود کو نزاع لفظی ارشاد فرمایا ہے، چنانچہ حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف ''التکشف عن مہمات التصوف'' میں جہاں ''تحقیقی مسئلہ وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود'' کا عنوان قائم فرمایا ہے۔ اسی کے ذیل میں عارف رومیؒ کا یہ شعر بطورِ عنوان ثانی تحریر فرمایا ہے

جملہ معشوق است و عاشق پردۂ
زندہ معشوق است و عاشق مردۂ

اور پھر اپنے شیخ حضرت اقدس حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی ترجمانی فرماتے ہوئے کشفی وجود اور کشفی شہود میں تطبیق کی صورت ظاہر فرمائی ہے اور اس جملہ پر یہ تشریح ختم فرمائی ہے کہ

''پس وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں اختلاف لفظی ہے کما قال مرشدیؒ''

لیکن اس کی بابت پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ جب خود امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کشفی وجود کے مخالف نہیں بلکہ مؤید ہیں تو پھر تطبیق یا عدم تطبیق کی سرے سے ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے، اس کے بعد بات صرف تعبیر وجودی و ظلالی کی غور طلب رہتی ہے کہ ان میں تطبیق اطمینان بخش ہے یا نہیں۔

تطبیق سے اضطراب نہیں مٹتا

حقیقت یہ ہے کہ گو حضرات شاہ ولی اللہ و مولانا اسمٰعیل شہید نے تطبیق کی راہ

Marfat.com

اختیار فرمائی ہے مگر خود یہ حضرات جب حضرت شیخ مجددؒ کی تعبیر سے پوری طرح مطمئن نظر نہیں آتے تو ان کی تطبیقات کمزور پڑ جاتی ہیں۔ مثلاً حضرت شاہ صاحب اسی مکتوب مدنی میں اپنی اسی تحریر کے متصلاً بعد جو "تطبیقات" کے زیر عنوان اوپر نقل ہو چکی، ارقام فرماتے ہیں:

واختلف اقواله فی العالم فقال مرةً هو موجود فی الخارج وجوداً ظلیاً وقال اخریٰ هو موجود فی الوهم الاان الله تعالٰی اتقنه فی تلک المراتبة فصار موهوماً متقناً

اس عالم (رنگ و بو) سے متعلق ان کی رائے مختلف ہے کبھی تو وہ فرماتے ہیں کہ یہ عالم ظلی وجود سے بہرہ مند ہے اور کبھی یہ فرماتے ہیں یہ کائنات آراستہ وہم ہے جس کو اللہ تعالٰی نے استواری بخشی ہے، اس لحاظ سے یہ عالم اگرچہ موہوم ہے مگر استوار و محکم بھی ہے۔

اسی طرح شاہ اسمٰعیل شہیدؒ وجودی و ظلالی تعبیرات میں تطبیق دکھانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

"باقی امام ربانی مجدد الف ثانی کے بعض اقوال سے بظاہر یہ جو معلوم ہوتا ہے کہ ممکنات و مخلوقات کی حقیقتوں کا تعین عدم اور نیستی سے وابستہ ہے یعنی ممکنات کی اصل ماہیت و حقیقت ان کے نزدیک 'عدم' ہے تو ظاہر ہے کہ اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو فاطر و مفطور کے اتحاد کی جو بنیاد ہے وہی منہدم ہو کر رہ جاتی ہے کیونکہ ایسی صورت میں مفطورات و مخلوقات کا وجود سے کوئی تعلق ہی نہیں رہتا اور اتحاد کا دعویٰ جو دونوں کے درمیان کیا جاتا ہے وہ تو اسی پر مبنی ہے کہ مخلوقات کے لیے بھی وجود مانا جائے، لیکن مجدد صاحب کی اس سے کیا مراد

Marfat.com

ہے؟ ہم جیسے لوگ جو کشف و شہود کی دولت سے محروم ہیں، ان کی سمجھ سے یہ خارج ہے، کوئی ایسی راہ ہمارے سامنے نہیں ہے جس کے ذریعہ سے ان کے اس دعوے کے صحیح مطلب کو ہم دریافت کر سکتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ عدم اور نیستی تو خیر دور کی بات ہے، کسی معدوم شئ کے متعلق بھی ہم یہ سوچ نہیں سکتے کہ کسی موجود شئے کی قیومیت کا کام انجام دے یعنی کسی موجود چیز کی قیوم، شئے معدوم ہو۔'' ۱۴۱

خط کشیدہ جملہ سے مولانا شہید کا ظلالی تعبیر سے عدم اطمینان واضح ہے اور راقم الحروف کی عرض صرف یہی ہے کہ تطبیقی راہ سے اضطراب نہیں مٹتا۔

تطبیق کی بنیاد صرف ''مصلحت'' ہے

تصریحات بالا کو دیکھ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کابرنے یہ راہ تطبیق، جو تکلف سے خالی نہیں، کیوں اختیار فرمائی؟ اس کا جواب باصواب وہ ہے جو حضرت اقدس مرزا مظہر جان جاناں قدس سرہٗ کے قلم مبارک سے تحریر ہوا ہے، حضرت ممدوح کے خلیفہ مولانا غلام یحییٰ بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ اس موضوع پر تحریر فرمایا کہ وجودی و شہودی نظریات الگ الگ ہیں، ان میں تطبیق تکلف ہے، خلیفہ رشید کے اس رسالہ پر تقریظ حضرت شیخ نے تحریر فرمائی ہے جس میں صراحت فرمائی ہے کہ جن حضرات نے ان نظریات میں تطبیق دی ہے وہ محض بر بنائے مصلحت ہے، فرماتے ہیں:

''تطبیق کے مسئلہ میں پڑنے کی ضرورت نہ تھی، دونوں مکاشفات میں تطبیق تکلف سے خالی نہیں لیکن ایک مصلحت خیر کی بنا پر یہ توفیق و تطبیق اختیار کی گئی تاکہ دو بڑی جماعتوں میں مصالحت کی صورت پیدا ہو جائے۔ اللہ اس بندہ پر رحم فرمائے جو انصاف کرے اور مباحثہ

Marfat.com

سے اپنے آپ کو بچائے۔''

یعنی تطبیق محض اس مصلحت سے اختیار کی گئی کہ شیخ اکبرؒ اور شیخ مجددؒ کے متبعین آپس کے اختلافات سے بچیں اور دونوں اکابر شیوخ کی تعظیم و ادب ملحوظ رہے، ورنہ حقیقتاً دونوں نظریات میں تطبیق ایک تکلف ہے کیونکہ وہ الگ الگ حیثیت کی حامل ہیں۔

شیخ اکبرؒ اور شیخ مجددؒ کے علوم کا فرق و امتیاز

اس ناچیز کی رائے میں اکابر عارفین دو گروہ میں منقسم ہیں اور ان کے فرق و امتیاز کو نہ سمجھنے سے غیر ضروری بحثیں چھڑ جاتی ہیں۔ ایک گروہ تو مطلق شہبازان معرفت الٰہیہ کا ہے جو اسرار کے اظہار پر مامور ہوتے ہیں۔ ۱۵ انہیں اس سے سروکار نہیں ہوتا کہ ان کی باتیں نااہلوں اور سخن ناشناسوں تک پہنچ کر فتنہ کا سبب بنیں گے یا تصدیق و تکذیب کا بازار گرم ہوگا اس کے بالمقابل دوسرا گروہ مجددین کا ہے جو تطہیر عقائد، اصلاح اعمال، دفع بدعات اور احیائے سنت پر مامور ہوتے ہیں یہ حضرات اپنے منصب کی پابجائی میں نہ صرف ضلالت و گمراہی کی بلکہ ان کے اسباب کی بیخ کنی کی کوشش فرماتے ہیں جو وجہ ضلالت نظر آتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر ایسی عارفانہ اصطلاحات جن کی اہل ضلالت نے آڑ لے لی ہو نہ صرف ان کی تردید کرتے ہیں بلکہ فتنہ کی شدت پر نظر کر کے خود صاحب اصطلاح عارف پر تک صاف نکیر فرما دیتے ہیں۔ حالانکہ اس مجبورانہ عمل میں ان کا دل دھڑکتا ہے اور کبھی اس دھڑکن کی آواز دوسروں تک بھی پہنچ جاتی ہے اس لیے مطلق عارفین کے علوم کا تقابل حضرات مجددین کے علوم سے نہ کیا جا سکتا ہے نہ کیا جانا چاہیے۔ راس الصوفیہ شیخ اکبر قدس سرہٗ اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی مثال اس کی آئینہ دار ہے کہ کہاں تو حضرت مجددؒ پوری قوت سے تردید فرماتے ہیں کہ ہم کو فص (فصوص الحکم) نہیں نص (قرآن) چاہئے، ہم کو فتوحات مدینہ (احادیث نبویہ) نے فتوحات مکیہ (تصنیف شیخ اکبر) سے مستغنی کر دیا ہے

Marfat.com

وغیرہ اور کہیں شیخ کی تاکید فرماتے ہیں، ان کو مقبول بارگاہ الٰہی تسلیم فرماتے ہیں ان کے منکر کو خطرے میں مبتلا فرماتے ہیں بلکہ شیخ ممدوح کا یہ ''احسان'' مانتے ہیں کہ انہوں نے:

''کمال معرفت سے اس دقیق مسئلہ وحدۃ الوجود، کی تشریح فرمائی اور ابواب وفصول میں ترتیب دے کر صرف ونحو کی طرح مدون فرمایا۔''۱۶

اے کاش کہ حضرت شیخ مجددؒ کے مکتوبات شریف پر تاریخیں مندرج ہوتیں تاکہ حضرت کے اقوال میں ناسخ ومنسوخ قول کا تعین ہوسکتا۔

بہرحال حضرت مجدد الف ثانیؒ تو خیر حضرت شیخ اکبرؒ کے معاملہ میں اتنے شدید نہیں جتنا کہ شیخ الاسلام علامہ احمد تقی الدین ابن تیمیہؒ (ف ۷۲۸ھ) جو حضرت ابن عربیؒ کی بعد والی صدی کے مجددین میں شمار کیے جاتے ہیں۔۱۷ علامہ ممدوح کی شیخ اکبرؒ پر دلخراش تنقید سے کون ذی علم واقف نہیں، مگر ایسے سخت ناقد کے قلب کی گہرائی میں بھی شیخ کی تصدیق ثبت نظر آتی ہے اور وہ اعتراف پر مجبور ہو ہی جاتے ہیں۔ علامہ ممدوح رحمۃ اللہ علیہ نے نصر بن سلیمان المنبجی (ف ۷۱۹ھ) کے نام جو مکتوب، اپنی رحلت سے تقریباً نو برس قبل، تحریر فرمایا ہے، اس کا اقتباس ملاحظہ ہو:

''حادث ومحدث کا وجود عین خالق کا وجود ہے، نہ تو وہ خالق کا غیر ہیں نہ ہی اس کے سوا کچھ اور ہیں، اس اصل کو سب سے پہلے ابن عربی ہی نے پیش کیا، وہ اس معاملہ میں بالکل منفرد ہیں، ان سے پہلے کسی شخص یا عالم نے یہ نظریہ پیش نہیں کیا، آج کل کے تمام اتحادی اس نظریہ کی پیروی کر رہے ہیں لیکن ان سب میں ابن عربی اسلام سے قریب تر ہیں اور اکثر جگہوں پر ان کا کلام بہتر ہوتا ہے کیونکہ وہ

Marfat.com

ظاہر اور مظاہر کے درمیان فرق کرتے ہیں اور اوامر ونواہی اور امور شریعت کو اپنی جگہ پر برقرار رکھتے ہیں اور مشائخ نے جن اخلاق و عبادات کی تعلیم دی ہے، ان پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں''۔ ۱۸

مندرجہ بالا نظائر سے حضرت شیخ اکبر کے علوم پر حضرات مجددین کی نکیر وتنقید کی حقیقت امت کے عوام کی اصلاحی مصلحت کے سوا اور کیا ٹھہرتی ہے اور ان تنقیدات سے معارف شیخ کی حقانیت پر کیا آنچ آتی ہے۔ اسی لئے مجھ عاجز کے نزدیک ائمۂ عارفین کے علوم سے حضرات مجددین کے علوم کا تقابل نہ صحیح ہے نہ ضروری، تقابلی مطالعہ چونکہ عہد رواں کا ایک فیشن بن گیا ہے، اس لیے اگر کرنا ہی ہو تو ایک امام عارف کے علوم کا دوسرے امام عارف کے علوم سے اور ایک اور مجدد کے علوم کا دوسرے مجدد کے علوم سے تقابل ہونا چاہئے تاکہ غیر واقعی بحثوں کا خاتمہ ہو، اور یہ ذوق عام ہو جائے کہ ہر شخص اپنی مناسبت اور حد استعداد کے مطابق کسی بھی بزرگ سے استفادہ کرے اور دوسرے پر طنز وتعریض سے اپنی زبان اور قلم کو بچائے رکھے۔

ع آرزو می خواہ لیک اندازہ خواہ

حاصل گفتگو

یہ ہے کہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود الگ الگ نظریات ہیں، ان میں تطبیق کی کوشش گو ''مصلحت خیر'' ہی کی بنا پر ہو تکلف سے خالی نہیں، دوسرے یہ کہ ان نظریات کے فرق وامتیاز کا قائل ہوتے ہوئے دونوں بانیانِ نظریات کا ادب لازم رکھا جانا چاہیے جو کچھ مشکل نہیں کیونکہ جب امام بخاریؒ کی امام ابوحنیفہؒ پر سخت تنقید کے باوجود ہم دونوں ائمہ دین کی عظمت وادب کو بخوبی ملحوظ رکھے ہوئے ہیں تو ان خاصانِ معرفت الٰہیہ کا باہمی اختلاف ان کے یکساں ادب سے کیوں مانع ہو؟ دع نفسک وتعال۔ (نفسانیت کو چھوڑ اور چلے آ۔)

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

۱۔ دمغ الباطل مصنفہ شاہ رفیع الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ شیخ اکبر قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

فانی رأیت رسول اللہ ﷺ فی مبشرة فی العشر الاخر من محرم سنة سبع و عشرین و ستمائة بمحروسة دمشق و بیده کتاب فقال لی هٰذا کتاب فصوص الحکم خذه و اخرج به الی الناس ینتفعون به.

میں نے ایک رویائے بشارت میں جو مجھ کو دکھلایا گیا رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، محرم ۶۲۷ھ کے اخیر عشرے میں، محروسۂ دمشق میں، اور آپ کے دست مبارک میں ایک کتاب تھی، آپ نے فرمایا کہ یہ کتاب فصوص الحکم ہے، اس کو لے، اور لوگوں میں بیان کرتا کہ وہ اس سے مستفید ہوں۔

شیخ اکبر کے ان الفاظ کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو ''افادات شیخ محی الدین ابن عربی'' مصنفہ حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ۔

۳۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم ترین شیوخ میں شامل ہیں، ان کے ''نصائح'' میں وحدۃ الوجود کی پرزور تائید ملتی ہے، ارشاد ہے:

''قرآن، حدیث، فقہ، ان تینوں کا خلاصہ اور نچوڑ تصوف ہے اور تصوف کا نچوڑ وحدۃ الوجود کا مسئلہ ہے، اور وحدۃ الوجود باتیں بنانے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ دل کے آئینہ کو نقوش کونیہ سے صاف کریں اور و تبتل الیه تبتیلا کا مصداق بن کر سب سے ٹوٹ پھوٹ کر خدائے تعالیٰ کی طرف ہی جھک پڑیں اور اسی کے ہو رہیں، جب جا کر کہیں دل سدھرتا، سنبھلتا اور

Marfat.com

ایسا چمکتا ہے کہ خود بخود وحدۃ الوجود کا مسئلہ اس میں عیاں ہو جاتا ہے۔''
(گلزارِ اولیاء مؤلف شیخ کبیر و محدث جلیل ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ حیدر آبادی نقشبندی مجددی و قادریؒ)

۴۔ ''حضرت مجدد الف ثانی'' مؤلفہ شاہ زوار حسین رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ روضۃ القیومیہ (ص ۱۵۸)

۵۔ حضرت شیخ وجیہ الدین گجراتی رحمۃ اللہ علیہ بڑی قوت سے فرماتے ہیں ''کسے کہ منکر توحید و وحدۃ وجود باشد او را تصور نقش اللہ و شغل طاقچہ باید فرمود، چوں عمل کند اپیں (خود ہی) جھک مار کر قبول کرے گا'' (علمی نقوش ص ۱۰۱ مؤلفہ شیخ طریقت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ)

۶۔ اس ''شرطِ عبور'' کی حقیقت عارف باللہ حضرت پیر سید مہر علی شاہ نور اللہ مرقدہٗ نے یوں بیان فرمائی ہے۔ ''حضرت مجدد صاحبؒ کو شغل اوقات نے حضرت شیخ (ابن العربیؒ) کی کتابوں کے بالاستیعاب مطالعہ کی فرصت نہیں دی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بھی مکتوب مدنی میں ایسا ہی فرمایا ہے، ورنہ (حضرت مجددؒ) ایسا نہ فرماتے، ہمارے اور شاہ ولی اللہؒ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ توحید وجودی دو قسم کی ہے، اوّل وہ جو اثنائے سلوک میں بہ سبب ذہول ماسوی اللہ کے پیش آتی ہے اور اس میں استغراق، عدم فرق مراتب اور اختلافِ احکام بحسب درجۂ امکان کا موجب ہوتا ہے۔ اس مقام توحید کو حضرت شیخ فتوحات مکیہ میں سالک کے نقصان سے نشان دیتے ہیں۔ دوم توحیدِ کاملین ہے، کہ انتہائے منازل میں ذہول کے باعث نہیں بلکہ مشاہدات یقینیہ سے حاصل ہوتی ہے، شیخ توحید کی اس دوسری قسم والوں میں سے ہیں اور لیس فی الوجود الا ھو کے قائل۔ اور وہ احکام شرعیہ کا اعتراض اس طرح دفع کرتے ہیں کہ

Marfat.com

حقیقت واحدہ جس میں اثنینیت اور دوئی قطعاً ملحوظ نہیں وہ تو کمال ذاتی کے اعتبار سے ہر اس چیز سے منزہ ہے جو دل میں آئے، وہاں اجرائے احکام کی گنجائش کہاں، وہاں تو احکام مرتبہ، تنزلات وتعینات پر وارد ہوتے ہیں اور تلوث عیوب کی نسبت جاعل اور مظہر تک نہیں پہنچتی بلکہ یہ امر بعض طبائع دون بعض تک متصور ہے اور اجسام کثیفہ کے خواص سے ہے، **ماتریٰ فی خلق الرحمن من تفاوت**۔ حقیقت میں نظر میں عین واحد اور احکام مختلف ہیں کیونکہ مظاہر کی ہستی دونوں عدموں کے درمیان مستعار ہے، نہ خود بخود ظہور کیا نہ اپنے آپ قائم ہے بلکہ ظہور و قیام میں مظہر و قیوم کی طرف محتاج ہے، گویا مظاہر کا ظہور اسم ظاہر کے ظہور سے ہے، ورنہ ممکنات زائلہ حادثہ کی کیا قدرت کہ بجز فیض ربوبیت **ھوالظاھر** کوئی مستقل نام ونشان رکھیں، پس بہ ایں معنی غیریت منتفی ہے، لیکن ان مقبولین کے نزدیک حفظِ مراتب توحید ضروری ہے

ع گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

(ملفوظات مہریہ۔ ملفوظ نمبر ۷۷ اشائع کردہ خانقاہ گولڑہ شریف۔ راولپنڈی)

۷ قرآن اور تصوف مؤلفہ ڈاکٹر میر ولی الدینؒ مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی، ص ۹۷

۸ اشاعرہ حق تعالیٰ کی صفات ذاتیہ ازلیہ سات مانتے ہیں یعنی تکوین کو شامل نہیں کرتے لیکن ماتریدیہ تکوین کو بھی شامل کر کے آٹھ صفات ذاتیہ کے قائل ہیں اور حضرت مجدد قدس سرہٗ بھی اسی کی تائید فرماتے ہیں۔

۹ مکتوب مدنی از شاہ ولی اللہ دہلوی مترجمہ مولانا محمد حنیف ندوی، مطبوعہ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور۔ ص ۲۳

۱۰ مطبوعہ المطبع مظہر العجائب، مدراس ۱۲۸۴ھ

۱۱ جلد اول تفہیمات الٰہیہ، آخری مکتوب الملقب بہ ''مکتوب مدنی''

Marfat.com

۱۲؎ جلد اول تفہیمات الٰہیہ۔ آخری مکتوب المقلب بہ ''مکتوب مدنی''

۱۳؎ عبقات ۔ ترجمہ اردو از حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ مطبوعۂ حیدر آباد دکن (ص۔۹۱)

۱۴؎ ترجمہ عبقات محولۂ سابق ص:۱۳

۱۵؎ اور اذن مبارک سے سر مو آگے نہیں بڑھتے، جیسا کہ شیخ اکبر قدس سرہٗ فصوص الحکم کی ''فص آدمیہ'' میں فرماتے ہیں۔

''میں نے ان اسرار میں سے اس کتاب میں صرف اس قدر اسرار بیان کئے ہیں جن کی تعیین کی گئی، ان سب اسرار کو اس کتاب میں نہیں بیان کیا جو مجھ پر کھولے گئے کیونکہ وہ کسی ایک کتاب میں کہاں سما سکیں...... میں نے جو کچھ مشاہدہ کیا اور دیکھا وہی اس کتاب میں لکھوں گا اور وہ بھی اسی قدر جتنا کہ رسول اللہ ﷺ نے متعین و مقرر فرمایا۔''

۱۶؎ مکتوبات امام ربانی جلد۳، مکتوب ۸۹

۱۷؎ حافظ سیوطی نے ابن تیمیہؒ کے معاصر ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ کو ساتویں صدی کا مجدد مانا ہے۔

۱۸؎ ''امام ابن تیمیہ'' مصنفہ مولانا محمد یوسف کوکن عمری ص ۳۲۴ تا ۳۲۵

Marfat.com

حضرت مجدد الف ثانیؒ
اور
فیضی وابوالفضل کے تعلقات واختلافات پر
ایک اجمالی نظر

از: جناب محمد اسحاق صاحب اسمٰعیل اسٹریٹ کلکتہ

سولہویں صدی عیسوی میں ہندوستان کی مردم خیز خاک نے کچھ ایسی نابغہ روزگار ہستیوں کو حسن اتفاق سے ایک ہی عہد میں جنم دیا۔ جن کے تاریخ ساز واقعات و حالات کے بغیر برصغیر کی تاریخ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی۔ فرماں روائے سلطنت کی حیثیت سے جلال الدین محمد اکبر، مدبر وزیر مملکت کی حیثیت سے ابوالفضل علامی شاعر شیوا بیاں کی حیثیت سے ابوالفیض فیضی اور تصوف وسلوک اور اسرار و معارف کے رمز شناس اور تجدید دین واصلاح امت کے نقیب کی حیثیت سے حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ ایسی جامع صفات اور عبقری شخصیتیں تھیں کہ جن کے گوناگوں ادبی، علمی، سیاسی، انتظامی، سماجی، عسکری، اور دینی وتجدیدی کارہائے نمایاں تاریخ کے اجزائے لاینفک بن گئے ہیں۔ اور لیل ونہار کی چار سو سالہ گردشیں بھی ان کو فراموش نہ کرسکیں ان یکتائے زمانہ ارباب اربعہ کا زیادہ تر قیام اکبر آباد میں رہا کرتا تھا۔ جو عہد اکبری میں دار سلطنت بن گیا تھا۔

ابوالفضل کی تصنیف ''اکبر نامہ'' کے مطابق اس کے والد ملا شیخ مبارک ناگوری نے بارہویں سن جلوس مطابق ۹۷۴ھ میں پہلی بار دربار اکبری میں باریابی کا شرف حاصل

Marfat.com

کیا۔ اس کے بعد شعرالعجم حصہ سوم کے مطابق اسی سنہ جلوس میں اس کے فرزند اول ابوالفیض فیضی اور مولانا محمد حسین آزاد کی کتاب ''دربار اکبری'' کے مطابق انیسویں سن جلوس مطابق ۹۸۰ھ میں اس کے فرزند دوم ابوالفضل علامی دربار میں داخل ہوئے۔ اس وقت دربار میں جو علماء وفضلاء موجود تھے، اکبر انہیں اپنی علمی بے مائیگی کے باعث امام غزالی اور امام رازی سے زیادہ عالی مرتبت اور افضل سمجھتا تھا۔ وہ اپنے دربار کے مخدوم الملک شیخ عبداللہ انصاری کا بہت احترام کرتا تھا۔ جنہوں نے فتویٰ صادر کر کے فریضۂ حج کو ساقط کر دیا تھا، اور ہر سال زکوٰۃ کی فرضیت سے بچنے کے لیے اپنی ساری جمع شدہ دولت چھ ماہ کے بعد اپنی بیوی کو دے دیا کرتے۔ اور پھر چند ماہ بعد لے لیتے اور کہتے کہ یہ دولت مکمل ایک سال میرے پاس نہیں رہی۔ اس لیے زکوٰۃ مجھ پر فرض نہیں ہوئی، اس طرح زکوٰۃ کی روائیگی سے یہ عذر لنگ پیش کر کے بزعم خود بری الذمہ ہو جاتے۔ انہوں نے حج وزکوٰۃ کو ساقط کر کے ایوان اسلام کے دو اہم ستونوں ہی کو منہدم کر دیا تھا۔ ان کے بعد صدر الصدور شیخ عبدالنبی کا درجہ تھا، جو سلسلہ چشتیہ صابریہ کے مشہور شیخ طریقت حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے نبیرہ تھے، اور دربار حجاز کے نامور عالم ومحدث حضرت علامہ شہاب الدین احمد بن حجر مکی سے حدیث کی سند رکھتے تھے۔ اور کئی دینی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں لکھا ہے کہ اکبر کے بچپن کے استاد ہونے کے ناطے شیخ عبدالنبی کو دربار میں ایسا جاہ وجلال اور اقتدار واختیار حاصل تھا کہ سارے ہندوستان کے علماء ومشائخ کو جاگیریں عطا کرنا، معافیاں دینا اور وظائف جاری کرنا ان کے دائرہ اختیار میں تھا۔ لیکن خانوادۂ گنگوہی سے نسبت وتعلق کے باوجود وہ صوفیانہ روایات، روحانی خصوصیات باطن کی روشن ضمیری اور نظر کی کیمیا اثری کے اعلیٰ متصوفانہ اوصاف سے عاری اور عالمانہ اسلامی اخلاق وکردار سے بھی خالی تھے۔

Marfat.com

مخدوم الملک اور صدر الصدور کے درمیان عالمانہ فضل وکمال اور بلند سرکاری درجات کے باوجود ہمیشہ ایسی رقیبانہ چشمک اور معاندانہ کشمکش جاری رہتی تھی کہ وہ ایک دوسرے پر تکفیر وتجہیل کے فتاویٰ صادر کرتے تھے۔ان دونوں کے حمایتی زبان وقلم سے ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار رہتے تھے۔ان کے علاوہ دربار کے تمام علماء جوزیادہ تر حنفی العقیدہ تھے۔درباری مباحثہ ومناظرہ کے دوران آپس میں اسقدر سوقیانہ الفاظ، ناشائستہ انداز، غیر مہذبانہ جوش وغضب اور شوروشر کا مظاہرہ کرتے کہ شاہی دربار کے آداب کی دھجیاں بکھر جاتی تھیں، خود بادشاہ کو بھی ان کی یہ حرکتیں ناگوارِ خاطر گذرتی تھیں، ان تمام علماء کی دینی بے راہ روی، قرآنی نصوص اور احکام احادیث کی خلاف ورزی، دنیاوی حرص و طمع اور ذاتی مفاد پرستی کے منفی اثرات سے خود اکبر اعتقادی تزلزل، ایمانی انحطاط اور ذہنی انتشار کا شکار ہو گیا تھا۔اگر چہ وہ علم سے ناآشنائے محض تھا۔لیکن دینی شعائر پر اس کا یقین وایمان راسخ ومستحکم تھا۔جیسا کہ منتخب التواریخ کی جلد دوم کے صفحات ۱۲۳ تا ۲۶۲ اور جلد سوم کے صفحہ ۱۰۰ اور شاہنواز خاں کی تصنیف ''مآثر الامرا'' کی جلد دوم کے صفحہ ۵۶۱ کی تحریروں میں اس کی مذہبی خوش عقیدگی، دینی غلو وانہماک احکام شرعی کے نفاذ کی جدوجہد، علمائے ربانی سے والہانہ محبت اور اولیائے کرام کے مزارات سے نیازمندانہ عقیدت کے بہت سے واقعات ملتے ہیں، جو اس کی مذہب دوستی، اسلام پسندی اور دینداری کے بدرجۂ اتم ثبوت ہیں۔

شیخ ملا مبارک اور اس کے دونوں بیٹے فیضی وابوالفضل اپنے علم قرآن، فہم حدیث فقہی نکتہ شناسی، فلسفہ ومنطق کی مہارت تامہ، ذہنی دراکی، معاملہ فہمی، سیاسی فکر ونظر، مدبرانہ مزاج وطبیعت اور مباحثہ ومناظرہ کی پُرتاثیر طاقت لسانی کی بدولت درباری علماء پر حاوی ہو گئے تھے، اور بادشاہ بھی ان کی اصابت رائے۔ فاضلانہ طرز گفتگو، دلنشین، اسلوب

Marfat.com

استدلال جدت پسند افکار و خیالات اور وسعت مطالعہ و معلومات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ لیکن مخدوم الملک اور صدر الصدور اور دوسرے درباری علماء نے ان کی روز افزوں مقبولیت، تقرب شاہی اور بلندی درجات و مراتب سے خوفزدہ ہو کر اپنے دیرینہ اثر و رسوخ کو بروئے کار لا کر ان کو پریشان کرنا شروع کیا۔ اور دربار و بیرون دربار میں ان کو اعزاز و اکرام سے محروم رکھنے کے لیے ان کی دینی ضلالت اور اسلام دشمنی کا پرچار کر کے ایسی نامساعد فضا اور خطرناک ماحول پیدا کر دیا کہ ان کو اپنی جان و مال کے تحفظ کی فکر لاحق ہوگئی مولانا محمد حسین آزاد نے دربار اکبری کے صفحہ ۴۹ پر لکھا ہے۔ شیخ مبارک نے ان لوگوں کے اتنے تیر ستم کھائے تھے کہ دل چھلنی ہو گیا تھا۔ شیخ ابوالفضل اور اس کے والد ملا مبارک مخدوم الملک اور صدر الصدور وغیرہ کے ہاتھوں برسوں تک زخم کھاتے رہے۔ جو عمروں میں بھرنے والے نہیں تھے۔ مولانا محمد حسین آزاد نے دوسری جگہ لکھا ہے۔ ''ملا مبارک پر جو جو مصیبتیں مخدوم کے ہاتھوں گذری تھیں، بیٹوں کو نہ بھولی تھیں۔ انہوں نے تدارک کے لیے اکبر کے کان بھرنے شروع کئے۔ چونکہ بادشاہ پہلے ہی سے اپنے علمائے دربار سے بدظن ہو چکا تھا۔ اس لیے ان لوگوں کی چغل خوری، غیبت اور شکوہ و شکایت سے اس کی بدظنی انتہائی نفرت و بیزاری میں بدل گئی۔ بادشاہ بنیادی و اساسی اسلامی تعلیمات سے نابلد تھا۔ اس لیے ان گندم نما جو فروش علمائے سوء کی مخالفت میں شرعی قوانین، شعائر اسلامی اور دینی نظام کی افادیت اہمیت اور ہر زمان و مکاں میں ان کی موزونیت اور تطابق کے بارے میں بھی اس کا ایمان تشکک و ارتیاب کی بھول بھلیوں میں گم ہو گیا۔ دربار شاہی سے اجراء ہونے والے شاہی فرمانوں کے دُور رس اسلام دشمن اثرات اور ارتداد و الحاد انگیز نتائج نے ہندوستان میں اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ لیکن یہ نقصان ان جاہ طلب علمائے سو کی سیاہ کارستانیوں سے پہنچا جو اس دین کی پاسبانی و دیدبانی اور ان کے داعیٔ اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی

Marfat.com

جانشینی کے دعویٰ دار تھے۔ مآثر الامراء میں لکھا ہے کہ مخدوم الملک کو حج سے واپسی کے بعد ۹۹۰ھ یا ۹۹۱ھ میں اشارۂ سلطانی سے زہر ہلاہل دے کر مار دیا گیا'' اور صدر الصدور نے بھی حج سے مراجعت کے بعد راجہ ٹوڈرمل کی قید میں دم توڑ دیا۔ لیکن مآثر الامراء کے مصنف کی تحقیق کے مطابق انہیں ابوالفضل نے قدیم دشمنی کے جوش انتقام میں گلا گھونٹ کر ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا۔ اب ملا مبارک ابوالفضل وفیضی کے علم وفضل اور اقتدار واختیار کے چراغ کے سامنے سارے چراغ بجھ گئے۔ لیکن بھڑکتا ہے چراغ صبح جب خاموش ہوتا ہے۔ کے مصداق ان چراغوں نے بجھتے وقت بھڑک کر خرمن اسلام میں آگ لگا دی۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ جب گلشن اسلام کے غنچہ وگل اور برگ وبار دین بیزاری اور الحاد کے شعلوں سے جھلس رہے تھے۔ تو ابوالفضل اکثر یہ اشعار گنگناتا ہوا نظر آتا تھا۔ ع

آتش بدست خویش و خرمن خویش
چو خود زده ام چہ نالم از دشمن خویش
کس دشمن من نیست منم دشمن خویش
اے وائے منم دوست و دشمن خویش

دیار ہند میں دین کی اس غربت اور کسمپرسی کے عالم میں خاک سرہند سے اٹھنے والا ایک نوجوان سر میں توحید کا سودا دل میں محبت رسول درد۔ رگوں میں فاروقی خون کا جوش عزم وعمل لے کر پنجاب سے آکر ۹۸۸ھ میں آگرے میں فروکش ہوتا ہے۔ اس شاہیں صفت اور عقابی نظر رکھنے والے مرد خدا کا نام شیخ احمد سرہندی تھا، جو خزینۃ الاصفیاء کے مصنف مفتی غلام سرور لاہوری کے مطابق ہندوستان کے یکتائے روزگار عالم دین حضرت علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کے عطا کردہ لقب مجدد الف ثانی سے بعد میں مشہور ہوئے، حضرت مجدد نے آگرہ میں تبلیغ وارشاد کے ذریعہ رفع شرک وبدعت اصلاح معاشرہ، امر ونہی کی

Marfat.com

تلقین اور جاہ طلب علمائے دربار کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کا سد باب کرنا شروع کیا۔ آپ ایک اعلیٰ دینی مدرسہ کا قیام عمل میں لائے جہاں طالبان علم نے اس شمع اسلام کے گرد پروانہ وار ہجوم کیا۔ عوام کے عداوہ شہر کے علماء درباری امراء اور فوج کے اکثر اعلیٰ عہدہ داروں نے بھی آپ کے خصوصی درس وتدریس میں شریک ہونا شروع کیا۔ جلد ہی آپ کی طرز تعلیم کی افادیت انداز بیان کی جاذبیت قرآن وحدیث کے صحیح مفہوم کی اشاعت وتوضیح اور توحید ورسالت کی صحیح تعلیمات کے بارے میں شہر کے کوچہ بازار، مسجد وخانقاہ اور مدرسہ وکتب خانے میں چرچا ہونے لگا بہت سے اہل علم اور اہل باطن بھی آپ سے ملنے آئے۔ اس اثناء میں حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے بارے صاحب حال خلیفہ مجاز بھی تشریف لائے۔ اور بہت دیر تک آپ کے احوال دریافت کرنے کے بعد اپنے نور باطن اور اندرونی بصیرت سے پیشین گوئی کی کہ آپ کو عنقریب انتہائی بلند روحانی کمال حاصل ہوگا۔ اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا ایک عظیم کام آپ سے لیا جائے گا۔ ۹۸۷ھ میں ملا مبارک نے ایک محضر تیار کیا تھا۔ جس میں اکبر کو امام مجتہد، واجب الاطاعت اور خلیفۃ اللہ کا لقب دیا گیا تھا۔ اور علماء کے درمیان اسلام کے نازک مسائل وعقائد کے فقہی اختلاف کی صورت میں بادشاہ کو آخری حکم قرار دیا گیا تھا۔ حضرت مجدد نے رسالہ تہلیلیہ۔ قلمبند فرمایا جس میں توحید ورسالت کی وضاحت وتصریح کر کے مسلمانوں کے عقائد وخیالات، نظریات ورجحانات کی اصلاح اور دین الٰہی کی اشاعت وشیوع کو روکنے کی کوشش کی جس کا اجراء ۹۸۹ھ میں ہوگیا تھا۔ اور جس کو ابوالفضل وغیرہ نے قبول کرلیا تھا۔

روضۃ القیومیہ رکن اوّل مولفہ خواجہ ابوالفیض محمد احسان میں لکھا ہے کہ فیضی وابوالفضل نے جو خود علوم وفنون کے بحر ذخار فلسفہ ومنطق کے ماہر اور شعر وادب کے میدان کے یکہ تاز تھے، آپ کی علمیت وفضیلت کا آوازہ سن کر ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور آپ

Marfat.com

کی خدمت میں اپنے ایک خادم کو بھیجا۔ لیکن آپ نے جانے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ ان دونوں کی بدعقیدگی سے آپ ان کو ناپسند کرتے تھے، بالآخر چند روز کے بعد فیضی وابوالفضل خود ہی ان کی قیام گاہ پر حاضر ہو گئے۔ آپ نے نہایت شگفتہ مزاجی اور خوش اخلاقی سے ان دونوں کا استقبال کیا اور خاطر تواضع کی۔ رخصت ہوتے وقت وہ دونوں بھائی آپ کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دے گئے۔ جسے آپ نے قبول کر لیا۔ اور ان کی بھیجی ہوئی سواری پر سوار ہو کر تشریف لے گئے۔ انہوں نے اپنے محل کے دروازے پر سے نکل کر آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور تین شبانہ روز تک آپ کو اپنے یہاں مہمان رکھا۔ اور آپ کی خاطر مدارات میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، ان تین شبانہ روز علمی وادبی اور دینی وفقہی مباحث پر عالمانہ اور محققانہ انداز میں گفتگو ہوتی رہی، فیضی وابوالفضل آپ کے عالمانہ علوئے مرتبت، محققانہ دقیقہ رسی اور عارفانہ حقیقت شناسی کے قائل ہو گئے اگر چہ آپ عمر کے لحاظ سے فیضی سے سترہ سال اور ابوالفضل سے تیرہ سال چھوٹے تھے۔ اب آپ کے تعلقات فیضی وابوالفضل سے روز بروز گہرے ہوتے گئے خواجہ ہاشم کشمی بدخشی زبدۃ المقامات برکات احمدیہ میں لکھتے ہیں۔ ''ابوالفضل کے ایک شاگرد نے مجھے بتایا ایک دفعہ ابوالفضل نے اپنے ایک آشنا کو چند کلمات لکھے جن میں اپنے مدعا کے ثبوت میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے کلام کو بطور سند پیش کیا۔ اور ساتھ میں آپ کی بہت تعریف کی جو آپ کے اجتہاد پر دلالت کرتی ہے۔''

ابوالفضل نے ۹۸۱ھ میں آیۃ الکرسی کی تفسیر لکھ کر بادشاہ کو پیش کی تھی اور ۹۸۳ھ میں سورۃ الفتح کی تفسیر بھی لکھ کر نذر کی جس کے صلہ میں دربار شاہی میں اس کا تقریب بڑھا دیا گیا فیضی نے بھی اپنے چھوٹے بھائی کی طرح قرآن کی تفسیر ''سواطع الالہام'' کے نام سے لکھی جو اس کی قرآن فہمی اور اعلیٰ علمی استعداد کا معرکۃ آلارا کارنامہ ہے۔ اس تفسیر میں اس نے بے نقطہ کے حروف استعمال کئے ہیں۔ جو اس کے ذخیرۂ الفاظ، عربی وفارسی لغات

Marfat.com

پر کامل عبور واستحضار بے مثال قوت حافظہ اور زبان وادب پر کامل دستگاہ کا مظہر ہے۔ اس کی اس تصنیف نے اس کے مخالفین کے اس اعتراض کا دندان شکن جواب دیا جو اس پر علوم دینیہ کی کم مائیگی اور قرآن حکیم سے عدم اشتغال کا الزام لگاتے تھے۔ روضۃ القیومیہ کے مصنف نے لکھا ہے۔ ''فیضی کی طبیعت تفسیر بے نقط لکھنے کی طرف مائل ہوئی، چونکہ خود دونوں بھائی علم میں یکتائے زمانہ تھے۔ علاوہ بریں مایہ ناز علمائے ہند مثلاً جمال لاہوری تلوی وغیرہ کو بھی بلایا اور تفسیر مذکور کی تصنیف کی فکر کی۔ چند ایک جز لکھے گئے۔ آخر ایک مقام پر پہنچ تمام علماء اور دونوں بھائی لاچار ہو گئے۔ اور کچھ پیش نہ گئی۔ ابوالفضل نے آپ کو تکلیف دی کہ ہم دونوں بھائی اور تمام علماء اس مقام پر مجبور ہو گئے ہیں۔ نیز اس نے اپنی عاجزی کا اعتراف کیا۔ اور عرض کی کہ اگر آپ تحت اللفظ عبارت ہی لکھیں تو بھی ہم غنیمت سمجھیں گے۔ اور احسان مانیں گے۔ حضرت مجددؒ نے قلم برداشتہ اس کی تفسیر نہایت فصیح و بلیغ عبارت میں لکھ دی جس پر کہ تمام بڑے بڑے علماء کا قافیہ تنگ ہو چکا تھا۔ اور قصص اور شان نزول آیات اس قسم کے لکھے جن کی سمجھ سے تصور حیران تھا پھر تو ہر روز اس تفسیر بے نقط کے دفتر لکھے جانے لگے۔ اس تفسیر کا اکثر حصہ یا تو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تصنیف ہے یا ان کی مدد سے تصنیف ہوا۔ یہ دیکھ کر ابوالفضل فیضی اور تمام علمائے ہند حیران رہ گئے۔ اور آپ کے کمال علمی اور اجتہاد کے معترف ہوئے۔

مآثر الامراء میں شاہ نواز خان نے لکھا ہے۔ ''یہ تفسیر دو سال کی مدت میں ۱۰۰۲ھ میں مکمل ہوئی، اکبر نے اس کے صلہ میں فیضی کو دس ہزار روپے دیئے۔''

فیضی کی تفسیر غیر منقوطہ لکھنے میں حضرت مجدد کی علمی و تصنیفی امداد کے بارے میں مولانا ابوالحسن علی ندوی اپنی کتاب تاریخ دعوت وعزیمت حصہ چہارم کے صفحہ ۱۴۰ پر لکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ فیضی کو جو اس زمانہ میں تفسیر غیر منقوطہ ''سواطع الالہام'' لکھنے میں مصروف

Marfat.com

تھے ایک جگہ مناسب غیر منقوط لفظ ملنے میں اور مطلب ادا کرنے میں دقت پیش آئی اور قلم رک گیا۔ حضرت مجددؒ سے انہوں نے تذکرہ کیا۔ آپ نے مشکل کشائی فرمائی اور فیضی کو آپ کی طبع رسا اور وفور علم کا اعتراف کرنا پڑا۔

علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد اول میں مولانا محمد میاں دہلوی نے لکھا ہے۔ ''یہی زمانہ ہے جبکہ فیضی اپنی بے نقط تفسیر سواطع الالہام لکھ رہا تھا۔ مشہور ہے کہ اس تفسیر میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی امداد بھی شریک تھی۔

خواجہ ہاشمی کشمی نے برکات احمدیہ میں مولانا محمد میاں نے علمائے ہند کا شاندار ماضی حصہ اوّل میں اور مولوی عبدالاحد نے ''مقدمات امام ربانی'' میں لکھا ہے کہ ایک روز حضرت مجدد الف ثانیؒ ابوالفضل کی مجلس میں تشریف فرما تھے، فلسفیوں اور ان کے علوم کی صفت بیان ہونے لگی، اور اس میں اس قدر مبالغہ ہونے لگا کہ بار بار علمائے دین کی توہین ہونے لگی حضرت مجددؒ جوشِ اسلام دینی غیرت اور مذہبی حمیت کے باعث برداشت نہ کر سکے اور فرمایا کہ امام غزالی نے اپنی کتاب المنقذ من الضلال میں لکھا ہے کہ فلاسفہ جن علوم کا واضع خود کو قرار دیتے ہیں۔ مثلاً الٰہیات، حکمت۔ نجوم۔ ہیئت، اور طب وغیرہ جو دین میں قدرے کار آمد ہیں۔ وہ انہوں نے انبیائے کرام کی کتابوں اور کلام سے چرایا ہے۔ اور جو علوم ان کی سفلہ طبیعتوں کا نتیجہ ہیں۔ ان سے دین کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ آپ نے مزید فرمایا کہ امام غزالی یونانی فلسفہ کے بھی نکتہ شناس تھے۔ انہوں نے اس کے رد میں علم کلام کو اپنایا۔ اور فلسفیوں پر ان کی خدا بیزار تصنیفات، زندقہ آمیز خیالات، الحاد انگیز عقائد اور ضلالت پسند نظریات کے باعث کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔'' اس کے جواب میں سنجیدہ دلائل و براہین سے تردید و تکذیب کرنے کے بجائے ابوالفضل برہم ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ امام غزالی نے بہت نامعقول بات کہی ہے اس کے بعد اس نے ان کی شان میں اور بھی نہایت

Marfat.com

گستاخانہ اور نازیبا کلمات کہے۔ یہ سن کر حضرت مجدد الف ثانیؒ سخت برافروختہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور کہا کہ اگر اہل علم کی صحبت کا ذوق ہے تو علماء کی توہین سے باز رہو۔" جب آپ ناراض ہو کر جانے لگے تو ابوالفضل نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے معذرت کی لیکن آپ نے اس کی ایک نہ سنی اور گھر واپس چلے آئے۔ چونکہ ابوالفضل آپ کی دینی استقامت اور تبحر علمی کا قدرداں تھا۔ اس لئے اپنے بلند عہدۂ شاہی کی پروانہ کرتے ہوئے دوسرے روز آپ کی قیام گاہ پر پہنچا اور بار دیگر اپنی غلطی پر اظہار ندامت کیا۔ یہ واقعہ ابوالفضل کی اخلاقی بلندی، کسر نفسی اور علمائے حق کی قدردانی کی دلیل ہے۔ اس کے بعد ان دونوں حضرات میں صلح وصفائی ہوگئی۔ اور حسب سابق آمد ورفت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

روضۃ القیومیہ کے مؤلف جو حضرت مجددؒ سے خاندانی تعلق رکھتے تھے۔ اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ میں نے اپنے والد بزرگوار سے سنا کہ ایک بار ماہ رمضان کی انیسویں تاریخ کو آسمان ابر آلود تھا۔ اکبر بادشاہ کے سوا کسی نے چاند نہیں دیکھا تھا۔ اس نے دوسرے روز عید منانے کا اعلان کر دیا۔ آگرہ کے تمام مسلمانوں نے عید منائی۔ لیکن حضرت مجددؒ نے رویت ہلال کی مستند ومصدقہ خبر نہ ملنے پر احتیاطا کچھ خورد نوش نہیں کیا اسی روز آپ نے ابوالفضل سے ملاقات کی اس نے کہا آپ کے چہرے سے روزے کے آثار عیاں ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ "واقعی میں روزے سے ہوں۔" ابوالفضل نے کہا "بادشاہ نے خود چاند دیکھا۔ اور آج عید منانے کا اعلان کیا۔ آپ نے فرمایا "اگر واقعی بادشاہ نے چاند دیکھا تھا۔ تو پھر ایک فرد واحد کی شہادت کو شریعت تسلیم نہیں کرتی۔ اس کے علاوہ بادشاہ کی گواہی غیر معتبر ہے کیونکہ وہ دین سے منحرف ہو گیا ہے۔ ابوالفضل نے کہا "قاضی" کا علم کافی ہے۔ آپ نے فرمایا قاضی کا علم معاملات میں کفایت کرتا ہے، نہ کہ عبادات میں۔ آخر میں ابوالفضل نے کہا ان شکوک کو جانے دیجئے۔ آج عید ہے۔ افطار کر

Marfat.com

لیجئے۔'' چنانچہ پانی کا پیالہ منگا کر آپ کے ہونٹوں کے قریب لے گیا۔ آپ نے پیالے کو جھٹکا دیا۔ جس سے سار پانی اس کے کپڑے پر گر پڑا چونکہ وہ وزیر اعظم تھا۔ اس لئے کپڑوں کے بھیگ جانے سے بہت ناراض ہوا لیکن زبان سے کچھ نہ کہا۔ اتنے میں بہت شخصوں نے آ کر چاند دیکھنے کی گواہی دی۔ آپ نے خود ہی اٹھکر پانی کا پیالہ پی لیا۔ اور روزہ افطار کیا۔

روضۃ القیومیہ میں لکھا ہے کہ چند روز کے بعد ابوالفضل اور حضرت مجددؒ میں پھر ملاقات کا اتفاق ہوا تو اس نے دوبارہ فلسفیوں کی تعریف اور علمائے متکلمین کی توہین شروع کی اور کہا کہ خرق والقیام کے عدم کے سبب آسمان سے فرشتے نازل نہیں ہو سکتے۔ حضرت مجددؒ نے عقلی ونقلی دلائل سے ثابت کر دیا کہ فلسفیوں نے تسلیم کیا ہے کہ بے خرق والقیام فرشتہ نازل ہوسکتا ہے کیونکہ فلاسفہ وحکماء فرشتے کو مادہ سے پاک مجردات میں شمار کرتے ہیں۔ اوران کے جسم کو لطیف سمجھتے ہیں۔ اور متکلمین ان کے جسم کو نوری سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان دونوں صورتوں میں آسمانوں سے نازل ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوسکتی چنانچہ وہ آسمانوں سے اس طرح گذر آتے ہیں۔ جس طرح انسانی نظر عینک میں سے پار ہو کر دیکھتی ہے یا روشنی شیشے میں سے گذر کر باہر آتی ہے۔ ابوالفضل نے کہا کہ ممکن ہے کہ فرشتہ نزول کرے۔ لیکن یہ کیونکر معلوم ہوا کہ ایک مقررہ شخص پر فرشتہ اترتا ہے اور اشارہ حضرت ختم النبین ﷺ کی طرف کیا جن پر حضرت جبرئیلؑ اترتے تھے۔ حضرت مجددؒ نے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ ابونصر فاریابی اور ابی سینا حکیم تھے؟ اس نے جواب دیا کہ ان کی لکھی ہوئی کتابیں اور ان کے علوم ان کی حکمت وفلسفہ پر دلالت کرتے ہیں۔'' حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ بس اسی طرح قرآن اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نبی تھے، اور فرشتہ حضرت جبرئیلؑ ان پر اترتے تھے۔ یہ سن کر ابوالفضل لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا۔

Marfat.com

حضرت مجدد ؒ نہایت قہر وغضب سے الحب للہ والبغض للہ کہکر اس کی مجلس سے اُٹھ کر چلے آئے۔ اوراس کی آشنائی ہمیشہ کیلئے ترک کردی۔ وہ کئی بار آپ کو منانے کے لیے آپ کی قیام گاہ پر حاضر ہوا۔ لیکن آپ اس کے انکار نبوت سے ایسے ناراض ہوئے کہ اسے سلام بھی نہیں کیا۔ یہ غالباً حضرت مجدد ؒ کی ابوالفضل سے آخری ملاقات تھی اس مناظرہ کے بعد آپ نے عربی میں ایک رسالہ ''اثبات نبوت'' تحریر فرمایا جس میں مختلف دلیلوں سے حضرت محمد ﷺ کی تصدیق کی۔ حضرت شاہ ابوالحسن زید فاروقی نے جو خانوادۂ نقش بندیہ مجددیہ کے سلسلہ الذہب کی ایک سنہری کڑی ہیں۔ اپنی کتاب ''حضرت مجدد اوران کے ناقدین'' میں اثبات نبوت کے ایک جزو کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ جس کا اقتباس درج ذیل ہے۔

''اس زمانہ میں یعنی عہد اکبری میں یہ بات میں نے دیکھی ہے کہ خود نبوت ہی کے متعلق اور پھر کسی فرد واحد کے لیے نبوت کے اثبات کے سلسلہ میں لوگوں کے اعتقاد میں فتور چلا آیا ہے۔ خرابی اتنی بڑھ گئی کہ اسلام کے وہ علماء جو شریعت کی پیروی اور رسول اللہؐ کی فرمان برداری میں ثابت قدم تھے۔ قتل کردیئے گئے اور یہ حالت ہوگئی ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے مکرم نام کو چھوڑا جارہا ہے۔ جس کا نام آپ ﷺ کے مبارک نام پر ہوتا ہے، اس کو بدل دیتے ہیں۔ ذبح بقر سے روکا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ ہندوستان میں اسلام کے بڑے شعائر میں سے ہے۔ مسجدوں اور مقبروں کو توڑا جارہا ہے۔ کافروں کے معابد اوران کے رسم ورواج کی تعظیم کی جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ اسلام کے شعائر واعلام کو مٹا کر کافروں کے رسوم ان کے باطل ادیان کو رائج کیا جارہا ہے تاکہ اسلام کا نشان تک مٹ جائے۔ میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ شک اور انکار کا دائرہ پھیلتا جارہا ہے۔ خود اطباء (علماء) بیمار ہو چکے ہیں۔ (ان میں خرابی پیدا ہوگئی ہے) اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہلاکت تک پہنچ گئی ہے۔ میں نے

Marfat.com

ایک ایک کے عقائد کوٹٹولا ہے۔ان سے ان کے شبہات دریافت کئے ہیں۔ان کے دلی خیالات اور اعتقادات کی جانچ پڑتال کی ہے۔تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ ساری خرابی کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک عہد سے یہ زمانہ دور جاپڑا ہے۔اور حکمائے ہند جنھوں نے فلسفہ اور کافروں کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور جن کو فضل وفضیلت کا دعویٰ ہے۔(ابوالفضل کی طرف اشارہ کیا ہے) ان لوگوں نے خلق خدا کو گمراہ کیا ہے، اور تحقق اصل نبوت اور شخص معین کے لیے اس کے ثبوت کے سلسلہ میں خود بھی بھٹکے ہیں، اور دوسروں کو بھی بھٹکایا ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ حکمت ومصلحت اور مخلوق کی ظاہری حالت کو سنوارنا اور ان کو لڑائی جھگڑے اور خواہشات نفسانیہ کے انہاک سے روکنا ہی حاصل نبوت ہے۔

ابوالفضل سے حضرت مجددؒ کے مناظرہ کو ابھی زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ اکبر کے حکم سے ابوالفضل کو دکن کی مہم پر بھیجا گیا۔لیکن جب شاہزادہ سلیم نے بغاوت کی تو ۴۷ ویں سنہ جلوس میں اسے دکن سے واپس آنے کا حکم دیا گیا۔واپسی میں اس سے ایک مجذوب نے کہا کہ راہ میں تیری جان کو خطرہ ہے اپنے ہمراہ زیادہ محافظوں کو لیکر جا، لیکن اس نے اس کی بات کی پروانہیں کی اور تھوڑے سے سپاہیوں کا دستہ لیکر روانہ ہوا۔ادھر سلیم نے نرسنگھ دیو کو پانچ سو سواروں کے ساتھ راہ میں ابوالفضل کو قتل کرنے کے لیے تعینات کر دیا تھا۔جس نے اسے دیکھتے ہی گھیر کر قتل کر دیا۔ان کے دھڑ کو وہیں دفن کر دیا گیا۔اور اس کے سر کو سلیم کے پاس بھیج دیا جس نے اسے غلیظ نابدان میں پھینک دیا۔شہزادہ سلیم جو تخت نشینی کے بعد جہانگیر کے لقب سے مشہور ہوا۔اپنی تزک جہانگیری میں لکھتا ہے ابوالفضل نے میرے والد کو یہ ذہن نشین کرادیا تھا کہ جناب ختمی پناہ حضرت محمد ﷺ میں بڑی فصاحت تھی۔قرآن ان ہی کا کلام ہے۔اس لیے جب وہ دکن سے آرہا تھا۔تو میں نے نرسنگھ دیو کو کہا کہ اسے قتل کر دے۔اس کے بعد میرے والد اس عقیدے سے باز گئے''۔ مآثر الامرا اور تزک

Marfat.com

جہانگیری کے انگریزی ترجمے میں جو میجر ڈیویڈ پرائس نے کیا ہے اس واقعہ کا تذکرہ ملتا ہے۔ برصغیر ہندو پاک کے عظیم محقق و مورخ جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے بھی بزم تیموریہ میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔اور میجر ڈیویڈ پرائس کے انگریزی ترجمے کا حوالہ دیا ہے۔

روضۃ القیومیہ میں لکھا ہے کہ ابوالفضل کے قتل کے بعد خان اعظم نے اس کی وفات کی تاریخ یوں لکھی ہے۔

تیغ اعجاز رسول اللہ سر غی برید

۱۰۱۱ھ مطابق ۱۶۰۲ء

اس مصرع تاریخ سے بھی انکار نبوت کی پاداش میں ابوالفضل کے قتل ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔

Marfat.com

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ

اور ٹیپو شہیدؒ

از: جناب شمیم طارق صاحب

اسلام کی نشر واشاعت اور مسلم معاشرہ کے استحکام میں جن قوتوں کو کلیدی حیثیت یا مرکزیت حاصل ہے، ان میں اہم ترین قوتیں تین ہیں:

(۱) علمی قوت

جو علمائے حق کی تلاش و جستجو، عقیدہ و عمل اور دعوت و عزیمت کی رہین منت ہے۔

(۲) روحانی قوت

جو سالکانِ راہِ نبوتؐ کے دم قدم سے وابستہ ہے۔

(۳) دفاعی قوت

جو سلاطین و امراء کی خدا پرستی و خدا ترسی، قبول حق کی استطاعت اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ میں دین فطرت کی ہمہ گیر تعلیمات کے نفاذ کی قوت و کوشش سے متعلق ہے۔

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ جب کبھی ان تینوں قوتوں میں سے کسی ایک میں بھی کوئی خرابی پیدا ہوئی یا ان کے باہمی ربط و تعلق میں فرق پیدا ہوا ہے تو مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں فساد و زوال کی کیفیت پیدا ہوئی ہے اور اس زوال و فساد کے سدباب کے لیے جو

Marfat.com

برگزیدہ شخصیتیں کوہ استقامت بن کر سامنے آئی ہیں وہ تمام شخصیتیں مثلاً جگر گوشۂ رسولؐ شہید اعظم سیدنا امام حسینؓ، امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام احمدؒ بن حنبل، امام غزالیؒ، امام ربانی مجدد الف ثانیؒ امام انقلاب شاہ ولی اللہؒ وغیرہ روحانی اور علمی دونوں قوتوں کی حامل رہی ہیں اور ان تمام برگزیدہ شخصیتوں نے ظالم اور گمراہ حکمرانوں کے خلاف جہاد کرنے یا دفاعی قوت کوراہ راست پر لانے کی کوششوں کے ساتھ علمی اور روحانی قوتوں کو بھی اپنے حقیقی منصب سے نیچے گرنے یا بے لگام ہونے سے بچایا ہے۔

اکبر کے دور کے ہندوستان میں جب دفاعی قوت اسلام کی پامالی کا نشان اور کفر کی پاسبان ونگہبان بن گئی تھی۔ علمائے سوتن آسانی وشکم پروری کو اپنا مقصد حیات سمجھنے لگے تھے اور روحانی قوت کے علم بردار صوفیہ اپنا اور دوسروں کا تزکیۂ نفس کرنے کے بجائے خود نفس پرستی کے موذی مرض میں مبتلا تھے، اس دور میں امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی شخصیت اور تحریک دعوت وعزیمت نے پہلے تو علمی، روحانی اور دفاعی یعنی بیک وقت تینوں قوتوں کی خرابیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے یہ بتایا کہ علماء، صوفیہ اور بادشاہ وقت اور اس کے امراء ذلت وگمراہی کے کتنے گہرے غار میں گر چکے ہیں۔

(الف) ''بعض نیم ملاؤں نے طمع کے ہاتھوں مجبور ہو کر جوان کے خبث باطن کے سبب ہے، امراء وسلاطین کا تقرب حاصل کر لیا ہے اور ان سب نے جی حضور بن کر دین متین میں شکوک وشبہات پیدا کر دیے۔ ہیں اور اس طرح سادہ لوح حضرات کو گمراہ کر رہے ہیں''۔[1]

(ب) ''جس طرح لوگوں کی نجات علماء کے وجود سے وابستہ ہے۔ اسی طرح ان کی بربادی کا سبب بھی یہی علماء ہیں۔ علماء بہترین مخلوق بھی ہیں اور بدترین مخلوق بھی۔ لوگوں کا ہدایت یا گمراہی کی طرف گامزن ہونا بھی علماء ہی کے وجود سے

Marfat.com

وابستہ ہے۔

کسی بزرگ نے ابلیس لعین کو اضلال و تضلیل کے کاموں سے فارغ بیٹھا دیکھا اور اس فراغت کا راز معلوم کیا تو ابلیس نے جواب دیا کہ میری جگہ اس وقت کے علماء میرا کام کر رہے ہیں۔ پس گمراہ کرنے کے لیے وہ کافی ہیں۔[2]

علماء کا یہ حال تھا تو صوفیہ کیوں پیچھے رہتے؟ انہوں نے کشف و کرامت کے جھوٹے دعوؤں سے مزید غضب ڈھائے اور عوام و خواص میں یہ فاسد گمان پھیلانا شروع کر دیا کہ چونکہ انہیں معرفت حاصل ہو چکی ہے اس لیے اب وہ احکام شریعت کے مکلّف نہیں رہے، شیخ بدیع الدینؒ کے نام اپنے ایک مکتوب میں حضرت امام ربانیؒ نے ان ملحدوں کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے:

> ''......اکثر خام صوفی اور بے سرومان اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ اپنی گردنوں کو شریعت مطہرہ کی اطاعت سے باہر نکال لیں اور شرعی احکام کو عوام الناس ہی کے ساتھ مخصوص رکھیں۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ خواص صرف معرفت ہی کے مکلّف ہیں جیسا کہ وہ اپنی جہالت کے باعث امیروں اور بادشاہوں کو عدل و انصاف کے سوا کسی اور چیز کا مکلّف قرار نہیں دیتے اور وہ کہتے ہیں کہ احکام شرعیہ بجا لانے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ معرفت حاصل ہو جائے اور جب معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو شرعی تکلیفات ساقط ہو جاتی ہیں''[3]

یہی نہیں دور اکبری میں بعض ایسے افراد بھی پیدا ہو گئے تھے جو خود کو صوفی کہتے تھے مگر اس وحی الٰہی کی پیروی سے علی الاعلان انکار کرتے تھے جس پر بندوں کی ہدایت کا دارومدار ہے۔ ان ''منکرین نبوت'' صوفیہ کا جو اہل ہند کے عقیدے کی طرح اوتار ہونے

Marfat.com

کے مدعی تھے، امام ربانی مجدد الف ثانی نے سید مرتضٰی بخاریؒ کے نام ایک مکتوب میں یوں ذکر کیا ہے:

''اگر چہ یہ منکرین نبوت بھی خدا کو ایک کہتے ہیں، لیکن ان کا حال دو صورتوں سے خالی نہیں۔ یا تو اہل اسلام کی تقلید میں وہ ایسا کہتے ہیں یا واجب الوجود ہونے میں تو اسی ایک ذات کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن استحقاق عبادت میں اسے وحدہٗ لاشریک نہیں مانتے جب کہ اہل اسلام کے نزدیک وجوب وجود اور استحقاق عبادت دونوں امور میں اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے۔ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ سے باطل معبودوں کی عبادت کی نفی اور حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ کی معبودیت کا اثبات ہوتا ہے۔ دوسری بات جوان بزرگوں (انبیائے کرام) کے ساتھ خاص ہے وہ یہ ہے کہ یہ حضرات دوسرے لوگوں کی طرح خود کو بشر ہی کہتے ہیں اور الہ اور معبود، حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہی کو قرار دیتے ہیں اور سب کو اسی ذات کے آگے جھکنے کی دعوت دیتے ہیں اور اس کی ذات کو حلول واتحاد سے منزہ مانتے اور منواتے ہیں۔

لیکن منکرین نبوت کی یہ حالت نہیں ہے کیونکہ ان کے سرداروں نے تو الوہیت کا دعویٰ کیا ہے اور حق سبحانہ وتعالیٰ کا اپنے اندر حلول بتاتے ہیں اور استحقاق عبادت اور الوہیت کا اپنے لیے کھل کر دعویٰ کرنے سے نہیں بچتے ہیں تو یقیناً انہوں نے خدا کی بندگی سے قدم باہر نکال لیے ہیں اور افعال قبیحہ واعمال شنیعہ میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ اس طرح پر اباحت اشیاء کا راستہ کھل جاتا ہے اور بزعم خویش خدائی منصب پر

Marfat.com

فائز ہو کر وہ گمان کیے ہوئے ہیں کہ ان کے لیے کوئی چیز ممنوع نہیں ہے اور جو کچھ اس کے منہ سے نکلتا ہے وہ درست ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں سب ٹھیک ہے، مباح ہے۔ تو اس طرح وہ خود بھی گم کردہ منزل ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ تف ہے ان پر اور ان کے متبعین پر...... منکرین کے سردار اور رئیس جو خدائی کا دعویٰ کیے ہوئے ہیں، جو کچھ کہتے ہیں، اپنے پاس سے کہتے ہیں اور محض اپنے باطن زعم الوہیت کی بنا پر اسے درست قرار دیتے ہیں۔ تو انصاف سے کام لینا چاہیے۔ جو شخص کمال بے عقلی کے باعث اپنے آپ کو الٰہ سمجھے اور عبادت کا مستحق جانے اور اس فاسد گمان کے تحت ناشائستہ افعال کا مرتکب ہو، اس کی باتوں کا کہاں تک اعتبار کیا جا سکتا ہے اور اس کی پیروی میں کون سی بھلائی مل سکتی ہے۔''[۴]

علمی اور روحانی قوتوں کے گمراہ ہو جانے کے جو اثرات دفاعی قوت پر پڑ سکتے تھے، وہ بھی پڑے اور بالآخر اکبر جو بقول ملا عبدالقادر بدایونی بذات خود نفیس جوہر اور حق کا طالب تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی نرا جاہل بھی وہ شکم پرور علماء اور نفس پرور صوفیہ کے اس بہکاوے میں آ گیا کہ۔[۵]

(الف) ''عقل مند لوگ تمام مذاہب میں پائے جاتے ہیں اور ریاضتیں کرنے والے اور صاحبان کشف و کرامات بھی سب گروہوں میں موجود ہیں اور حقانیت سب میں پائی جاتی ہے۔ اس لیے حق و صداقت کو ایک ہی دین اور ایک ہی ملت میں کیوں منحصر کیا جائے اور وہ بھی اس مذہب میں جو بالکل نیا ہے اور جس کی عمر پوری

Marfat.com

ایک ہزار سال بھی نہیں۔ یہ کیا ضروری ہے کہ ایک کا اثبات کیا جائے اور دوسرے کی نفی۔ یہ ترجیح بلا مرجح کیوں"۔[6]

اور پھر اس کے بعد:

(ب) "جب اس (بادشاہ) نے بزعم خویش یہ خیال کر لیا کہ پیغمبر علیہ السلام کی بعثت کو ہزار سال گزر گئے ہیں جو بقائے اسلام کی موت تھی تو یہ دین بھی ختم ہو گیا ہے اور ان کے سامنے اب اپنے دل میں چھپے ہوئے ارادے کو ظاہر کرنے کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ رہی، کیونکہ ان علماء و مشائخ سے بساط علم بھی خالی ہو چکی تھی جن کا اثر ورسوخ تھا۔

ایسے افراد سے میدان خالی دیکھ کر بادشاہ نے خوب کھیل کھیلا۔ اسلامی احکام وارکان کا بطلان کیا۔ مہمل اور بے ہودہ قوانین ایسے جاری کئے کہ عقائد و نظریات کے فساد کا بازار خوب گرم ہو گیا"۔[7]

امام ربانی پیر طریقت تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کے ۹ لاکھ مرید اور پانچ لاکھ خلفاء تھے، وہ چاہتے تو اپنی خانقاہ میں اوراد و وظائف اور تلقین وارشار میں مصروف رہتے، دنیا ان کے پاؤں چومتی، شاہی عتاب نازل ہوتا نہ گوالیار کے قلعے کی تنگ و تاریک کوٹھری میں قید کئے جاتے، لیکن قدرت نے تو انہیں "منصب قیومیت" پر فائز کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لہٰذا انہوں نے جہاد و اجتہاد کے راہ کی مشکلات کو اپنا مقدر بنا لیا اور علماء، صوفیہ، امراء اور بادشاہ وقت کی گمراہیوں کی نشاندہی کے بعد ان سب کے خلاف جہاد شروع کیا۔

آپ بعثت نبوی ﷺ کے دوسرے ہزارے یا الف ثانی میں لاثانی مجاہد و مجتہد بن کر سامنے آئے اور مذہب کی حرکیت اور تصوف کی باطنی قوت کو دوبارہ مجتمع کر کے

Marfat.com

مسلمانوں کے عقیدہ وعمل میں در آنے والی بہت سی ناہمواریوں کو دور کیا۔ اکبر کی جاری کی ہوئی گمراہیوں کے سیلاب کا رُخ پھر گیا اور آپ نے ابتلاء و آزمائش کے بعد اپنی زندگی ہی میں اپنی دعوت وتحریک کی کامیابی ملاحظہ کی۔ جہانگیر نے اکبر کے ملحدانہ احکام منسوخ کر کے اسلامی احکام نافذ کیے اور بالآخر وہی تخت شاہی جو اسلام اور مسلمانوں کے لیے سخت آزمائش اور قہر بنا ہوا تھا، آئندہ ان سعادت مند روحوں کا مسکن بن گیا جو اسلام سے مکمل وابستگی پر فخر کرنے والے تھے۔ ۸

یہ امام ربانی کی ہمت مردانہ اور جذبہ قلندرانہ کی کرامت نہیں تو کیا ہے کہ دفاعی قوت جوان کے بقول روح کی مانند ہے اور جس کا راہ راست پر رہنا تمام رعایا کے راہ راست پر رہنے کے مترادف ہے۔ نہ صرف صراط مستقیم سے رشتہ جوڑنے میں کامیاب ہوئی بلکہ اس کی بگاڑی ہوئی روحانی اور علمی قوتوں کے علم برداروں میں بھی توبہ کی تحریک پیدا ہوئی۔ اس کرامت کا نقطہ عروج اورنگ زیب عالم گیر تھے۔ شیخ محمد اکرام نے بہت صحیح لکھا ہے کہ:

> ''یہ حقیقت قابل توجہ ہے کہ قریباً وہ تمام اقدامات جو اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی سے متعلق تھے حضرت مجددؒ نے اپنے مکتوبات میں ان سب اقدامات کی پُر زور تبلیغ وتلقین فرمائی تھی۔'' ۹

لیکن یہاں ان حقائق کا اظہار اور ان پر اصرار بہت ضروری ہے کہ

''حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی نگارشات وتعلیمات اور دعوت وتحریک کے ہمہ گیر اثرات جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب یا ان کے عہد کے علماء صوفیہ اور امراء تک محدود نہیں رہے بلکہ آنے والی چار صدیوں میں پیدا ہونے والے امراء، علماء اور صوفیہ بھی ان سے متاثر ہوئے نیز

Marfat.com

آپ کی دعوت وتحریک کے عالمگیر اثرات افغانستان، وسط ایشیاء، سلطنت عثمانیہ اور مشرق میں ملیشیاء اور انڈونیشیا تک پھیل گئے۔''[10]

ہندوستان میں اورنگ زیب عالم گیرؒ کے بعد جس شخص یا حکمراں پر حضرت امام ربانی کی تعلیمات ونگارشات کے سب سے زیادہ اثرات مرتب ہوئے، وہ سلطان محمود ٹیپو شہیدؒ ہیں۔ Wellesley Papers سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ احیائے اسلام کے حامیوں میں تھے اور اکثر امام ربانی کے مکتوبات ونگارشات کے حوالے دیا کرتے تھے لیکن حیرت ہے کہ کسی ہندوستانی دانشور، مورخ یا عالم نے اس تعلق پر کوئی روشنی نہیں ڈالی ہے۔

اقبال جو ''امام ربانیؒ کو ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان سمجھتے تھے اور جنہیں اللہ نے بروقت خبردار کیا تھا۔'' البتہ اورنگ زیب اور ٹیپو شہیدؒ دونوں ان کے مداح تھے، لیکن چونکہ خود فکر اقبال پر تعلیمات مجددیہ کے اثرات کا ابھی کماحقہٗ جائزہ نہیں لیا جاسکا ہے اس لیے ان کی ان ''عبقری اور اسلامی تعلیمات کی حقیقی روح کو اپنے کردار وعمل میں ڈھال لینے کی کوشش کرنے والے حکمرانوں سے قلبی، روحانی وابستگی کو بھی نہیں سمجھا جاسکا ہے۔ علامہ اقبال جنہوں نے اورنگ زیب عالم گیرؒ کے فقر واستغنا اور شجاعت وحق پرستی سے اظہار عقیدت کرتے ہوئے یہاں تک کہا ہے کہ

حق گزید از ہند عالمگیر را　　آں فقیر صاحب شمشیر را

اور جنہوں نے ٹیپو شہیدؒ کے جاہ وجلال اور ان کی قبر پر طاری ہونے والی کیفیت پر یہ کہہ کر قلب ونگاہ نثار کیے ہیں کہ

نامش از خورشید ومہ تابندہ تر　　خاک قبرش از من و تو زندہ تر

ان دونوں شخصیتوں میں تعلیمات مجددیہ ہی کے عکس دیکھتے تھے اور اس لیے ان کے مداح تھے اور ان کے ذکر سے قلبی سکون محسوس کرتے تھے۔

Marfat.com

اورنگ زیب پر تعلیمات مجددیہ اور خانوادۂ امام ربانی کے اثرات کی نشاندہی تو علماء اور مورخین کرتے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر شیخ محمد اکرام کی تحقیقی رائے پہلے ہی نقل کی جا چکی ہے۔ دوسرے مورخین نے بھی وضاحت کی ہے کہ دور جہانگیری لکھتے وقت اگر مغل سیاست پر حضرت مجدد کے اثرات کا ذکر نہ کیا جائے تو اس دور کی سیاست کا مطالعہ مکمل نہیں ہوگا۔

اب مفکر اسلام حضرت مولانا ؟ علی حسنی کی نشاندہی پر سید حیدر علی ٹونکی کے مخطوطۂ وقائع احمدی، کے حوالے سے یہ انکشاف پایۂ تحقیق کو پہنچ چکا ہے کہ ٹیپو شہیدؒ کے حضرت شاہ ابوسعیدؒ اور حضرت شاہ ابواللیث سے روحانی تعلقات تھے اور نہ صرف ٹیپو شہیدؒ بلکہ ان کا پورا خانوادہ شاہ ابواللیث سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت تھا اس سے Wellesley Papers کے مندرجات کی بھی تصدیق ہو جاتی ہے۔

مجددیہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ ہی کی ایک شاخ ہے اور شاہ ابوسعیدؒ اور شاہ ابواللیث عظیم مجاہد و بزرگ سید احمد شہیدؒ کے نانا اور ماموں تھے۔ اس پورے حسنی خانوادہ پر جس کے ایک نہایت روشن بلکہ آندھیوں میں بھی جلتے رہنے والے روشن چراغ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی تھے، تعلیمات مجددیہ کے اثرات کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔

اسی نسبت کا اثر تھا کہ جب ۱۸۲۲ء میں سید احمد شہیدؒ حج کو جاتے ہوئے کلکتہ میں رکے تو بیگم ٹیپو شہیدؒ نے جنہیں علم تھا کہ اس کے خسر اور شوہر مولانا ابواللیثؒ سے بیعت تھے۔ ان کے خاندان سے متعلق معلومات کر کے خود بھی ان سے بیعت کی اور اپنی تمام شہزادوں اور اکلوتی بیٹی سے بھی بیعت کروائی۔[11]

یہ تمام انکشافات اور قیمتی معلومات ٹیپو شہیدؒ کی شخصیت، عقیدہ و عمل اور اصول حکمرانی پر امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے اثرات کے گواہ ہیں، اس کے باوجود یہ ضروری

Marfat.com

محسوس ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کے جہاد و اجتہاد کا جامع تعارف کراتے ہوئے ٹیپو سلطان کے عقیدہ وعمل سے ان کا تقابل کیا جائے۔ اس تقابل کے بعد ہی یہ حقیقت پورے طور پر واضح ہو سکے گی کہ ٹیپو شہیدؒ امام ربانیؒ سے کیوں اور کس حد تک متاثر تھے اور اس تاثر کے سلطان کی شخصیت واصول حکمرانی کے علاوہ سلطنت خداداد پر کیا اثرات مرتب ہوئے تھے؟

حضرت مجدد الف ثانیؒ ۱۵۶۳ء میں پنجاب کے ایک شہر سرہند میں پیدا ہوئے اور مغل شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کی تاجپوشی بھی پنجاب ہی کے ایک مقام کلانور ضلع گرداس پور میں ہوئی، یعنی اس دنیائے فانی میں آپ کی تشریف آوری اس ریاست میں اس وقت ہوئی، جب ہندوستان کی عنان حکومت سنبھالنے والے اس شخص کی پیدائش ہو چکی تھی جو دین اسلام کو منسوخ کر کے دین الٰہی کے نام سے ایک نیا مذہب ایجاد کرنے والا تھا۔ گویا تاریکیوں سے صبح کی سپیدی نمودار کرنے والے مالک و خالق نے آپ کو دنیا میں بھیجا ہی اس لیے تھا کہ آپ کے طفیل اکبر اور اس کی ہمنوائی کرنے والے گمراہ عالموں اور صوفیوں کی پھیلائی ہوئی جہل وضلالت کی تاریکیوں کا خاتمہ ہو سکے۔

آپ کا اسم گرامی احمد کنیت ابوالبرکات، القاب، بدرالدین، امام ربانی، مجدد الف ثانی اور قیوم زماں ہے، مذہباً حنفی، نسباً فاروقی ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب ۲۷ واسطوں سے امیر المومنین، مراد پیمبر، خلیفہ برحق حضرت عمر فاروقؓ سے جا ملتا ہے اور طریقت میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں ۲۱ واسطوں سے، سلسلہ عالیہ قادریہ میں ۲۵ واسطوں سے سلسلہ عالیہ چشتیہ میں ۲۷ واسطوں سے اور سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں ۲۳ واسطوں سے پیغمبر اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

اکبر (۱۵/اکتوبر ۱۵۴۲ء) نے ۵۰ برس تک پورے جاہ وجلال کے ساتھ حکومت کی اور حضرت مجدد الف ثانیؒ (۱۵۶۳ء سے ۱۶۲۴ء) نے اپنی ۶۳ برس کی عمر میں سے پہلے

Marfat.com

۴۳ برس اکبری دور میں گزارے اور آخری ۲۰ برس عہد جہانگیری میں۔

عہد اکبری کو محض اکبر کے عقیدہ و عمل تک رسائی میں آسانی کے لیے تین دور میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ پہلا دور ۱۵۵۶ء تا ۱۵۷۵ء

۲۔ دوسرا دور ۱۵۷۶ء تا ۱۵۷۸ء

۳۔ تیسرا دور ۱۵۷۹ء تا ۱۶۰۵ء

پہلے دور میں جب اکبر نوعمری میں اپنے اتالیق بیرم خاں کی سرپرستی میں تخت و تاج کا مالک بنا، ایک مخلص مسلمان تھا۔

دوسرے دور میں فتح پور سیکری میں عبادت خانے کی تعمیر، علماء میں مباحثے، ارباب عقل کے عروج اور عیسائی پادریوں کے عمل دخل سے اس کے عقیدہ و عمل میں خلل پڑنا شروع ہوا۔

تیسرا دور دوسرے دور کا نقطہ انجام بن کر سامنے آیا۔ کلمہ طیبہ میں 'محمد رسول اللہ' کے بجائے 'اکبر خلیفۃ اللہ' پڑھا جانے لگا۔ عربی مدارس مسمار کر دیئے گئے۔ عالم و عامی بادشاہ کو سجدہ کرنے لگے اور خنزیر اور کتوں کا احترام کیا جانے لگا۔

یہ وہ دور تھا جب اسلام اور مسلمان دونوں کا وجود داؤ پر لگا ہوا تھا اور علماء و صوفیہ دونوں بجائے دین حق پر قربان ہونے کے دین حق کو اپنے مفادات پر قربان کر رہے تھے اور اکبر جس کو تاریخ میں صلح جو اور روادار بادشاہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے حقیقت میں اتنا ظالم اور عدم روادار تھا کہ ذرا ذرا سی باتوں پر اپنے مخالفین کو اپنے ہاتھوں سے زہر دے کر تڑپا تڑپا کر مار دیا کرتا تھا۔۱۲

ایسے صبر آزما دور میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جس طرح اسلام کی سربلندی

Marfat.com

کے لیے اپنی جان، مال اور آل واولاد کی بازی لگا کر بادشاہ وقت کے خلاف نعرۂ حق بلند کیا اور اس نعرۂ حق اور تبلیغ وارشاد کے اکبر کے بیٹے اور دیگر شاہان مغلیہ پر جو اثرات مرتب ہوئے وہ اس حقیقت کے گواہ ہیں کہ آپ بعثت نبویؐ کے الف ثانی کے لیے مجدد بنا کر بھیجے گئے تھے۔

آپ نے حکومت وقت (اکبر) کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کو دور کرنے کے لیے جہاد شروع کیا۔ کفر واسلام کو دو الگ الگ حقیقتوں سے تعبیر کیا اور اس سلسلہ میں حکومت و معاشرہ کے بااثر لوگوں کو مکتوبات ۱۳ تحریر کئے اور بالآخر دور جہانگیری میں آپ کی کوششیں بارآور ہوئیں اور بادشاہ نے امور سیاست و مذہب میں مشورہ کے لیے علماء کا ایک کمیشن ۱۴ مقرر کرنے کا فیصلہ کیا۔

علمائے سو کے اقتدار اور ان کی شعوری کوششوں سے عوام وخواص گمراہ ہورہے تھے، آپ نے اپنے علمی مکالمات اور مکتوبات کے ذریعے انہیں آشنائے شریعت کیا۔ ۱۵

نظریۂ وحدت الوجود کی غلط تعبیر اور طریقت کی حقیقت سے بیشتر صوفیہ کی لاعلمی کے سبب اس راہ سے گمرہی کا جو سیلاب اُمڈ رہا تھا آپ نے اس پر روک لگائی اور نظریہ وحدۃ الشہود پیش کر کے طریقت کو شریعت کے تابع رکھنے پر اصرار کیا۔ ۱۶

زندگی کے کے جن شعبوں کو امام ربانی کے جہاد واجتہاد سے توانائی ملی ان میں

- ☆ سیاست وحکومت
- ☆ شریعت وطریقت
- ☆ معیشت ومعاشرت

سب شامل ہیں اور ان عظیم مقاصد کی تکمیل یا حصول کے لیے آپ نے جو طویل جدوجہد فرمائی اس کو مختلف ادوار میں یوں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

دور اکبری ۱۵۹۱ء تا ۱۶۰۵ء

دور جہانگیری ۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۴ء

اکبر کا آخری دور حکومت جو الحاد اور اسلام دشمنی کا نقطہ عروج ہے حضرت مجدد الف ثانی کی تبلیغی کوششوں کا نقطۂ آغاز ہے۔ دور جہانگیری میں آپ کی جدوجہد اور تیز ہو گئی جس کے نتیجے میں آپ کو ۱۶۱۸ء تا ۱۶۱۹ء قلعہ گوالیار میں قید کر دیا گیا۔

۱۶۱۹ء تا ۱۶۲۳ء آپ جہانگیر کے لشکر میں رہے۔ یہ دور آپ پر پابندی کا دور ہے۔

۱۶۲۳ء تا ۱۶۲۴ء زبان بندی کا دور ہے۔ اسی دور میں خانقاہ سرہند میں ۶ ماہ خلوت نشین رہنے کے بعد آپ نے ۱۶۲۴ء (۲۹ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ) میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ [۱۷]

لیکن جب آپ نے انتقال کیا، اس وقت تک آپ کے جہاد و اجتہاد کے نتیجے میں فضاء اتنی تبدیل ہو چکی تھی کہ مورخین کو لکھنا پڑا کہ

> ”جہانگیر کے دور حکومت میں شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانیؒ آگے آئے“۔

آپ کی مسلسل کوششوں سے تحریک احیائے دین کا آغاز ہوا اور اس کے نتیجے میں سیاسی سطح پر جو انقلاب انگیز تبدیلیاں ہوئیں وہ اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب عالمگیر کے درباروں کی بدلتی ہوئی فضا میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ [۱۸]

اکبر کے آخری دور میں آپ نے جس اسلامی اور تبلیغی بلکہ انقلابی مشن کا آغاز کیا تھا وہ دور جہانگیری میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ خصوصیت سے قلعہ گوالیار میں آپ کی نظر بندی نے آپ کے انقلابی مشن کو عوام و خواص اور حکومت وقت تک نہ صرف پہنچا دیا بلکہ مستحکم بنا دیا اور بالآخر اکبر کا خانہ زاد مذہب دین الٰہی، اپنی موت آپ مر گیا۔

Marfat.com

امام ربانیؒ پر بعض لوگوں نے الزامات بھی دھرے ہیں، لیکن چونکہ معاندین امام ربانی میں بیشتر حکومت وقت کے نمک خوار علمائے سو اور جاہل وعظ کار صوفیہ ہیں جن کے خلاف حضرت تاعمر جہاد کرتے رہے یا۔

منکرین قرآن حکیم اور دشمنان صحابہ جن کا مقصد زندگی ہی قرآن حکیم میں تحریف کرنا اور مکتب نبویؐ کے سنوارے ہوؤں اور بارگاہ خداوندی سے ''اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے''۔ کی سند پائے ہوؤں کو مشتبہ کرنے کی کوششوں میں خود کو روسیاہ کرنا یا۔

حسن خاں کابلی اور شیخ محمد صالح جیسے بدنیت اور دنیا دار لوگ جنہیں خوف تھا کہ حضرت امام کی بزرگی وحقانیت کا اعتراف کرنے سے خود ان کی حیثیت مشتبہ ہو جائے گی۔ اس لیے ان معاندین کے الزامات کی کوئی حیثیت ہے نہ حقیقت ۔ ان الزامات کو اس غلاظت سے نسبت دی جاسکتی ہے جو اپنے اچھالنے والے ہی کو غلیظ اور ناپاک بنا دیتی ہے۔

بعض جعلی عبارتوں سے جو حضرت مجددؒ سے شرارتاً منسوب کر دی گئی تھیں، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مغالطے میں آ گئے تھے۔ لیکن اس کے بعد رحمت حق نے ان کی دستگیری کی اور انہوں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو ایک خط لکھ کر خود ہی ان سے حقیقت حال کی وضاحت چاہی حضرت مجددؒ نے جب اصل عبارتیں ارسال کیں تو حضرت شیخ کی تسلی و تشفی ہو گئی اور انہوں نے اپنے فتوے سے رجوع کر لیا اور دونوں بزرگوں میں پھر پہلے ہی جیسی محبت واخوت پیدا ہو گئی۔ ۱۹

اکا دکا انگریزوں اور یہودیوں نے بھی مثلاً ہبریو یونیورسٹی یروشلم کے ڈاکٹر یوحنا فریڈمین نے حضرت مجددؒ پر نکتہ چینی کی ہے، لیکن ان کی نکتہ چینیوں کی کوئی حیثیت وحقیقت اس لیے نہیں ہے کہ ایک طرف تو انہوں نے پرانی باتوں کو جن کا بے اصل ہونا ثابت ہو چکا تھا، دہرایا ہے۔ دوسرے وہ حضرت مجددؒ کی نگارشات وتخلیقات کو سمجھنے اور ترجمہ کرنے یا

Marfat.com

ترجمے کی مدد سے انہیں سمجھنے سمجھانے سے قاصر رہے ہیں۔

علامہ اقبال نے اس سلسلہ میں بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ حضرت مجددؒ کی بیشتر نگارشات ایسی موہوب ہیں جن کا انگریزی ترجمہ ہو ہی نہیں سکتا اور انگریزی زبان اپنی وسعت و ہمہ گیری کے باوجود ایسے الفاظ سے خالی نظر آتی ہے جو افکار مجددیہ کی ترجمانی کرسکیں۔ یا۲۰

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تصنیفات میں اثبات النبوۃ، مبدأ و معاد، مکاشفات غیبیہ، رسالۂ مقصود الصالحین، رسالۂ تعین ولاتعین، رسالہ درمسئلہ وحدۃ الوجود، آداب المریدین، رسالۂ جذب وسلوک، رسالۂ علم حدیث اور ردالرفضہ جیسے کئی نام نقل ہوتے آئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کی شہرت میں سب سے نمایاں حصہ مکتوبات کا ہے۔

یہ مکتوبات تین جلدوں میں طبع ہو کر متعدد بار منظر عام پر آ چکے ہیں۔ انہیں علم و معرفت کا مکمل خزینہ اور اسرار و معارف کا بحرِ بے کراں کہا جا سکتا ہے۔ جملہ مکتوبات ۳۱۳+۹۹+۱۱۴+۱۰=۵۳۶ ہیں۔

دفتر اول کو آپ کے حکم سے مولانا یار محمد جدید بخشی طالقانی نے ۱۰۲۵ھ میں مرتب کیا اور مرسلین عظام، اصحاب بدر اور اصحاب طالوت کی تعداد کی رعایت سے اس میں ۳۱۳ مکتوبات ہیں۔ اس کا تاریخی نام درالمعرفت تجویز ہوا تھا۔ دوسرا دفتر اسمائے حسنیٰ کی تعداد کے مطابق ۹۹ مکتوبات پر مشتمل ہے۔ اس میں سے زیادہ تر مکتوبات اس وقت لکھے گئے تھے جب آپ قلعہ گوالیار میں قید و بند کی صعوبتیں اٹھاتے ہوئے زندان یوسفی اور شعب ابی طالب کی سنت ادا فرما رہے تھے۔ آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصومؒ کے حکم سے آپ کے خلیفہ مولانا عبدالحئی حصاری شادمانی نے یہ دفتر مرتب کیا۔ اس کا تاریخی نام 'نورالخلائق' ہے۔

Marfat.com

تیسرا دفتر آپ نے خود ہی مرتب فرمایا تھا۔ جب آپ شاہی لشکر کے ساتھ تھے۔ قرآن حکیم کی سورتوں کی تعداد کی رعایت سے اس میں ۱۱۴ مکتب ہیں تاریخی نام "معرفت الخلائق" ہے۔ بطور مرتب اس پر خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ کا نام درج ہے۔ اس میں دس مکتوب اضافی ہیں جن کے مضامین تو آپ کے ہیں، لیکن کتابت صاحبزادگان کی ہے۔

یہ مکتوبات آپ کے صاحب اسرار اور مقربِ بارگاہِ الٰہی ہونے کے تو گواہ ہیں ہی، انقلاب اسلامی کے بھی گواہ ہیں اور ان شخصیتوں کے مثلاً علماء، امراء، صوفیہ، قضات، سادات عظام یعنی ان لوگوں کے نام ہیں جو معاشرہ کا ضمیر ہوتے ہیں اور جن کے بننے بگڑنے پر ایک پورے معاشرے کے بننے بگڑنے کا انحصار ہوتا ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اور ٹیپو سلطان دونوں بزرگوں کی شخصیتوں، عہد اور تعلیمات ومجاہدات سے کماحقہ، واقفیت ہو تو اس حقیقت کے ادراک میں دیر نہیں لگتی کہ زمانہ اور زمین کے اختلاف کے باوجود عقیدہ وعمل میں یہ دونوں بزرگ ایک ہی سمت اور راہ کے راہی تھے۔ دونوں نے افرادی اجتماعی زندگی میں اتباع سنت نبوی ﷺ پر اصرار کیا تھا اور دونوں ہی کو اپنے زمانہ کے علماء، صوفیہ اور اربابِ اقتداء سے شدید تکلیفیں پہنچی تھیں۔

سلاطین عالم کو خطوط لکھنے کی سنت پر بھی امام ربانیؒ کے بعد جس شخصیت نے عمل کی سعادت پائی وہ ٹیپو شہیدؒ کی شخصیت تھی اور چونکہ ان کی روحانی تربیت میں شاہ ابواللیث اور شاہ ابوسعیدؒ کی توجہ نے خصوصی اثر دکھایا تھا جو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مرشد برحق اور برگزیدہ امام و پیر تھے، نیز ٹیپو شہیدؒ بذات خود بھی امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے ارشادات وتعلیمات سے استفادہ کرتے رہتے تھے جیسا کہ Uellesley Papers سے ظاہر ہے۔ اس لیے اس حقیقت کو تسلیم کر لینے میں کوئی تامل یا عذر نہیں ہونا چاہیے کہ ٹیپو سلطان کے جذبہ جہاد واجتہاد کو امام ربانی ہی کے عقیدہ وعمل نے جلاء بخشی تھی۔

Marfat.com

ٹیپو سلطانؒ نے ملکی اور ملی امور میں تمام خرابیوں کا واحد علاج ''خیر القرون'' کی طرف واپسی کو سمجھا۔ فتح المجاہدین، موید المجاہدین جیسی کتابوں سے جن کی تصنیف و تدوین سلطان کے حکم سے انہی کی نگرانی میں ہوئی تھی، ظاہر ہے کہ سلطان کی نگاہ میں اسلام و آزادی دو الگ الگ چیزیں نہیں تھیں اور مسلمانوں کے درمیان افتراق و انتشار کو وہ مسلمانوں میں جذبۂ جہاد کو عام کر کے اور انہیں حقیقی اسلامی تعلیمات کا مخلص پیرو بنا کر دور کرنا چاہتے تھے اور اس کے لیے آپ نے ہر سطح پر موثر تدابیر اختیار کی تھیں۔

راحت طلبی اور خانہ جنگی کے علاوہ جن برائیوں نے ملت کی صفوں کو سیسہ پلائی دیوار کی بجائے کرم خوردہ بنا کر رکھا تھا وہ زندگی کے ہر شعبہ میں غیر اسلامی رسوم کی پیروی تھی۔ ٹیپو سلطانؒ نے ''جلوہ نامہ'' جیسی کتابیں مرتب کروا کر عبادات و معاملات میں غیر اسلامی رسوم کی بیخ کنی کے علاوہ شادی بیاہ وغیرہ میں بھی غیر اسلامی رسوم کی بیخ کنی کرنے اور مسلم عورتوں اور گھرانوں کو ان کی تباہ کاریوں سے نجات دلانے کی کوششیں کیں۔

سلطان نے دین خالص کی تعلیمات کو عام کرنے کی کوششوں میں ایک طرف تو سلطنت خداداد کے عالموں اور قلعہ داروں کو لکھا کہ حضور اکرم ﷺ نے جو احکامات جاری کئے تھے لیکن بعد کے بادشاہوں اور حکمرانوں نے جن کی پابندی سے انحراف کیا تھا۔ انہیں دوبارہ دستخط اور مہر کے ساتھ جاری کیا جارہا ہے تاکہ ماتحتوں کو ان احکام کا پابند بنایا جاسکے۔

☆ ان لوگوں پر پابندی عائد کی جو پیری مریدی کی حقیقت نہ سمجھنے اور طریقت کے مطلوبہ معیار پر پورا نہ اترنے کے باوجود پیری مریدی کر رہے تھے یا اس کو پیشہ اور ذریعۂ آمدنی بنائے ہوئے تھے۔

☆ محرم کی رسوم مثلاً شیر، ریچھ، بندر وغیرہ کے سوانگ بھرنے پر پابندیاں عائد کیں۔

Marfat.com

☆ حسب نسب پر بے جا غرور کرنے یا حسب نسب کو "برادری داد" کی سطح پر پہنچا دینے والوں کی حوصلہ شکنی کی۔[21]

☆ مسلمانوں کے مذہبی امور اور تقویٰ وعمل کی نگرانی کے لیے قاضی اور علماء مقرر کئے۔

☆ سجدۂ تعظیمی کو ممنوع قرار دیا۔

☆ تنگ دستی کے سبب شادی نہ کر سکنے والوں کی شاہی خرچ پر شادی کرانے کے ساتھ ناجائز اولاد کا باعزت گھرانوں سے رشتہ غیر قانونی قرار دیا۔

☆ مسلمان سپاہیوں کو نماز باجماعت کا پابند بنایا۔

☆ مسجدیں تعمیر کرائیں اور ان میں موذن اور امام مقرر فرمانے کے ساتھ ہی مسجدوں کے ساتھ مدرسے قائم کر کے ان میں اساتذہ بھی مقرر کئے۔

☆ دوسری طرف وطنی اور ملکی امور میں اصلاحات کرتے ہوئے۔

☆ قابل کاشت زمینوں کو پالیگاروں اور زمینداروں کی ملکیت قرار دینے کے بجائے کاشتکار کی ملکیت قرار دی اور احکام جاری کئے کہ کاشتکاروں کو ان کی زمینوں سے کسی بھی صورت میں بے دخل نہ کیا جائے۔

☆ ان بے زمین کسانوں کو بھی زمینیں دینے کے انتظامات کئے جو زمینوں کو آباد کرنے کے خواہش مند تھے اور اسکے لیے انہوں نے درخواستیں دی تھیں۔

☆ افسروں اور عہدیداروں کی جاگیر کے بجائے تنخواہیں مقرر کیں اور ان کی خود مختاری پر ضرب لگائی۔

☆ مجلس وطنی یا پارلیمنٹ قائم کی، جس کا مقصد جمہوریت کا فروغ تھا۔ اس کا نام "زمرۂ غم نباشد" رکھا کیونکہ سلطان کا خیال تھا کہ عوام کو حکومت میں شریک

Marfat.com

کر لینے کے بعد داخلی خطرات باقی نہیں رہیں گے۔

یہ تمام اقدامات اس حقیقت کے گواہ ہیں کہ سلطان جمہور دین اسلام کی حقیقی روح پیغمبر اسلام ﷺ کے ارشادات اور خلافت راشدہ میں عملاً ظہور پذیر ہونے والی تعلیمات کے اتباع میں کس قدر مخلص اور اٹل تھے۔

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے جس طرح اکبر کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں اور لادینیت کا مقابلہ کیا تھا۔ اگر ایک ایک واقعہ کو سامنے رکھ کر ان کا ٹیپو شہید کے اقدامات اور اس عہد کے واقعات سے تقابل کیا جائے تو یہ حقیقت مزید واضح ہو جائے گی کہ سلطان کے عقیدہ وعمل کو جس بزرگ کی تعلیم یا قرآن وسنت کی جس تشریح نے سب سے زیادہ متاثر کیا تھا وہ امام ربانی کی تعلیم وتشریح تھی۔

پروفیسر محب الحسن کا یہ بیان غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ ٹیپو سلطانؒ کا ذہنی میلان تشیع کی طرف تھا۔

> ''ٹیپو اگرچہ سنی مسلمان تھا لیکن تشیع کی طرف بھی اس کا کچھ رجحان تھا۔ وہ سچا مذہبی انسان تھا۔ اپنی سلطنت کا نام اس نے سلطنت خداداد رکھا تھا:
>
> پنج وقتہ نماز پڑھتا اور رمضان کے روزے پابندی سے رکھتا تھا۔ اس کے دل میں حضرت علیؓ کی بے حد عزت وعقیدت تھی۔ اپنے اسلحوں پر اس نے اسد اللہ الغالب، کندہ کرایا تھا، جو حضرت علیؓ کا لقب تھا۔ شیعہ ائمہ سے بھی اسے عقیدت تھی، چنانچہ اپنے بہت سے سکوں کو ان کی ناموں سے اس نے موسوم کیا تھا۔ اس کے کتب خانوں کی کتابوں پر فاطمہؓ، حسنؓ حسینؓ کے ناموں کی مہریں تھیں۔ اس نے

Marfat.com

اپنے جو سفیر قسطنطنیہ بھیجے تھے انہیں ہدایت کی تھی کہ نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ میں حضرت علیؓ اور امام حسینؓ کی مقبروں پر اس کی طرف سے نذریں پیش کریں اور سلطان سے درخواست کریں کہ نجف میں چونکہ پانی کی قلت ہے اس لیے وہاں ایک نہر تعمیر کرانے کی اسے اجازت دی جائے، جس میں فرات سے پانی لایا جائے گا۔"۲۲

حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، شہدائے کربلا یا جن بزرگوں کو شیعہ اپنا امام بتاتے ہیں، ان سے عقیدت و محبت کی بناء پر کسی شخص میں تشیع کا سراغ نہیں لگایا جا سکتا کیوں کہ عقیدہ کے فرق کے ساتھ یہ تمام بزرگ سینوں اور شیعوں دونوں کے لائق صد احترام بزرگ ہیں اور تصوف کے سلسلوں میں ان میں سے بیشتر کو امام یا مرشد برحق تسلیم کیا گیا ہے۔ خود سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں امام جعفرؒ صادق کا نام نامی شامل ہے۔ ان بزرگوں سے عقیدت و محبت کی بنا پر ٹیپو سلطان میں تشیع کی نشاندہی کرنا صحیح نہیں ہے۔

سلطان شہیدؒ کو تصوف سے گہرا شغف تھا اور وہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ پروفیسر محبّ الحسن کو سلطان کے جن معمولات پر تشیع کا شبہ ہوا ہے اس کا ازالہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی ہی ان سطور سے ہو جاتا ہے:

"میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر (حضرت علیٰ مرتضیٰ) اپنی جسدی پیدائش سے پہلے بھی اس مقام کے ملجا و ماویٰ تھے جیسا کہ آپ جسدی پیدائش کے بعد ہیں اور جس کو بھی فیض ہدایت اس راہ سے پہنچی وہ ان کے ذریعہ ہی پہنچی، کیونکہ وہ اس راہ کے آخری نقطہ کے نزدیک ہیں اور اس مقام کا مرکز ان سے تعلق رکھتا ہے اور جب حضرت امیر کا

Marfat.com

دور ختم ہوا تو یہ عظیم القدر منصب ترتیب وار حضرات حسنینؓ کے سپرد ہوا اور ان کے بعد اس منصب پر ائمہ اثنا عشر میں سے ہر بزرگ کا ترتیب وار تقرر رہا''

یہاں تک کہ نوبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ تک پہنچی......''۲۳

حواشی/حوالہ جات

☆ ریسرچ آفیسر انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

۱۔ مکتوبات امام ربانی۔ دفتر دوم، مکتوب ۶

۲۔ مکتوبات امام ربانی۔ دفتر دوم، مکتوب ۵۳

۳۔ ایضاً

۴۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول مکتوب ۶۳

۵۔ منتخب التواریخ، ص ۲۵۵

۶۔ منتخب التواریخ ص ۲۵۶

۷۔ ایضاً ص ۲۰۱

۸۔ اشتیاق حسین قریشی اپنی تصنیف History of the freedom movement جلد اول میں رقمطراز ہیں کہ ''آپ کی مسلسل کوششوں سے تحریک احیائے دین کا آغاز ہوا۔ چنانچہ اس انقلاب و تبدیلی کے نتیجہ میں سیاسی سطح پر جو کوششیں کی گئیں وہ اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگزیب عالمگیر کے درباروں کی بدلتی فضاء میں مطالعہ کی جا سکتی ہیں''۔

۹۔ Mohd Ikram: History of Muslim Civilisation in India & Pakistan p-271

Marfat.com

۱۰؎ Dr. Ishtiaque Quraishi __ Muslim Community of India. Pakistan. Page-152

۱۱؎ محمد الیاس ندوی، سیرت سلطان شہیدؒ ص ۴۷،۴۵

۱۲؎ سید معین الحق، معاشرتی اور علمی تاریخ ص ۴۸۳ فیض عالم صدیقی۔ اختلاف کا المیہ دوم ص ۴۸۳

۱۳؎ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول مکتوب ۶۵، ۸۱، ۱۶۲

۱۴؎ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول مکتوب ۵۳ بنام شیخ فرید بخاری

۱۵؎ ایضاً ص ۴۳، ۴۸، ۶۵، ۶۶، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۸۰، ۸۱

۱۶؎ ایضاص ۸۴، ۲۹۱، دفتر دوم ۴۴۔ تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۱۰۴، ۱۱۰، ۱۱۴

۱۷؎ توزک جہانگیری ص ۶۹۸

۱۸؎ A Short History of Indo Pakistan Page-298

۱۹؎ خلیق احمد نظامی۔ حیات شیخ عبدالحق ص ۳۱۲، ۳۴۴

۲۰؎ ڈاکٹر اقبال، تشکیل جدید الٰہیات ص ۲۹۸۔۲۹۹

۲۱؎ اہل نوائط خود کو دوسرے مسلمانوں سے ممتاز برتر سمجھتے تھے لہٰذا جب سلطان نے اپنے برادر نسبتی برہان الدین بن لالہ میاں کی شادی نواب بدر الزماں کی دختر سے کرنی چاہی تو اہل نوائط جو علم و فضل کے سبب قاضی اور محتسب جیسے اہم عہدوں پر فائز تھے سلطان کے خلاف ہو گئے۔

۲۲؎ محب الحسن۔ تاریخ ٹیپو سلطان ص ۵۔۵۱۴

۲۳؎ مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم۔ مکتوب ۱۲۳

Marfat.com

مکتوبات امام ربانیؒ
اعلیٰ عربی زبان وادب کی مثال

از: جناب اورنگ زیب اعظمی

مکتوبات امام ربانی شریعت وطریقت کا مرج البحرین ہیں، زبان فارسی ہے تاہم اس میں عربی کی عبارتوں کی بھی کثرت ہے، جا بجا قرآنی آیات واحادیث نبویہ کے حوالے، عربی اشعار واقوال سے استشہاد اور عربی زبان میں بامعنی اور برمحل دعائیں فارسی مکتوب کے حسن کو دوبالا کرتی ہیں، اوران سے صاحب مکتوب کی عربی زبان وادب پر کامل قدرت کا بین ثبوت ملتا ہے، ذیل میں اس کی کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

قرآنی آیات

پہلے ہم قرآنی آیات کے نقل واستشہاد کی بعض مثالیں پیش کرتے ہیں:

''کم ترین بندگان احمد معروض گرداند آہ ہزار آہ از بے نہایتی ایں را سیر باایں سرعت وواردات وعنایات باایں کثرت ازیں جااست کہ مشائخ عظام فرمودہ اند سیر الی اللہ پنجاہ ہزار سالہ راہ است تَعْرُجُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ مگر ایمائے باایں معنی داشتہ اند چوں کار بیاس رسید وامید ہا منقطع گشت هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ درکار رسد'' (۱/۲۸)

Marfat.com

ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت خواجہ بزرگ نقش بند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس فرمودہ اند اہل اللہ بعد از فنا و بقا ہر چہ می بینند در خودمی بینند و ہر چہ می شناسند در خودمی شناسند و حیرت ایشاں در وجود خود از وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَاتُبْصِرُوْنَ پیش ازیں ہر سیرے کہ ہست داخل سیر آفاقی است کہ حاصلش بے حاصلی است'' (۷۹-۷۸/۱)

ایک جگہ قرآنی الفاظ سے کتنی بہترین تلمیح پیش کی ہے، لکھتے ہیں:

''پس سالکان سبل طریقت و حقیقت را اگر در اثنائے راہ اموری کہ بظاہر با شریعت در جنگ اند ظاہر شوند و ظاہر سازند مبنی بر سکر وقت و غلبۂ حال است اگر ازاں مقام گذرانید و بصحو آرند آں منافات بالکلیہ مرتفع می شود و آں علوم متضادہ بہ تمام ھباء منثور میگردند'' (۳/۲)

اس طرح کے استدلالات و استخراجات کی بہ کثرت مثالیں ہیں لیکن ہمارا مقصود ان کا احاطہ نہیں۔

امام ربانی نے نہ صرف آیاتِ قرآنیہ سے استدلال کیا ہے اور ان سے بہترین تلمیحات و کنایات لیے ہیں بلکہ ان آیاتِ کریمہ کی بہترین اور دلکش تشریح و تفسیر بھی کی ہے، صرف دو مثالوں پر اکتفا کریں گے، اہل علم براہِ راست ان گرامی مکاتیب کا مطالعہ کریں اور تشریحات و توضیحات سے مستفید ہوں۔

''عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ'' کی تفسیر یوں فرماتے ہیں:

''......در مطعومات و ملبوسات لذیذہ و تفسیر حظِ نفس منظور نباید داشت بلکہ در اطعمہ و اشربہ غیر از حصول قوت بر اداء طاعات نیتی دیگر نباید کرد

Marfat.com

وجامہ نفیس بحکم کریمہ ''خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ '' أی عند کل صلاۃ بہ نسبت تزئین مامور باید پوشیدہ ومشوب بہ نیت دیگر نباید ساخت......'' (۵۲/۲)

''حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ'' کی وضاحت کرتے ہیں:

''ہم چنانکہ مقصود از خلقتِ انسانی اداء عباداتِ ماموره است مقصود از اداء عبادات تحصیل یقین است کہ حقیقت ایمانست تواند بود کہ آیت کریمہ ''وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ '' رمزی بایں معنی باشد چہ کلمہ حتی ہم چنانکہ از برائے معنی غایت می آید از برای معنی علیہ نیز می آمد ای لاجل اَنْ یَّاتِیَکَ الْیَقِیْنُ گویا ایمانی کہ پیش از اداء عبادت است صورتِ ایمان است نہ حقیقتِ ایمان کہ تعبیر ازاں یقین کردہ شدہ......'' (۹۰/۲)

ایک جگہ حضرت مجدد صاحب نے ایک اہم اصول تاویل کی طرف توجہ دلائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تاویل وہی قبول ہوگی جو قرآن وسنت کے مشمولات ومفہومات کے خلاف نہ ہو، فرماتے ہیں:

''معنی تفسیری مشروط بنقل وسماع ست من فسر القرآن برأیہ فقد کفر شنیدہ ودر تاویل مجرد احتمال کافی است بشرط آنکہ مخالف کتاب وسنت نباشد......'' (۳۱/۴)

یعنی ان کے نزدیک کسی رائے یا خیال کے لیے اصل کسوٹی کتاب وسنت ہیں اور بس۔

احادیث نبویہ

قرآن مجید کے بعد موقع بہ موقع آپ نے نبی ﷺ کے اقوال واحکام سے بھی

Marfat.com

استدلال کیا ہے، حدیث کی تشریعی حقیقت سے قطعِ نظر آپ کے اقوال واحکام اعلیٰ عربی ادب کا بہترین نمونہ ہیں کیوں کہ آپ نہ صرف قبیلۂ قریش سے تھے جو کہ زبان دانی میں معروف تھا بلکہ بنو سعد میں تربیت پائی تھی جس کی عربیت میں مہارت ضرب المثل ہے، چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

''اما آگاہ است کہ ایں تائید وتقویت از اہل فجور وارباب فتور ہم می آید چنانکہ سید انبیاء علیہ وعلیہم وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات از تائید آن مرد فاجر خبر دادہ اند وفرمودہ ان اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر......'' (۱/۹۲)

نفس کی مخالفت کا درس اس انداز سے دیتے ہیں:

''درحدیث قدسی آمدہ است عاد نفسک فانھا انتصبت بمعاداتی یعنی دشمن دار نفس خود را زیرا کہ بدرستی آن نفس ایستادہ است بہ دشمنی من پس تربیت نفس نمودن بہ تحصیل مرادات او از جاہ وریاست وترفع وتکبر فی الحقیقت امداد کردن است بہ دشمن خدائے عزوجل......'' (۲/۲۴)

فرقۂ ناجیہ کے وصف میں حدیث کی طرف یوں اشارہ کر کے فرماتے ہیں:

''اما دلیلے کہ پیغمبر صادق علیہ من الصلوات افضلھا ومن التسلیمات اکملھا بر تمیز فرقۂ واحدۂ ناجیہ از آں فرق متعددہ فرمودہ است آنست الذین ھم علی ماانا علیہ واصحابی یعنی آن فرقہ واحدہ ناجیہ آنانند کہ ایشاناں بر طریقے اند کہ من برآں طریقم واصحاب من برآں طریق اند......'' (۲/۷۱)

Marfat.com

دین میں نماز کی اہمیت و منزلت اس طرح واضح کرتے ہیں:

''......فرائض ہمہ ہر چند قرب اصل می بخشند اما افضل واکمل اینہا صلوۃ است الصلوۃ معراج المومن شنیدہ باشی واقرب مایکون العبد من الرب فی الصلوۃ وقت خاص کہ حضرت پیغمبر را بودہ علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام کہ تعبیر ازاں بہ لی مع اللہ وقت فرمودہ نزد فقیر در نماز بود......نماز است کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام راحت خود دراں می جوید آنجا کہ میفر ماید أرحنی یابلال ......(۸۹-۸۸/۴)

صورت معنی کا مفہوم اس انداز میں سمجھاتے ہیں:

''......اگر حقیقت التجا وتضرع میسر نشود صورت تضرع ونیاز مندی را ز دست نمی باید داد وان لم تبکوا فتباکوا بیان ایں معنی است......''۔(۳۸/۲)

امثال واقوال

اپنی بات کو مزید واضح اور مدلل بنانے کے لیے شیخ احمد سرہندی نے جس طرح آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور دوسرے وسائل وذرائع اختیار کیے ہیں، اسی طرح عربی امثال واقوال حکمت سے بھی برمحل اور بہ کثرت استدلال کیا ہے، ذیل میں اس طرح کی کچھ چیزیں درج کی جاتی ہیں:

لایحمل عطایا الملک الامطایہ (۱.۴۰) القلیل یدل علی الکثیر (۱/۴۲) الجرعۃ تنبئی عن البحر الغدیر (۱/۴۲) ان بعض الظن اثم (۱/۷۸) ابن الفقیہ نصف الفقیہ (۱/۷۸) کل میسر لما خلق

Marfat.com

(۱۰۲/۱) کل حقیقة ردته الشریعة فهوزندقة (۹/۲) الولد سرلأبیه
(۱۵/۲) من کثر سواد قوم فهو منهم (۲۰/۲) الظاهر عنوان الباطن
(۲۰/۲) کل اناء یترشح بمافیه (۲۰/۲) صاحب الغرض مجنون
(۲۶/۲) مالایدرک کله لایترک کله (۲۷/۲) ان المعالجة بالأضداد
(۴۹/۲) التکبرمع المتکبرین صدقة (۴۹/۲) من حام حول الحمی
یوشک ان یقع فیه (۶۳/۲) انکسار العاصین أحب الی من صولة
المطیعین (۶۴/۲) ان المیت کالغریق ینتظر دعوة تلحقه من اب اوام او
اخ او صدیق (۸۱/۲) مامنا الاوله مقام معلوم (۹۷/۲) الضرورة تقدره
بقدرها (۱۰۳/۲) الموت جسریوصل الحبیب الی الحبیب (۱۰۶/۲)
الباقی عند التلاقی (۱۲۴/۲) حسنات الابرار سیئات المقربین (۷/۳)
حب الوطن من الایمان (۳۱/۳) العبرة للأصل لاللتبع (۶۳/۳)
شرالناس شرار العلماء (۸۴/۳)خیر الناس خیار العلماء (۸۴/۳)الناس
علی دین ملوکهم (۸۴/۳) السیف للضارب (۳/۴) لیس وراء الابادان
قریة (۳/۴) من عرف الله کل لسانه (۹/۴) ریاء العارفین خیر من
اخلاص المریدین (۱۶/۴) من دق باب الکریم انفتح (۲۴/۴) بدایة
الاولیاء نهایة الانبیاء (۸۷/۴) الغریق یتعلق بکل حشیش (۹۷/۴) حب
الشیء یعمی وبصم (۹۷/۴) الاثنان متغایران (۸/۵) ان المحدث اذا
قورن بالقدیم لم یبق اثر (۷۰/۵) کلموا الناس علی قدر عقولهم
(۹۷/۵) لاصلوة الابحضور القلب (۱۵۱/۵)

مندرجہ بالافقرے یا تو عربی ضرب الامثال ہیں یا آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ

Marfat.com

اور اقوال صحابہ وکبار ادباء سے ماخوذ ہیں، ان کے مطالعہ سے شیخ احمد سرہندی کی وسعت معلومات کا پتہ چلتا ہے، آپ ان خطوط کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو نظر آئے گا کہ شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بعض فقروں کے متعلق صراحتاً تحریر فرمادیا ہے کہ وہ ضرب الامثال ہیں جب کہ بعض فقروں کو برجستہ اپنے جملوں میں استعمال کیا ہے، جس سے صاحب مکتوب اور مخاطب دونوں کی قدر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

عربی اشعار

اپنی ہدایات ومواعظ حسنہ کو مزید مبرہن بنانے کے لیے آپ نے فارسی اشعار کے ساتھ ساتھ عربی اشعار سے بھی استدلال کیا ہے، یہ اشعار انتہائی برمحل اور بامعنی ہیں،، قاری کو انہیں ازبر کر لینا چاہیے، چند ملاحظہ ہوں:

۱. فلاطبیب لها ولاراقی (۱/۱٦)

۲. بضدهاتتبین الاشیاء (۱/۱۸)

۳. کیف الوصول الی سعاد ودونها قلل الجبال ودونهن خیوف (۱/۲۰)

۴. قصة العشق لاانفصال لها (۱/۲۰)

۵. الیک یامنیتی حجی و معتمری ان حج قوم الی ترب واحجار (۱/۵۱)

٦. اهلا لسعدی والرسول وحبذا وجه الرسول لحب وجه المرسل (۱/٥٦)

۷. هنیئاً لأرباب النعیم نعیمها وللعاشق المسکین مایتجرع (۱/۷۴)

۸. ومن بعدهذا مایدق صفاته وماکتمه احظی لدیه واجمل (۱/۹۰)

9. مااحسن الدین والدنیا لواجتمعا (۱/۹۴)

10. ما ان مدحت محمداً بمقالتی لکن مدحت مقالتی بمحمد (۲/۱۰)

11. العاقل تکفیه الاشارة (۳/۲)

Marfat.com

۱۲. وقد کان ماخفت ان یکونا	انا الی اللہ راجعونا (۳/۱۲)
۱۳. وللأرض من كأس الكرام نصيب	(۳/۱۵)
۱۴. عش ماشئت فانک میت	والزم ماشئت فانک مفارقه (۳/۱۷)
۱۵ اجنونی من حبیب ذی فنون	(۳/۶۱)
۱۶. صبت علی مصائب لوانها	صبت علی الایام صرن لیالیا(۳/۸۵)
۱۷. اولیک آبائی فجئنی بمثلهم	اذا جمعتنا یا جریر المجامع (۴/۴۴)
۱۸. یراه المومنون بغیر کیف	وادراک وضرب من مثال (۴/۱۷۷)
۱۹. کفرت بدین اللہ والکفرواجب	لدی وعند المسلمین فبیح (۴/۱۴۰)
۲۰. لانی فی الوصال عبید نفسی	وفی الھجران مولی للموالی
وشغلی بالحبیب بکل حال	احب الی من شغلی بحالی(۵/۵)
۲۱. یحرق بالنار من یمس بها	ومن هو النار کیف یحرق(۵/۶۷)

یہ صرف چند مثالیں ہیں جنہیں گرامی قدر مکاتیب سے سرسری طور پر درج کر دیا گیا ہے، اگر قاری ان مکاتیب کا غائر مطالعہ کرے تو اسے نظر آئے گا کہ انہوں نے کس طرح اور کیوں ان اشعار کا ذکر فرمایا ہے، پھر ان کے فارسی ترجمے یا مترادف فارسی اشعار صاحب مکتوب کی علمی منزلت اور ترجمے پر قدرت کا واضح پتا دیتے ہیں۔

عربی عبارتوں کا برمحل استعمال

عربی زبان وادب میں حضرت مجدد الف ثانی کی مہارت کی ایک مثال عربی جملوں اور عبارتوں کا برمحل استعمال ہے، یہ مکاتیب اگرچہ اکثر فارسی میں ہیں مگر تحریر کے درمیان وہ عربی جملوں اور عبارتوں کا اتنی خوبی سے استعمال کرتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے جیسے نگینے جڑے ہوئے ہوں، چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

Marfat.com

''عجب کاریست اولا ہر بلا ومصیبت کہ واقع می شد باعث سرور و فرحت می شد و ھل من مزید می گفت وہر چہ از امتعہ دنیویہ کم شد خوش می آمد وایں قسم آرزو می کرد''۔(۱۲/۱)

''دروقت نزول ازفوق ہمراہ خود چیزے کمتر اوردہ است مایۂ نسبتی کہ ازتوجہ قاصر بود وعروج از اثر آں توجہ بود ھنوز باقی است درنسبۃ جذبہ کالروح فی الجسد است و کالنور فی الظلمۃ لیکن ایں جذبۃ حال غیر جذبۃ خواجہا است......''(۱/۳۳۔۳۴)

''فوق مقام شہادت مقام صدیقیت است و تفاوتی کہ درایں دو مقام است اجل من ان یعبر عنہ بعبارۃ و اعظم من ان یشار الیہ باشارۃ وفوق آں مقامے نیست الا النبوۃ علی اصلھا الصلوات و التسلیمات......''(۱/۳۰)

''پس مقصود از تحصیل آں ہر دو تکمیل شریعت است نہ امر دیگر ورائے شریعت احوال ومواجید وعلوم ومعارف کہ صوفیہ را در اثناء راہ دست می دہند نہ از مقاصد اند بل اوھام وخیالات تربی بھا اطفال الطریقۃ از جمیع ابنہا گذشتہ بمقام رضا باید رسید کہ نہایت مقامات سلوک وجذبہ است......''(۱/۳۸)

''......بالجملہ بعد از تحملات بسیار وجواز از برائے اشتغال بایں علوم پیدا می شود اما اگر مقصود از خواندن اینہا غیر از معرفت احکام شرعیہ وتقویت ادلہ کلامیہ امرے دیگر نباشد والا لا یجوز اصلا اجتناب باید کردار ارتکاب امر مباح کہ مستلزم فوت امور واجبہ باشد......''۔(۲/۵۵)

Marfat.com

''......دربیان آں کہ جامعیت انسان باعث تفرقہ اوست باہمیں جامعیت است کہ سبب جمعیت اوست کما نیل ماء للمحبوبین وبلاء للمحبوبین مکتوب شریف وصول یافت......'' (۸/۴)

''......ارباب قلوب کہ درمقام تجلیات صفاتیہ از صفتے بہ صفتے واز اسمی باسمے منتقل ومتحول اند تلون احوال نقد وقت ایشاں است وتشتت آمال حاصل مقام ایشاں دوام حال درحق ایشاں محالست واستمرار وقت درشانشان ممتنع زمانے درقبض اندوزمانے دربسط فھم ابناء الوقت مغلوبوہ فمرۃ یعرجون واخری یھبطون......'' (۵/۴۰)

ان خطوط کا مطالعہ کریں تو ایسا لگے گا جیسے عربی جملوں اور عبارتوں کی آمد الہامی ہے، ''ہل من مزید، کالروح فی الجسد، کالنور فی الظلمۃ'' اور ''والا لا یجوز اصلاً'' وغیرہ اپنی جگہ پر فارسی میں متبادل نہیں رکھتے، ان سے جہاں صاحب مکتوب کی انشا پردازی کا پتہ چلتا ہے وہیں شیخ صاحب کی برجستہ تحریری صلاحیت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

دعائیں:

شیخ احمد سرہندی کی عربی زبان وادب پر مہارت کی سب سے بین مثال وہ عربی دعائیں ہیں جنہیں انہوں نے ہر مکتوب گرامی کے شروع میں حسب حال رکھا ہے، یہ دعائیں خود ان کے الفاظ میں ہیں، ان کی جامعیت اور معنویت دونوں آنکھوں کو خیرہ اور دلوں کو مسحور کردیتی ہیں، ہمیں ان دعاؤں کو ازبر کرلینا چاہیے، مقالہ کی تنگی کے پیش نظر صرف چند دعاؤں پر اکتفا کریں گے۔

(۱) عصمنا اللہ سبحانہ وایاکم من التعصب ونجانا وایاکم عن

Marfat.com

التلهف والتأسف. (۱/۷۴)

(۲) شرفکم اللہ سبحانہ بکمال الاتباع المحمدی وزینکم بالزی السنی المصطفوی...... (۱/۷۸)

(۳) نجانا اللہ سبحانہ وایاکم عن زیغ البصر بحرمۃ سید البشر...... (۱/۹۶)

(۴) نصرکم اللہ سبحانہ علی الاعداء. (۲/۲۰)

(۵) عظم اللہ سبحانہ اجرکم ورفع قدرکم وشرح صدرکم ویسر امرکم. (۲/۲۴)

(۶) عصمکم اللہ سبحانہ عما یعصمکم وصانکم عماشانکم بحرمۃ سیدالبشر المنفی عنہ زیغ البصر. (۲/۶۳)

(۷) زادنا اللہ سبحانہ وایاکم حمیۃ الاسلام. (۲/۷۵)

(۸) رزقنا اللہ سبحانہ وایاکم الاستقامۃ علی متابعۃ السنۃ السنیۃ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیۃ. (۳/۸۳)

(۹) أحسن اللہ سبحانہ حالکم واصلح بالکم. (۲/۱۰۲)

(۱۰) اللھم لاتکلنا الی انفسنا طرفۃ عین فنھلک ولا اقل منھا فنضیع. (۳/۳۰)

(۱۱) احسن اللہ تعالٰی احوالکم واصلح سبحانہ اعمالکم وآمالکم. (۳/۹۵)

(۱۲) اللھم وفقنا لمرضاتک وثبتنا علی طاعتک بحرمۃ سید الاولین والآخرین. (۴/۱۰)

Marfat.com

(۱۳) ثبتنا الله سبحانه على تقليد العلوم الشرعية على مصدرها الصلوة والسلام والتحية يرحم الله عبداً قال آمينا. (۲/۸۷)

مندرجہ بالا ادعیہ مبارکہ پر اگر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو صاف معلوم ہوگا کہ دعا کرنے والا خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کو شرط اولین قرار دیتا ہے اور ہر ایک دعا کو محمد ﷺ کے واسطہ سے بارگاہ ربانی میں پہنچانا چاہتا ہے، یہی اصل ایمان ہے۔

عربی تحریر کے نمونے

قارئین کے سامنے عربی زبان وادب پر شیخ احمد سرہندی کی مہارت وگرفت کے نمونے چند چھوٹے چھوٹے جملوں، پُر حکمت باتوں، برمحل اشعار اور برجستہ دعاؤں کی شکل میں پیش کیے گئے، ممکن ہے کسی کے ذہن میں طویل جملوں یا مکمل تحریر پر ان کی قدرت کے بارے میں شک یا سوال ہو، اسی شبہ کے ازالہ کے لیے ہم چند مثالیں ان کی طویل تحریروں سے دینا چاہیں گے مگر چوں کہ صفحات بہت مختصر اور محدود ہیں، اس لیے صرف دو عربی خطوط پر اکتفا کریں گے اور قارئین کے لیے ان کے عربی خطوط کے دیگر حوالے درج کردیں گے، تاکہ جسے مزید تشنگی ہو وہ ان صفحات پر ایک نظر ڈال لے۔

حضرت محمد ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اطاعت واتباع پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ارسل الى خواجه جهان فى التحريض على متابعة سيد المرسلين ومتابعة خلفاء الراشدين عليه وعليهم من الصلوات اكملها ومن التسليمات اتمها سلم الله تعالىٰ قلبكم وشرح صدركم وزكى نفسكم والان جلدكم كل ذلك بل جميع كمالات الروح والسر

Marfat.com

والخفی والاخفی منوط بمتابعة سید المرسلین علیه
وعلی آلہ من الصلوات افضلها ومن التسلیمات اکملها
فعلیکم بمتابعته ومتابعة خلفائه الراشدین الهادین
المهدبین من بعد وفاته نجوم الهدایة وشموس الولایة
فمن شرف بمتابعتهم فقد فاز فوزا عظیما ومن جبل
علی مخالفتهم فقدضل ضلالابعیدا''۔(۱/۶۶)

ولایت اوراولیاء کے مسئلہ پر یوں روشنی ڈالی ہے:

''هذا المکتوب ارسل الی المخلص الصدیق محمد
الصدیق فی بیان مراتب الولایة عامة کانت اوخاصة مع
بعض خواص الخاصة إعلم ان الولایة عبارة عن الفناء
والبقاء وهی اماعامة او خاصة ونعنی بالعامة مطلق
الولایة وبالخاصة الولایة المحدیة علی صاحبها الصلوة
والسلام والتحیة والفناء فیها اتم والبقاء اکمل ومن
شرف بهذه النعمة العظمی فقد کان جلده للطاعة
وانشرح صدره للاسلام واطمأنت نفسه فرضیت عن
مولاها ورضی مولاها عنها وسلم قلبه لمقلبه وتخلص
روحه کلیة الی مکاشفة حضرت صفات اللاهوت
وشاهد سره مع ملاحظة الشیون والاعتبارات وفی هذا
المقام شرف بالتجلیات الذاتیة البرقیة وتحیر خفیه
لکمال التنزه والتقدس والکبریاء واتصل اخفاء اتصالا

Marfat.com

بلاتکیف وضرب من المثال''

هنیا لأرباب النعیم نعیمها

ومما ینبغی ان یعلم ان الولایة الخاصة المحمدیة علی صاحبها الصلوة والسلام والتحیة متمیزة عن سائر مراتب الولایة فی طرفی العروج والنزول امافی طرف العروج فلان فناء الاخفی وبقاءه مختصان بتلک الولایة الخاصة وعروج سائر الولایات الی الخفی یعنی ان عروج بعض ارباب الولایات الی مقام الروح وعروج البعض الی السروعروج البعض الآخر الی الخفی وهواقصی درجات الولایة العامة وامافی طرف النزول فلان لأجساد الاولیاء المحمدیة علیه وعلی آله الصلوة والسلام والتحیة نصیبا من کمالات درجات تلک الولایة لما انه صلی اللہ علیه وسلم اسری لیلة المعراج بالجسد الی ماشاء اللہ تعالیٰ وعرض علیه الجنة والنار واوحی الیه ماوحی وشرف ثمة بالرویة البصریة وهذا القسم من المعراج مخصوص به علیه الصلوةوالسلام والاولیاء المتابعون به کمال المتابعة السالکون تحت قدمه لهم ایضاً نصیب من هذه المرتبة المخصوصة

وللارض من کاس الکرام نصیب

غایة مافی الباب ان وقوع الرویة والدنیا مخصوص به

Marfat.com

علیہ الصلوۃ والسلام والحالۃ التی حصلت لاولیائہ الذین تحت قدمہ لیست برویۃ والفرق بین الرویۃ وتلک الحالۃ کالفرق بین الاصل والفرع والشخص والظل ولیس احدھما عین الآخر. (۳/ ۱۳۔۱۲)

مزید مثالوں کے لیے ملاحظہ فرمائیں جلد اول سے حصہ اول کے صفحات ۴۵ تا ۴۷، حصہ دوم کے صفحات ۱۰ تا ۱۲، ۳۳ تا ۳۶، ۹۱ تا ۹۶، حصہ سوم کے صفحات ۳۳ و ۳۴، ۹۷، حصہ چہارم کے صفحات ۴۷ تا ۴۹، حصہ پنجم کے صفحات ۷۵ تا ۷۹، ۱۲۰ تا ۱۲۳، ۱۳۳ تا ۱۳۶۔

نوٹ: یہ مضمون مکتوبات امام ربانی (بہ تصحیح وتحشیہ: حضرت نور احمد نقش بندی مجددی) مطبوعہ رؤف اکیڈمی، لاہور، پاکستان کی جلد اول کے مختلف حصوں پر مبنی ہے، یہ ایڈیشن ۱۳۳۱ھ میں نکلا ہے۔ (اعظمی)

Marfat.com

مکتوبات امام ربانی
کی تنقیدی اشاعت کی ضرورت

ڈاکٹر عارف نوشاہی

ترجمہ: ڈاکٹر عصمت درانی

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (۱۰۳۴-۹۷۱ھ/۱۶۲۴-۱۵۶۴ء) کے فارسی مکتوبات کا مجموعہ، مسلمان علما اور صوفیہ خصوصاً نقشبندی سلسلے میں ایک نہایت مقبول اور قابل احترام کتاب تصور کی جاتی ہے۔ میں نے ایک ترک مجددی عالم، عبدالحکیم ارواسی (۱۹۴۳-۱۸۶۰ء) کا ایک قول پڑھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم ورصحاح ستہ کے بعد، مکتوبات امام ربانی سب سے ممتاز کتاب ہے۔ یہ مکتوبات تین دفاتر (جلدوں) میں حضرت مجدد کے تین مختلف مریدوں نے مرتب کیے ہیں۔ یہ مجموعہ عام طور پر ''مکتوبات امام ربانی'' کے نام سے معروف ہے۔ (آئندہ سطور میں اسے صرف ''مکتوبات'' لکھا جائے گا)۔ ان تینوں دفاتر کی تفصیل حسب ذیل ہے:

پہلے دفتر کا تاریخی نام ''درالمعرفت'' (۱۰۲۵) ہے۔ اسے خواجہ یار محمد جدید بدخشی طالقانی نے ۱۰۲۵/۱۶۱۶ء میں مرتب کیا۔ یہ ۳۱۳ مکتوبات پر مشتمل ہے۔

دوسرے دفتر کا تاریخی نام ''نور الخلائق'' (۱۰۲۵ـ) ہے۔ اسے خواجہ یار محمد جدید بدخشی طالقانی نے ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۹ء میں مرتب کیا۔ یہ ۹۹ مکتوبات پر مشتمل ہے۔

تیسرے دفتر کا عنوان ''معرفت الحقائق'' ہے اور اس کی ترتیب کا مادۂ تاریخ

Marfat.com

''ثالث'' (۔۱۰۳۱) ہے۔ یہ دفتر خواجہ محمد ہاشم کشمی نے ۱۰۳۱ھ/۱۶۲۲ء میں مرتب کیا۔ اس میں ۱۲۴ خطوط شامل ہیں۔ طباعت کے دور سے قبل مکتوبات کے سینکڑوں قلمی نسخے ملتے ہیں۔ دنیا کے مختلف کتب خانوں کے قلمی نسخوں کی مطبوعہ فہرستوں سے ان مخطوطات کے تفصیلات کا علم ہوتا ہے۔ مثلاً فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان'' ہے جس کی مدد سے مختلف پاکستانی کتب خانوں میں موجود مکتوبات کے ۷۱ قلمی نسخوں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ (منزوی: (۱۹۸۴)، ۲۰۰۲/۳ ۔۲۰۰۸) فہرست مشترک کے ایک ضمیمے میں جو میں نے مرتب کیا ہے، پاکستان میں مکتوبات کے ۹ مزید قلمی نسخوں کا اندراج کیا ہے۔ (نوشاہی: (زیر طبع)، حصہ عرفان)۔ اس طرح پاکستان میں اس وقت معلوم نسخوں کی تعداد ۸۰ ہے۔ اندازہ ہے کہ ابھی بہت سے ایسے نسخے پاکستان میں موجود ہیں جن کی فہرست سازی نہیں ہوئی ہے۔ ہندوستان میں یہ تعداد کہیں زیادہ ہوگی۔

طباعت کا دور آنے کے بعد برصغیر میں مکتوبات کے اب تک کئی ایڈیشن آ چکے ہیں۔ اسی طرح مکتوبات ایران، ازبکستان اور ترکی میں بھی شائع ہوئے ہیں۔ ترکی میں حسین حلمی ایشق مرحوم نے ''حقیقت کتابیوی'' Hakikat Ketabevi استنبول سے ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء میں جو نسخہ شائع کیا وہ مولانا نور احمد امرتسری ایڈیشن کا عکس ہے۔ میری اطلاع کے مطابق مکتوبات کی سب سے قدیم طباعت احمدی پریس دہلی سے ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء میں ہوئی (نوشاہی: ۲۰۱۲: ۱/۶۶۹)۔ اس کے بعد ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں مرتضوی پریس دہلی سے طباعت ہوئی (ایضاً) ہندوستان میں مشرقی کتابوں کے معروف ترین ناشر، منشی نولکشور (۱۸۹۵۔۱۸۳۶ء) نے متعدد بار مکتوبات کو شائع کیا۔ تیس سال کے دوران، یعنی ۱۸۷۷ء سے ۱۹۰۶ء تک اس مطبع سے آٹھ مرتبہ یہ کتاب چھپی (ایضاً)۔ لیکن متذکرہ بالا تمام اشاعتیں معتبر اور مستند نہیں ہیں۔ مکتوبات کا سب سے مستند اور مقبول ایڈیشن

Marfat.com

مولانا نور احمد پسروری ثم امرتسری نے مرتب کیا۔ جو سب سے پہلے نو حصوں میں امرتسری سے ۳۴۔۱۳۲۷ھ/۱۵۔۱۹۰۹ء کے دوران طبع ہوا۔ اس کی عکسی اشاعتیں پاکستان اور ترکی سے کئی مرتبہ ہو چکی ہیں۔ یہ تمام اشاعتیں دستی کتابت پر مبنی ہیں۔ ''مکتوبات امام ربانی'' کے نام سے ایک ایرانی اشاعت، مرتبہ محمد ایوب گنجی اور حسن زارعی، دو جلدوں میں، بالترتیب ۷۷۵ اور ۷۹۶ صفحات پر مشتمل، ۱۴۲۵ھ ق/۱۳۸۳ھ ش، میں ''انتشارات صدیق'' زاہدان سے ہوئی۔ پہلی جلد، پہلے دفتر پر اور دوسری جلد دوسرے اور تیسرے دفتر پر مشتمل ہے۔ یہ جدید کمپیوٹر کتابت شدہ ہے۔ مکتوبات کے زاہدان ایڈیشن میں مرتبین نے دو فارسی مخطوطات اور ایک عربی ترجمہ سے استفادہ کیا ہے (مقدمہ، ص ۴۷) فارسی مخطوطات دہلی اور کراچی کے ہیں۔ کراچی کا نسخہ کتب خانہ دارالعلوم کراچی کا ہے لیکن مرتبین نے دہلی مخطوطے کا اتا پتا نہیں دیا۔ انہوں نے مکتوبات کے عربی ترجمے کے پشاور ایڈیشن سے بھی استفادہ کیا ہے۔ مرتبین نے جو متن تیار کیا، اس کے تقابل کے لیے انہوں نے نور احمد امرتسری (کراچی ایڈیشن) کے پہلے دفتر اور مکتوبات کے ایک مخطوطہ (دفتر دوم وسوم)، جس کی تصحیح محمد عبداللہ نقشبندی نے کی ہے، سے استفادہ کیا ہے۔ یہ مخطوطہ، مکتوبات کے مرتب گنجی کے ایک دوست کے نجی کتب خانے، واقع متحدہ عرب امارات میں موجود ہے۔

مکتوبات کا نور احمد ایڈیشن

مولانا نور احمد برصغیر کے عالم دین تھے۔ عربی اور فارسی زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ پاکستان کے ضلع سیال کوٹ کے ایک قصبہ پسرور میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء میں حجاز چلے گئے۔ مکہ میں ''مدرسہ صولتیہ'' میں تعلیم حاصل کی اور اسی مدرسہ میں بطور استاد مقرر ہوئے جہاں انہوں نے چھ سات سال تک تدریسی فرائض انجام دیے۔ مکہ مکرمہ میں وہ سلسلہ چشتیہ کے شیخ، امداد اللہ مہاجر مکی (متوفی: ۱۳۱۷ھ) کے مرید ہوئے اور ہندوستان

Marfat.com

واپس آ گئے ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں وہ ہندوستانی پنجاب کے شہر امرتسر منتقل ہوئے۔ امداد اللہ کی وفات کے بعد نور احمد، نقشبندی مجددی سلسلے کے شاہ ابوالخیر دہلوی کے خلیفہ بنے۔ ۱۳/شعبان ۱۳۴۸ھ/۱۴/جنوری ۱۹۳۰ کو وفات پائی اور امرتسر میں دفن ہوئے۔ (محمد موسیٰ: ۱۳۸۴)، ۱۵۔۱۰)

مکتوبات کا ایک نیا مستند ایڈیشن تیار کرتے وقت ہمیں مولانا نور احمد امرتسری کی کوششوں کا اعتراف کرنا چاہیے۔ انہوں نے خود بتایا ہے کہ پہلے انہوں نے مکتوبات کے چند مخطوطے اور مطبوعے اور محمد مراد المنزلوی کا مصر میں طبع شدہ عربی ترجمہ حاصل کیا۔ وہ تین سال سے زیادہ عرصہ نسخوں کے تقابل میں مصروف رہے۔ پھر وہ سرہند گئے اور امام ربانی کے مزار کے سجادہ نشین کے مملوکہ نسخے کے تقابل کے لیے وہاں ایک ماہ تک قیام پذیر رہے۔

مولانا نور احمد نے اپنے کام کی وضاحت یوں کی ہے:

۱۔ تیار شدہ متن کا بار بار کئی قلمی نسخوں سے تقابل۔ ۲۔ حتی الوسع نسخوں میں اختلاف کا ذکر، جس میں کوئی چیز فروگذاشت نہیں ہوئی۔ ۳۔ حتی الوسع احادیث کی تخریج۔ ۴۔ مشکل الفاظ کی وضاحت کی اور مبہم اور غیر واضح عبارات میں ربط پیدا کرنے کا التزام۔ ۵۔ مندرجات کی اجمالی فہرست کا الحاق جس میں ہر مکتوب کا خلاصہ دیا گیا ہے۔ ۶۔ جو مکتوبات عربی زبان میں تھے ان کا فارسی ترجمہ۔ ۷۔ بعض مقامات، خواہ وہ چند ایک ہی تھے، اپنے فہم کے مطابق (مکتوبات کی عبارتوں سے) باطل توہمات اور فاسد خیالات پیدا ہونے کے اندیشہ کو رمز و کنایہ سے دفع کیا ہے۔ ۸۔ تمام عربی عبارات، قرآنی آیات اور احادیث کا حاشیے میں فارسی ترجمہ دیا ہے۔ آیات کے سلسلے میں سورہ اور پارہ کا تعین بھی کیا گیا ہے۔ ۹۔ تمام عربی عبارات پر اعراب لگانے کا اہتمام، حرکات اضافیہ اور توصیفیہ کی رعایت بالخصوص مبہم مقامات پر (مرتب نے عام فارسی اور عربی الفاظ کا تلفظ واضح کرنے کے لیے بھی اعراب سے خوب کام لیا ہے۔ ۱۰۔ مکتوبات میں متذکرہ اشخاص کے حالات

Marfat.com

زندگی کے بارے میں کچھ حواشی۔ (نور احمد پسروری: (۱۳۳۰ھ)، ''اعلام'')

مولانا نور احمد کا مرتبہ ایڈیشن نو حصوں میں مکمل ہوا اور یہ ۳۴-۱۳۲۷ھ/۱۶-۱۹۰۹ء کے دوران امرتسر میں ان کے ذاتی ''مجددی پریس'' سے پہلی مرتبہ طبع اور شائع ہوا۔ عیسوی کیلنڈر کے مطابق مولانا نور احمد کے پہلے ایڈیشن کو سو سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کی تجدید کی جائے۔

مکتوبات امام ربانی کی نئی تنقیدی اشاعت کا منصوبہ:

مکتوبات کی نئی تنقیدی اشاعت چار حصوں (مقدمہ، متن، تعلیقات، اشاریے) میں تیار ہونی چاہیے۔ اس کے لیے میری تجاویز درج ذیل ہیں:

۱۔ مقدمہ:

اس حصے کے مجوزہ مندرجہ درج ذیل ہے:

۱۔ شیخ احمد سرہندی کے حالات زندگی۔ ۲۔ مکتوبات کے مرتبین کے حالات زندگی اور روداد ترتیب مکتوبات۔ ۳۔ اسلامی ثقافت میں مشائخ کے خطوط مرتب کرنے کی روایت کی مختصر تاریخ۔ ۴۔ مکتوبات کا اسلامی فکر اور فارسی ادب کے ماخذ کی حیثیت سے اہمیت اور جائزہ۔ ۵۔ مکتوبات کے اب تک ہونے والے تراجم، شروح اور تجزیات کا جائزہ۔ ۶۔ دنیا بھر میں مکتوبات کی اشاعتوں اور اہم مخطوطات کا جائزہ۔ ۷۔ اس خاص تنقیدی اشاعت میں استعمال کیے گئے مکتوبات کے مخطوطات اور مطبوعات کا تعارف۔ ۸۔ اس خاص تنقیدی اشاعت میں تدوین کا اختیار کردہ طریقہ کار۔

۲۔ فارسی متن:

متن کی بنیاد مکتوبات کے کسی ایک قدیم ترین اور معتبر مخطوطے پر ہونی چاہیے اور

Marfat.com

اس کا تقابل چند دیگر قدیم مخطوطات اور نور احمد اشاعت سے ہو۔ مکتوبات کے گیارہویں صدی ہجری تک کے آخر میں لکھے گئے چند تجویز کردہ مخطوطات درج ذیل ہیں۔

ا۔ کابل: قلعۂ جواد، خانقاہ نقشبندیہ۔ ایک پاکستانی محقق محمد اقبال مجددی نے ۱۹۷۷ میں کابل کا دورہ کیا اور مکتوبات کا یہ قلمی نسخہ دیکھا۔ مجددی صاحب کے بقول اس نسخے کے آخر میں ایک تصدیق نامہ تھا کہ یہ نسخہ شیخ احمد سرہندی کے خلف خواجہ محمد معصوم (متوفی: ۱۰۷۹ھ) کا تصحیح شدہ ہے۔ انہوں نے چند وضاحتی نوٹ بھی لکھے ہیں۔ مجددی صاحب نے اس قلمی نسخے کی چند تصاویر ''مقامات معصومی'' (لاہور، ۲۰۰۴ء، جلد ۴، صفحات ۵۴۴۔۵۴) میں شائع کی ہیں۔ خانقاہ نقشبندیہ کابل، ۱۹۷۸ء میں سوویت یونین کی افغانستان میں فوجی مداخلت کے دوران تباہ ہوگئی تھی اور اب اس نسخے کے متعلق ہم لاعلم ہیں۔ (مجددی: ۲۰۰۲)، ۵۹۔۵۸)

۲۔ اسلام آباد: کتاب خانۂ گنج بخش: نمبر: ۱۴۹۵، مکتوبہ ۱۴ محرم ۱۰۵۶ھ، دفتر اول و دوم (منزوی: (۱۹۸۴)، ۲۰۰۲/۳ء)

۳۔ کراچی: پروفیسر نواز علی شوق، مکتوبہ ۲۲ صفر ۱۰۶۰ھ۔ کسی دفتر کے مکتوب ۵۷ کے بعد کے مکتوبات موجود ہیں۔ فہرست نویس نے دفتر کا شمار نہیں لکھا۔ ۱۴۱ ورق (خضر نوشاہی: (۱۹۹۳، ۱۸۸)۔

۴۔ کراچی: نیشنل میوزیم آف پاکستان، نمبر N.M.1952-1056/5 بلا تاریخ ہے لیکن ۱۰۶۵ھ میں نور محمد بن شیخ پیر محمد عباسی سلطان پوری نے کسی دوسرے نسخے سے تقابل کیا ہے، دفتر ۲ پر مشتمل ہے۔ (نوشاہی: ۱۹۸۳)، ۲۸۳)

۵۔ علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ذخیرہ حبیب گنج، نمبر 21/271: دفتر دوم ۱۳۸ ق، ۲۳؛ کاتب الحروف فقیر حافظ ابوالحسن ولد ابو محمد قریشی، ظہریہ پر ایک مدور مہر سجع کے ساتھ

Marfat.com

جس میں سال ۱۰۷۲ کندہ ہے۔ مہر کے اوپر مالکہ لکھا ہے۔ مہر کے نیچے ذیل کی عبارت خط نسخ خفی میں لکھی ہے: "من مواهب الله وعطاياه ومننه علی عبده ابی الحسن النقشبندی السندی المدنی عفی عنه" کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔

۶۔ علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، حبیب گنج کلکشن نمبر 21/272 دفتر سوم؛ ۱۵۵ق؛ سطور ۲۳؛ خط نسخ؛ کاتب نے اس طرح اپنا نام لکھا ہے: "کاتب الحروف فقیر حافظ ابوالحسن ولد ابومحمد قریشی"۔ نمبر ۵ اور ۶ الگ الگ مجد ہیں لیکن ایک ہی کاتب کے نقل کردہ ہیں۔ محولہ بالا سجع والی مہر دونوں پر ثبت ہے اور اس کے اوپر "مالکہ" لکھا ہے۔

۷۔ اسلام آباد: کتاب خانۂ گنج بخش۔ نمبر ۸۷۹۴، مکتوبہ ۱۰۷۹ھ، دفتر دوم۔ (منزوی: (۱۹۸۴)، ۲۰۰۳/۳۔۲۰۰۲)

۸۔ تاشقند: البیرونی اورنیٹل انسٹی ٹیوٹ لائبریری۔ نمبر ۱۴۹۹ کاتب: روح اللہ سرہندی، تاریخ کتابت: ۱۰۸۰ھ، ۳۰۷ ورق۔ (Samanov (1955, 3/334-5)

۹۔ پشاور: اسلامیہ کالج لائبریری۔ نمبر ۹۳۹: مکتوبہ: ۱۹ رمضان ۱۰۸۲ھ۔ (منزوی: (۱۹۸۴)، ۲۰۰۳/۳)

۱۰۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ: نمبر، یونیورسٹی کلیکشن فارسی مذہب تصوف (a&)23 مکوبہ ۵ صفر ۱۰۹۸ھ ۳۰ جلوس عالمگیری، آخری ۱۲۷ اوراق کے کاتب، سیر شکر اللہ دفتر دوم وسوم۔

۳۔ تعلیقات وحواشی

یہ اس منصوبے کا سب سے اہم حصہ ہے۔ مکتوبات میں مذکور تمام اہم مندرجات مثلاً قرآنی آیات، احادیث، مذہبی رجال کے اقوال، اصطلاحات اور مخصوص مقامی الفاظ،

Marfat.com

تاریخی واقعات، اشخاص، فرقے، کتب، مقامات، عربی اور فارسی اشعار کی مستند اور بنیادی مآخذ کی مدد سے تخریج ہونی چاہیے۔ خصوصاً مکتوبات کے مکتوب الیہم کی شناخت ہو اور ان کے حالات زندگی لکھے جائیں۔ مکتوبات کی بعض شرحیں لکھی جا چکی ہیں اور مکتوبات میں درج احادیث کے اشاریے بھی بن چکے ہیں (مجددی: (۲۰۰۲)، ۶۹۔۶۴) نئی تنقیدی اشاعت میں مکتوبات پر تبصرے اور حواشی کے لیے اس قسم کی کتب مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔

۴۔ توضیحی اشاریے

مکتوبات کا یہ ایڈیشن درج ذیل اشاریوں پر مشتمل ہونا چاہیے:

۱۔ قرآنی آیات، ۲۔ احادیث، ۳۔ مذہبی رجال کے اقوال، ۴۔ اصطلاحات اور مخصوص الفاظ۔ ۵۔ اشخاص، ۶۔ فرقے، ۷۔ کتب، ۸۔ مقامات، ۹۔ عربی اور فارسی اشعار، ۱۰۔ مکتوبات کا جدول جس میں ہر ایک مکتوب الیہ کو بنیاد بنا کر اس کے نام مکتوب کا نمبر اور موجودہ ایڈیشن کا صفحہ نمبر دیا گیا ہو۔ مکتوبات کے کچھ اشاریے پہلے ہی سے دستیاب ہیں جو نئی تنقیدی اشاعت کے اشاریے کی تیاری میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ فہارس تحلیلی ہشتگانہ مکتوبات احمد سرہندی از Arthur F.Buehler، مطبوعہ اقبال اکیڈمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۱ء

۲۔ تخریج احادیث المکتوبات از ابوکلیم محمد فانی، خانیوال (پاکستان)، ۲۰۰۵ء۔

نوٹ: قارئین سے استدعا ہے کہ اگر ان کے علم میں مکتوبات امام ربانی کا کوئی بہت قدیم نسخہ (گیارہویں صدی ہجری) ہو تو اس ای میل پر اطلاع دے کر ممنون احسان کریں۔ anaushahi_2000@yahoo.com

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

خضر نوشاہی، (۱۹۹۳ء) گنجینہ شوق، کراچی، منزوی، احمد (۱۹۸۴ء) فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، مرکز تحقیقات فارسی، ایران و پاکستان، جلد سوم۔ محمد موسی امرتسری (۱۳۸۴ھ) حضرت الحاج مولانا نور احمد پسروری امرتسری مصحح ومحشی مکتوبات شریف کے مختصر سوانح عیات'' مشمولہ مکتوبات امام ربانی مرتبہ نور احمد امرتسری، مطبوعہ لاہور، نور کمپنی جلد اول۔ مجددی، محمد اقبال، (۲۰۰۲ء): ''مقدمہ'' مشمولہ البینات شرح مکتوبات، ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی، لاہور، تنظیم الاسلام پبلی کیشنز۔ نور احمد پسروری امرتسری: (۱۳۳۰ھ) مکتوبات امام ربانی، حصہ پنجم دفتر اول، مطبع مجددی، امرتسر؛ مولانا نور احمد نے اس حصے کے اخری صفحے پر بطور اشتہار اپنی ان مساعی کا ذکر کیا ہے۔ نوشاہی، عارف (۱۹۸۳ء): فہرست نسخہ ہای خطی فارسی موزۂ ملی پاکستان، کراچی مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد۔ نوشاہی، عارف (۲۰۱۲ء کتاب شناسی آثار فارسی چاپ شدہ درشبہ قارہ، تہران، میراث مکتوب، جلد اول۔ نوشاہی، عارف (زیر طبع): فہرست مخطوطات فارسی پاکستان

Samanov, A.A (1955), (Sobranie Vostochnikh Rukopisey Akademii Nauk Uzbekshoy SSR, Tashkent, Vol.3.

Marfat.com

ALL RIGHTS RESERVED WITH PUBLISHER

Title: Armagan-e-Imam-e-Rabbani(Vol-VII)

Editor: Dr.Muhammad Humayun Abbas Shams

Ph.D (B.Z.University Multan, Pakistan)
Post Doc. (University of Glasgow, U.K.)

Published by: Muhammad Nazim

Prof Reading: Shahid Hussain

Calligraphy: Ahmad Ali Bhutta

First Edition: October,2016

Publisher: Imam-e-Rabbani Publications, Lahore,Pakistan

Contact:

Kashan-e-Sher-e-Rabbani 51-K1 Wapda Town, Lahore,Pakistan
Office: Daily Juraat, Tijarat and The Business 14-Davis Road, Lahore
Cell:0092300-4299321 Phone: 00924236375697
www.mujaddidway.com

297-4 Armagan-e-Imam-e-Rabbani edited by
Humayun Abbas

ARM

Lahore, Sher-e-Rabbani Publications, 2016
P 250

1.Sufiism

Marfat.com

The Collecion of Artilcles
on Hazrat Mujaddid Alf-e-Sani

Armaghan-e-Imam-e-Rabbani

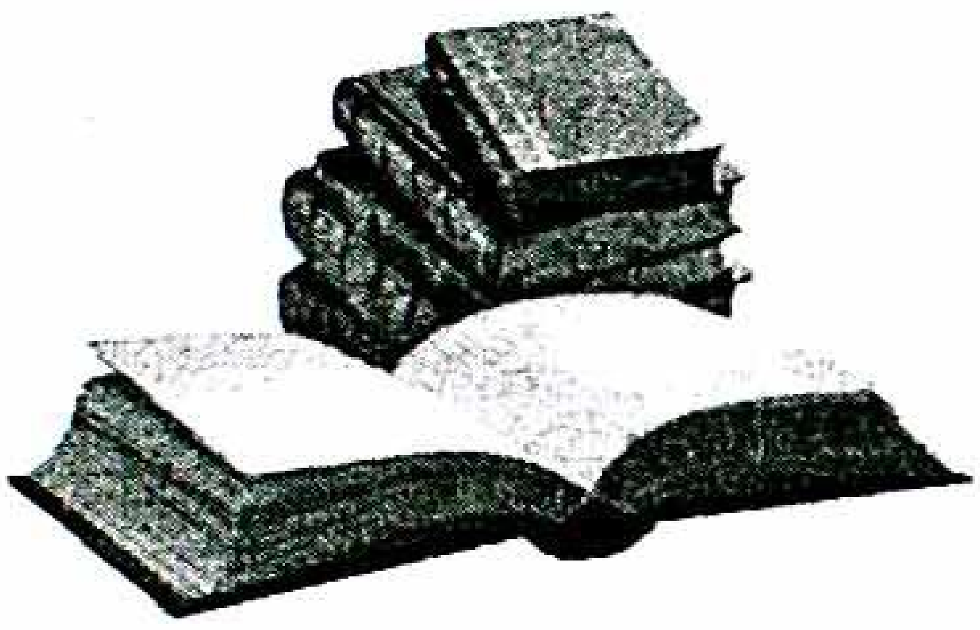

EDITOR:

Dr. Humayun Abbas

Vol-VII

Published by

Muhammad Nazim

Publisher

Imam-e-Rabbani Publications
Lahore - Pakistan

Marfat.com

ارمغانِ امامِ ربّانی

جلد ہفتم

ترتیب وتدوین

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

امام ربانی پبلیکیشنز لاہور پاکستان

Marfat.com